قال رسول اللہ ﷺ الفاطمةؑ بعضة منی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاطمہؑ میرے جسم کا حصہ ہے

توثیق فدک

بجواب

تحقیق فدک

مصنف و مولف

حضرت علامہ سید منظور حسین بخاری

اجنالہ سرگودھا

قال رسول اللہ ﷺ الفاطمۃُ بعضۃ منی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاطمہؑ میرے جسم کا حصہ ہے

توثیق فدک

بجواب

تحقیق فدک

مصنف و مولف

حضرت علامہ سید منظور حسین بخاریؒ

اجنالہ سرگودھا

حدثنا أبو الوليد حدثنا ابن عيينة عن عمرو ابن دينار عن ابن أبی ملیکة

عن المِسْوَر بن مَخْرَمَة أنّ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: فاطمة

بَضْعَة منّی فمن أغضبها أغضبنی۔

رسول خدا (ص) نے فرمایا ھے کہ: فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ھے، جس

نے اس کو غضبناک کیا تو اس نے مجھے غضبناک کیا ھے۔

صحیح البخاري ج4 ص210، (ح3714)، کتاب فضائل الصحابة،

ب12۔ باب مَنَاقِبِ قَرَابَةِ رَسُولِ اللَّهِ صلي الله عليه وسلم.

اور ج4 ص219، (ح3767) کتاب فضائل الصحابة، ب29۔ باب

مَنَاقِبُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلاَمُ.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زیر نظر کتاب علامہ سید منظور حسین بخاری رحم اللہ کی کتاب ہے.جو کہ توثیق فدک بجواب تحقیق فدک کے نام سے مصنف کی بہترین علمی صلاحیت کا نتیجہ ہے یہ کتاب علامہ صاحب نے احمد شاہ بخاری کی کتاب تحقیق فدک کے جواب میں لکھی احمد شاہ بخاری جن کا تعلق سرگردھا کے گاوں چوکیرہ سے تھا اور جناب علامہ سید منظور حسین بخاری کا تعلق بھی سرگودھا کے گاوں اجنالہ سے تھا اس لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ تحقیق فدک نامی کتاب کا جواب نہ لکھتے اس لیے انہوں نے اس کتاب کا جواب لکھ کے فریقین کو موثر انداز میں علمی جواب بھی دیا اس کتاب کی تقاریظ بھی علمائے امامیہ کے چند جید علمائے کرام نے کی ہے جو کہ کتاب کے آخری صحفات پر ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں مجھ حقیر کی اتنی سی کوشش ہے کہ اس کتاب کی عام مومنین تک رسای کو ممکن بنایا جا سکتا جو کہ میں نے اپنی سی کوشش کی ہے باقی اس کتاب کے اوائل کے سات یا آٹھ صحفات ڈھونڈنے کے باوجود بھی میسر نہیں آ سکے لہذا قارئین سے التماس ہے کہ اس غلطی کو معاف کیا جائے جس قدر مواد میسر ہوا اس کو حاضر خدمت کر رہا ہوں باقی مجھ حقیر کے لیے دعائے صحت ضرور کی جائے

والسلام طالب دعا حقیر سید ساجد بخاری

نظر آرہے ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے متنازعہ فیہ مسائل میں سے سب سے اہم اور معرکتہ الآرا مسئلہ حقیقتاً بقول مصنّف تحقیق فدک شیعت کا دروازہ مسئلہ فدک یعنی دختر رسول کا دعویٰ وراثت دربار حکومت میں پیش کر کے اپنے بابا کے جان نثار صحابہ سے عزّت و احترام کے ساتھ ورثہ کا طلب کرنا اور محروم رہنا ہے۔ ہر زمانہ میں علما و اہلِ سنّت دعویٰ خاتون معظمہ کو جھٹلاتے رہے اور ... کو سچا ثابت کرنا ان کا مسلک رہا۔ برخلاف اس کے اہلِ حق ہمیشہ سے دنیا پر واضح ... کہ دخترِ رسول کا مطالبہ بموجب حکم عموم قرآنی صحیح اور درست تھا۔ ابوبکر نے جو کچھ کیا محض غلط تھے یہ سب کچھ اہلِ بیت کی اقتصادی حالت کو کمزور کرنے کیلئے پوری وزارت کے مشورہ سے ... کیا۔

خدا کی شان اسی خاتون علیا کی نسل سے بھی چند افراد جو اپنی نسبی شرافت اور خاندانی ... بھول چکے ہیں۔ اپنی جدّہ محترمہ کے حق میں گستاخی کرتے نظر آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ جو ... زہرا نے کیا بہت درست تھا۔ سبحان اللہ تیرہ سو سال کے بعد آج بھی دولتِ سقیفہ کا رعب اور سطوتِ شاہانہ کچھ ایسے انداز سے ان بیچارے گم گشتگان سبیل ہدایت کے دلوں پر طاری ہے کہ لب ہلا نہیں سکتے۔

ایسے ہی قسم کے لوگوں میں سے ہمارے موضع اجنالہ ضلع سرگودھا میں ہماری برادری خاندان سادات بخاری میں سے حضرت مولوی سید احمد شاہ صاحب ہیں۔ جنہوں نے اپنی جدّہ محترمہ کے مخالفین کی وکالت بلا اجرت کا ٹھیکہ اٹھایا ہوا ہے۔ ہر نزاعی مسئلہ میں وہ مخالفین اہلِ بیت کو حق خیال کرتے ہیں۔ خصوصاً مسئلہ فدک پہ تو ایک مستقل کتاب "تحقیق فدک" تصنیف کر الی ہے۔ جس میں حکومت سقیفہ کی نمک خواری کا خوب حق ادا کیا گیا ہے۔ کتاب مذکورہ میں ... شاہ صاحب نے مزعومہ خویش کے مطابق عمدۃ المحققین کا سر اعناق ملحدین جناب الحاج ... امیر الدین صاحب قبلہ کی تصنیف لطیف "فلک النجاۃ" کے باب فدک کا جواب ... ہے۔ واللہ! اگر جناب مصنّف صاحب۔ فلک النجاۃ اور رسالہ ابطال الاعتراض کا ... ... النجاۃ کا مطالعہ بغور اور بالاستیعاب فرما لیتے تو ہرگز ہرگز کتاب تحریر ... کے ساتھ اپنی تحقیق اور استعداد ... فلک النجاۃ ... شاہ صاحب ... اعتراض اور ... ... نیان نہ ہو میری

شرح و بسط کے ساتھ دے دیا ہوا ہے۔ مگر کون نہیں سمجھتا اِن کا مقصد وحید تو صرف مصنّفین کی صف میں شمار ہونا تھا۔ اور بس۔

موجودہ ناصبیّت کے دور میں حضرت مولانا حکیم صاحب قبلہ نے فلک النجاۃ تصنیف کر کے اصحاب عصمت علیہم السّلام کی اتنی نصرت فرمائی ہے۔ کہ آج تک مخالف گروہ عرق ندامت اپنی پیشانی سے صاف نہیں کرسکا۔ علماء اہلِ تسنن کے قلموں میں اتنی طاقت نہیں۔ اور دواتوں میں اتنی سیاہی نہیں علم و عقل سے اتنا واسطہ نہیں جو اس کتاب کا جواب لکھ سکیں۔ فلک النجاۃ کے سوالات و جوابات کا جواب دینا خالہ جی کا گھر نہیں جو ہر کہ و مہ اُٹھ کر لکھنے بیٹھ جائے۔ اِس کا جواب تو خود وہ حاکم بھی زمانہ رجعت میں نہیں دے سکیں گے۔ جنہوں نے خود مقدمہ فدک کا فیصلہ کیا اور جن کی مدح میں یہ بزرگوار ہر وقت رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ چہ جائیکہ چودھویں صدی کے اَن پڑھ مُلّاں۔

اہلِ انصاف پہ واضح ہونا چاہئیے کہ ایک غیر سیّد شیعہ عالم سادات کی جدّہ محترمہ کو سچا ثابت کرنے کیلئے مخالفین کے ہی مسلّمات کو سامنے رکھ کر ایک کتاب تصنیف کر کے۔ ہندوستان۔ پاکستان اور عراق و ایران سے خراج تحسین حاصل کرتا ہے۔ اور کروڑ ہا انسانوں کی ہدایت کا سبب بنتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ایک بزرگ اپنے آپ کو فاطمی کہلوانے والا اپنی دادی محترمہ کے حق وراثت کو غلط ثابت کرنے کے لئے اور حاکم وقت کو سچّا ثابت کرنے کی غرض سے ایک کتاب "تحقیق فدک" لکھ کر گم گشتگان راہ ہدایت کو اور بھی تاریکی میں لے جانا چاہتا ہے۔ سیّد ہو کر ہرگز انہیں یہ حق نہیں پہنچتا تھا۔ مگر بچپن میں آنجناب پر ناصبیت کا ماحول مکمّل غلبہ کر چکا ہے جب سے جناب والا نے اہلِ بیت پاک کی مخالفت کا ذمّہ اُٹھایا ہے۔ سوادِ اعظم میں چوٹی کا عالم شمار ہونے لگ گئے ہیں۔ چنانچہ اپنے گمان میں بھی وہ ایک مجتہد۔ مجدّد اور امامِ زماں کا تصوّر رکھتے ہیں۔

اہلِ اسلام کے تمام مذاہب و مسالک یعنی شوافع۔ حنابلہ۔ مالکی۔ معتزلہ۔ شیعہ امامیہ، اہلحدیث کو سوائے اپنے ذاتی استنباطی مذہب کے ناحق خیال فرماتے ہیں۔ چنانچہ "الحق [illegible]" نعرہ ہمیشہ لگایا جاتا ہے۔

[illegible]

ہر پڑھنے والا ذی شعور انسان بعض مقامات کو دیکھ کر بے اختیار ہنس دیگا۔ مگر ساتھ ہی مصنف کی [illegible] پر چند آنسو بھی بہا دیگا۔ وہی فرسودہ خیالات جو آج سے چند سو سال پیشتر کئے جا چکے۔ اور ان کے جوابات میں علماء حقہ کی لائبریریاں کتب مناظرہ سے بھری پڑی ہیں۔ مثلاً تزہتہ اثنا عشر بجواب تحفہ اثنا عشریہ۔ عبقات الانوار۔ تشئید المطاعن وغیرہ۔ جن کا جواب آجتک نہیں دیا جا سکا۔ البتہ ہمارے ماحول کا جاہل طبقہ اس کتاب کو ضرور پسند کر رہا ہے۔ تعجب تو اس امر کا ہے۔ کہ اہلِ سنّت کے بعض سیاسی اخبارات بھی مذہبی کشمکش میں ملّوث ہو کر تبصرہ کرتے نظر آتے ہیں درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کی نظر حقائق پر نہیں بلکہ سطحی نظر سے مطالعہ کر کے ظاہری جاہ و جلال سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ یہ بیچارے خیال کرتے ہیں۔ کہ آج تک اس مسئلہ پہ کوئی کتاب لکھی ہی نہیں گئی۔ اِن کو کیا علم کہ یہ کتاب شیعہ اعتراضات کے ہزارویں حصّہ کا جواب بھی نہیں۔ کسی قدر ہم کو بھی اعتراف ہے کہ یہ کتاب واقعی ایک نئے ڈھنگ سے تحریر کی گئی ہے۔ جو صرف اپنے مصنّف کی جلالت علمی کی ہی مظہر ہے۔ اور بس۔

جس طرح اس کتاب یعنی تحقیق فدک میں معتقدات اہل سنّت سے اعراض اور مسلّمات خود کو پائمال کیا گیا ہے۔ اِس طرح آج تک کسی مصنّف سُنّی عالم نے محدّثین اور رواۃ کی توہین و تذلیل نہیں کی۔ یہ دستار فضیلت محض حضرت پوکیروی کے ہی سرِ اقدس پہ موزوں آئی ہے۔ ہمارے ناخواندہ ماحول میں روز و شب مساجد و منابر پر اسی کا تذکرہ رہتا ہے۔ جس کی بناء پہ مجھے اس کتاب کا جواب لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ ورنہ علماء کی موجودگی میں مَیں کبھی جرأت نہ کرتا۔ اگرچہ اس کتاب کا جواب باصواب لکھنے کیلئے اہل قلم حضرات کی کمی نہیں ہے۔ اور وقت ملنے پہ دندان شکن جواب لکھ کر مصنّف کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیں گے۔ مگر میں ناظرین حضرات پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ علماء تو اپنے مقام پہ رہے۔ مجھ جیسا ابجد خوان قوم شیعہ کا ادنےٰ فرد بھی اِس کتاب کی حیثیت کچھ نہیں سمجھتا۔

کتاب ہذا کے آئندہ صفحات میں مصنّف تحقیق کے ہر فرسودہ اعتراض کا جواب معہ اُن کے سوال کی اصل عبارت کے جیسا کہ اِن کی فرمائش تھی نہایت شرح و بسط کے ساتھ اپنی تحقیق اور استعداد کے مطابق دیا گیا ہے۔ جہاں کہیں ناظرین کو میرے دلائل پہ اطمینان نہ ہو میری

کم علمی پر محمول فرمادیں اور مزید مشورہ و تنقید سے مستفید فرما کر احسان کریں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کیا جا سکے۔ جو کچھ اس کتاب میں لکھا جائے گا شیعہ و سنی علماء کی تحقیقات کا اقتباس اور فریقین کے مسلّمات عقلیہ و نقلیہ سے ہوگا۔

ساری کتاب میں اہل سنت کی معتبر کتابوں سے عبارتیں نقل کی گئی ہیں اور بخوفِ طوالت بعض عبارتوں کا صرف ترجمہ لکھ کر اکتفاء کیا گیا ہے۔ ہر مسئلہ کی تائید میں صرف چند کتبِ معتبر کا حوالہ معہ اصل عبارت لکھا گیا۔ جو حضرات مزید اطمینان کرنا چاہیں وہ ازراہِ کرم فلک النجاۃ فی الامامۃ والصلوٰۃ کا مکمل مطالعہ فرمائیں۔ انشاء اللہ علمی تحقیقات کا بحر بے پایاں نظر آئے گا۔ پھر کسی اور دروازے پر جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

شیعہ کتب کی عبارتیں اس واسطے پیش نہیں کی گئیں کہ طوالت کا خطرہ تھا نیز مسئلہ فدک کے تمام اثباتی پہلو مثلاً توریث انبیاء۔ ہبۂ فدک۔ ناراضگی، جنابِ مدعیہ فدک مسلّمات شیعہ میں سے ہیں۔ اگر کوئی ضعیف روایت موجود بھی ہو تو وہ قطعیاتِ قرآنیہ و تواترات مرویات اہلِ بیت کے مقابلہ میں قابلِ التفات ہرگز نہیں ہے۔ ہاں مصنف تحقیق فدک نے جن روایاتِ شیعہ سے استدلال کیا ہے۔ اِن کی تنقید اور تاویل فریقین کے مسلّمات سے ہی کی ہے کہ ناظرین کے اطمینان کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اصل کتاب کے شروع کرنے سے پہلے مسئلہ فدک کا اجمالی خاکہ اور حقیقتِ فدک کا تعارف مال فئے کی تشریح کی گئی ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد ناظرین کو پتہ چل جائیگا کہ آئندہ کتاب کے صفحات میں شیعہ و سنی کے کون سے معرکۃ الآراء مسئلہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ مصنف تحقیق فدک نے اپنی کتاب کو چھ ابواب پر تقسیم کیا ہے۔ اوّل میراثِ انبیاء۔ دوئم شانِ فاطمہ صلوات اللہ علیہا سوم ہبۂ فدک کا بیان۔ چہارم حضرت علیؑ کا طریقہ۔ پنجم اوقاف اہلِ بیتؑ کا بیان۔ ششم تصدیقات حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ لہٰذا ہم بھی اپنے محترم بھائی کی تاسی میں اسی قدر ابواب پر کتاب کی ترتیب و تبویب کرتے ہیں۔ باب اوّل اثبات توریث انبیاء۔ دوئم فضائل جناب معصومہ صلوات اللہ علیہا اور تبصرہ۔ سوم تصدیق ہبۂ فدک۔ چہارم امیر علیہ السّلام کی ردّ فدک میں معذوری۔ پنجم اوقاف اہلِ بیت کا مفہوم۔ ششم تصریحات اہلِ بیت دربارۂ ثلاثہ۔

کتاب ہذا کا مسودہ تیار کر کے محققین علماء کرام شیعہ کی نظر سے گزارہ گیا ہے۔ جن علماء کرام نے حرف بحرف سن کر اور پڑھکر اپنی اپنی تصدیق اور توثیق لکھ دی ہے۔ وہ تقاریظ کی صورت میں کتاب ہذا کے ساتھ شائع کر دی گئی ہیں۔ ناظرین کو چاہیئے کہ قبل از مطالعہ کتاب علماء کی تصدیقات کو پڑھ لیں تا کہ اہمیت کتاب ہذا آپ پر واضح ہو جائے۔

آخر میں برادران اہل سنت اور خصوصاً حضرت مصنف تحقیق فدک کی خدمت میں مودبانہ التماس ہے کہ جو کچھ کتاب ہذا میں نقل کیا گیا ہے وہ بالکل آپ کی مستند کتب سے ہی لکھا گیا ہے کسی عبارت اور حوالہ کے متعلق اگر شک ہو تو اصل کتاب سے ملاحظہ فرمالیں اگر ہو بہو عبارتیں مل جائیں تو پھر شیعوں کی افتراء پردازیاں کہنا تعصب اور ہٹ دھرمی ہوگی۔ جس کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ دورانِ مطالعہ میں سنجیدگی۔ متانت اور صبر درکار ہے۔ جذبات سے کام لیا گیا تو جذبۂ تحقیق کافور ہو کر رہ جائے گا۔ ہرگز کتاب ہذا میں کسی بزرگ اور جماعت کی دلآزاری نہیں کی گئی ہے۔ باوجود تصریحات مندرجہ بالا کے اگر کوئی انسان دل آزاری خیال کرے تو از راہِ کرم کتاب ہذا خرید نہ فرمائی جاوے۔ کیونکہ بقول حافظ شیرازی دل آزاری ہمارا مسلک نہیں ہے ؎

مباش درپئے آزار ہرچہ خواہی کن ۔۔۔ گنہگار دعا گوئے سادات و مومنین
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

منظور حسین بخاری از اجنالہ

"قضیۂ فدک کا اجمالی خاکہ"

پیشتر اس کے کہ ہم مولوی احمد شاہ صاحب اجنالوی ثم چوکیردی کی تالیف تحقیق فدک کے جواب میں قضیۂ فدک کے ہر پہلو پر مفصل روشنی ڈالیں۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ فدک کا اجمالی خاکہ بطور دیباچہ ناظرین حضرات کی خدمت میں پیش کر کے اس مسئلہ کا دھندلاپن دُور کر دیں۔ تاکہ ہر صاحب بصیرت بادی النظر میں معلوم کر سکے کہ کتاب کے آئندہ صفحات میں اسلام کے کون سے معرکتہ الآرا مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اور اس مسئلہ کو کیوں فریقین نے اتنی اہمیت دیکر لاکھوں اوراق سیاہ کر ڈالے۔ عوام الناس کے نزدیک اگرچہ یہ مسئلہ دو کھجوروں تک ہی محدود رہا۔ مگر نقطہ رس اور اہل علم حضرات اس مسئلہ کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ قضیۂ فدک کا فیصلہ جس طرف ہوگا۔ استحقاقِ خلافت بھی اسی طرف ہوگا۔ اور استحقاق خلافت ظاہر ہونے پہ کارکنانِ اہل حکومت کی ریشہ دوانیاں طشت از بام ہو جائیں گی۔ اسی واسطے تو آج تک علماءِ اہلِ سنّت غلط ملط تاویلات کر کے مدّعا علیہ کو صدیق خیال کرتے ہیں۔ اور مدّعیہ فدک کے مطالبہ ارث کو خلاف قانون شرعی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ دعویٰ مذکورہ بالا کی تائید میں ہم ایک سُنّی عالم کا منصفانہ فیصلہ درج کرتے ہیں۔ جس سے حقیقت کا انکشاف ہو جائیگا علامہ ابن ابی الحدید معتزلی اپنی کتاب "شرح نہج البلاغۃ حدیدی" میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔ "کہ میں نے اپنے اُستاد ابوجعفر نقیب مدرس بغداد سے دریافت کیا کہ کیا واقعی مطالبہ جناب زہرا علیہا السّلام مبنی بر حق تھا۔ اس نے کہا کہ ہاں بے شک حق پہ تھا۔ میں نے عرض کیا کہ پھر کیوں نہ حضرت ابوبکر نے احترام علیؑ و فاطمہؑ کو ملحوظ رکھا۔ کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ اگر آج ابوبکر فدک کو حق فاطمہؑ سمجھ کر دے دیتا تو کل وہی بی بی اپنے شوہر بزرگوار کی طرف سے مدّعیہ بن کر خلافت کا دعویٰ پیش کر دیتی جس کی وجہ سے ابوبکر کو انکار کی کوئی گنجائش نہ ہوتی کیونکہ کل وہ ایک مقدمہ یعنی مطالبہ فدک میں صداقت جناب زہراؑ کو تسلیم کر چکا تھا"۔

دیکھا کس طرح حق کی روشنی باطل کے خس و خاشاک سے ظاہر ہو گئی "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" والا معاملہ نظر آتا ہے۔ اسی واسطے بیچارے سُنّی علماء اس مسئلہ پر ایڑی

چوٹی کا زور لگا کر دامنِ شیخین کو صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر پڑھا لکھا سُنّی عالم اس قضیہ کو مشکل خیال کرتا ہے۔ چنانچہ شاہ عبد الحق محدّث دہلوی شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۴۲۴ پر تحریر کرتا ہے۔ کہ مشکل ترین قضایا قضیہ فاطمہ زہرا است" غرضیکہ کوئی صورت ان بزرگوں کو نظر نہیں آتی جس کی بناء پر اس مشکل کو حل کریں۔

فدک حوائی خیبر میں ایک قریہ تھا جس پر یہودی قابض تھے۔ یہودیوں نے اقتدارِ نبوّت کی تاب نہ لاتے ہوئے موضع فدک کو جناب ختمی مرتبت کے حوالہ کر دیا۔ چونکہ حصولِ فدک میں دیگر مسلمانوں کی محنت و کوشش کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اور نہ اس پر گھوڑے وغیرہ دوڑائے گئے تھے۔ خود خالقِ اکبر نے اپنے پیغمبر کو مسلط کر دیا تھا۔ اسی واسطے اس موضع کو اصطلاح شریعت میں مال فے سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم اس پر مالکانہ تصرف رکھتے تھے خالص اپنی ملکیت ہونے کی بناء پر اپنے اختیار سے جہاں چاہتے خرچ فرماتے۔ علماء اہلِ سنّت نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ کہ اراضی فدک پیغمبر کی اپنی ذاتی ملکیت تھی۔ اپنی حیات مقدسہ میں جناب پیغمبر اسلام اپنی اہلِ بیت اور دیگر بنو ہاشم کی ضروریات کو پورا کرتے۔ دیگر امور اسلام پر بھی خرچ کرتے۔ فقراء و مساکین کی بھی امداد فرماتے۔ سب کچھ کرتے مگر اس حیثیت سے نہیں کہ ان تمام مستحقین کا اس اراضی میں حق تھا۔ جس وقت آیۂ کریمۂ "وآت ذی القربیٰ حقہ" نازل ہوئی۔ یعنی اے پیغمبر اپنے قرابتداروں کا حق دیدو۔ آنحضرت نے اپنی دختر نیک اختر کو بلا کر یہی فدک بطور ہبہ عنایت فرما دیا۔ چنانچہ جناب موہوبہ نے واہب کی زندگی میں ہی فدک پر اپنا مالکانہ تصرف کر لیا تھا۔ اور عاملِ فدک جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کی طرف سے ہی مقرر تھے۔ ان امور کا ثبوت ہم انشاء اللہ آئندہ کتاب میں نہایت تفصیل سے دیں گے۔ ناظرین انتظار فرمائیں۔

جناب رحمت للعالمین کی وفات کے بعد خلافت و حکومت کارکنان سقیفہ بنی ساعدہ کے ہاتھ لگی اور وہ بزرگوار خود مسندِ نبوت پر قابض ہو گئے۔ استحکام سلطنت کی پالیسی کا اقتضا یہی تھا کہ خاندان نبوت کی اقتصادی حالت کو کمزور بنایا جائے۔ تاکہ دنیاوی اقتدار حضرات اہلِ بیت کے پاس نہ رہے۔ لہٰذا فدک کو قبضۂ خاتون معظمہ سے نکال کر اپنے تصرف میں لے لیا گیا۔ جس وقت آل

معصومہ کو پتہ چلا باوجود اپنے بابا کی موت اور غصب خلافت جیسے جانکاہ صدمات کے دربار حکومت میں مقدمہ دائر کیا اور کہا کہ اے مسلمانوں کے بادشاہ تو نے کیوں میرے مال کو مجھ سے چھین لیا۔ حالانکہ تجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ میرے والد بزرگوار نے یہ زمین مجھے ھبہ فرمادی تھی۔ اس پر حاکم وقت نے کہا کہ اے بی بی کیا تیرے پاس کوئی دلیل بھی ہے۔ جناب زہراؑ نے اپنے دعویٰ کی تائید میں جناب علیؑ و ام ایمن کو پیش کیا۔ مگر حاکم وقت نے نصاریٰ کے مقابلہ میں رسالت کی گواہی دینے والوں کی شہادت کو رد کرتے ہوئے کہا کہ اے بنت رسول کیا ایک مرد اور ایک عورت کی شہادت پر تو حقدار ہو سکتی ہے؟ صواعق محرقہ ص۳۱

روایت مذکور کو ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔ مگر سیرت حلبیہ میں سبط ابن الجوزی کا کلام بایں الفاظ نقل ہے۔ کہ حضرت ابو بکر نے عطائیگی فدک کا وثیقہ جناب زہراؑ کو لکھ دیا اتنے میں حضرت عمر آگئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیا لکھ دیا ہے۔ ابو بکر نے کہا کہ یہ اراضی فدک کا وثیقہ ہے جو بنت رسولؐ کا حق ہے۔ عمر نے کہا کہ تو نے کیوں واپس کیا۔ حالانکہ تجھے اچھی طرح پتہ ہے کہ اہل عرب تیرے ساتھ جنگ کرنے کو تیار ہیں۔ اسلامی فوج کو خرچ کہاں سے دیگا۔ اس کے بعد جناب عمر نے وثیقہ جناب دختر رسولؐ کے دست حق پرست سے چھین کر ریزہ ریزہ کر کے پھینک دیا۔ جب ھبہ کی عطائیگی سے بی بی عالیہ ناامید ہو گئی۔ دوسرا مقدمہ وراثت پیش کیا۔ (بعض کتب اہل سنت میں دعویٰ وراثت پہلے لکھا ہوا ہے) فرمایا اگر بطور ھبہ نہیں دیتے تو یہی چیز مجھے بموجب حکم عموم قرآنی اپنے پدر بزرگوار سے وراثتاً پہنچتی ہے۔ بطریق ارث تجھے دینے میں کونسا امر مانع ہے۔ بخاری و مسلم نے اس واقعہ کو ام المومنین حضرت عائشہ کی زبانی مختصراً نقل کیا ہے۔ یعنی جناب زہراؑ نے مطالبہ ارث کیا۔ ابو بکر نے دینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اے محبوبہ رسولؐ آپ کے باپ نے فرمایا تھا کہ ہم گروہ انبیاء ورثہ نہیں چھوڑتے۔ جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ امت کے مساکین کا حق ہوتا ہے۔ صحیح ترمذی میں مرقوم ہے۔ کہ جناب بی بی عالیہ نے بطریق جدل کہا کہ اے ابو بکر تیری اولاد تو تیری وارث ہو اور میں اپنے بابا کی وراثت نہ پاؤں۔ کنز العمال و دیگر کتب اہل سنت میں جناب بی بی پاک و حضرت امیر علیہ السلام کا قرآنی آیات سے وراثت انبیاء کا استدلال کرنا مرقوم ہے۔ بخاری و مسلم کی تصریح کے مطابق جناب زہرا صلوات اللہ علیہا ابو بکر پر غضبناک ہو گئیں اور ۷۵ دن کے بعد

بروایت بخاری چھ ماہ بعد دم صُبّت علی مصائبُ لوانہا + صبّت علی الایّام صرن لیالیا کا مرثیہ وردِ زبان فرماتی ہوئیں سپردِ خاک ہوگئیں۔ حسب بیان مولوی نذیر احمد مترجم قرآن دہلوی اِن لوگوں کو اپنے جنازہ پر آنے سے روک دیا جنہوں نے رنج دیئے تھے۔ یہ تھا وہ مسئلہ جس پر آج تک اہلِ اسلام کی زور آزمائی ہو رہی ہے۔

"فدک اور مال فئے کی تشریح"

حضرات اہل تسنّن کا شروع سے یہ مسلک رہا ہے۔ کہ اپنے عقائد کی تائید میں قرآنی آیات کی من گھڑت تاویلات کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ چنانچہ آیت فئے میں بھی یہی طریقہ اختیار کر کے مسلمانوں کو بتایا جاتا ہے کہ مال فئے عام مسلمانوں کا حق تھا اور تمام اہلِ اسلام کا مشترکہ مال ہے۔ لہٰذا مشترکہ مال کو جناب سرورِ کائنات کس طرح غریب مسلمانوں کو نظر انداز کر کے اپنی بیٹی کو ھبہ فرما سکتے ہیں۔ یا پیغمبر صلعم کے متروکہ میں کس طرح قرآن کا عمومی قاعدہ وراثت جاری ہو سکتا ہے۔ قبل اس کے ہم مسئلہ وراثت انبیاء اور فدک بحق زہراؑ کا تذکرہ چھیڑیں اور جناب مصنّف تحقیقِ فدک کا جواب دیں۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مال فئے اور غنیمت کا فرق بیان کر دیا جائے۔ آیا فدک مال فئے میں سے تھا۔ اور مال فئے خالص رسول خدا کا مال تھا یا تمام مسلمانوں کا مشترکہ۔ حضرت سرورِ کائنات اپنا ذاتی مال ہونے کی حیثیت سے ھبہ کر سکتے ہیں یا نہیں اور اگر بفرض محال ھبہ تسلیم نہ کیا جائے تو اس میں قاعدہ وراثت جاری ہو سکتا ہے یا نہیں ملاحظہ ہو پارہ ۲۸ سورہ حشر کلام مجید۔

وما افاءَ اللہ علیٰ رسولہ منہم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علیٰ من یشاء واللہ علیٰ کل شیئ قدیر۔ ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ہ ترجمہ:۔ جو مال خدا نے اپنے رسول کو بن لڑے مفت میں اُن سے دلا دیا۔ تو مسلمانو! تم نے اُس کیلئے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نہیں نہ گھوڑوں سے اور نہ اُونٹوں سے مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے قابض کر دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو مال اللہ اپنے رسولؐ کو ان بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو وہ اللہ کا ملک ہے۔ اور رسولؐ کا اور رسول کے قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور بے توشہ مسافروں کا ترجمہ نذیر احمد

شنی)۔ قطع نظر تفاسیر اہلِ سنت کے جب تفاسیر اہل بیت کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ تمام مال فئے بالاتفاق مفسرین شیعہ رسول اللہ کا خالص لکھا ہوا ہے اور جب ایک مسئلہ میں تفسیر اصحاب عصمت علیہم السلام کا پتہ لگ گیا تو دنیا کے تمام مذاہب اگر مخالف بھی ہوں تو کچھ پرواہ نہیں کیونکہ ہم بموجب حدیث ثقلین قرآن و عترتِ رسول سے ہی متمسک ہیں۔ چونکہ کتاب ہذا بطریق الزام تحریر کی جا رہی ہے۔ لہٰذا تفاسیر اہلِ سنت سے عبارت پیش کرنا ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

مال فئے اور غنیمت کا فرق

بر حاشیہ قرآن مترجم مولوی نذیر احمد سنی آیت فئے کے بارہ یوں لکھا ہے۔ کہ لوٹ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کفار سے جنگ کر کے ہاتھ آئے اسکو غنیمت کہتے ہیں اور اس میں خدا اور رسول۔ ذوی القربیٰ اور دیگر مسلمانوں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اور ایک قسم وہ جو بغیر جنگ کئے ہاتھ لگ جائے جیسا کہ بنی نضیر یہودیوں سے ملا تھا اسکو اصطلاح شرع میں فئے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مال خالص رسول اللہ کا ہوتا ہے دیا رسول اللہ کے ساتھ جو اصناف مذکور ہیں۔) اس میں کسی مسلمان کا حق نہیں۔ ہاں خود رسولؐ بعد وضع ضروریات جس کو چاہے دے۔

تفسیر جلالین ص۴۵۳ تحت آیۂ فئے خطاب ہے۔ فلا حق لکم فیہ ویختص بہ النبی ومن ذکر معہم فی الآیۃ الثانیۃ من الاصناف الاربعۃ علیٰ ما کان یقسمہ من ان لکل منہم خمس الخمس ولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الباقی یفعل فیہ ما یشاء یعنی اے مسلمانو! تمہارا مال فئے میں کوئی حق نہیں یہ مال مخصوص نبی صلعم کا ہے اور ان کا جو آئندہ آیت میں مذکور ہیں وہ اس طرح تقسیم کریں کہ ان اصناف اربعہ میں سے ہر ایک کیلئے پانچواں حصہ فئے کے پانچویں حصہ سے ہے باقی سب رسول کا۔ اس میں آپ کو اختیار ہے۔ جس طرح چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔

تفسیر مدارک التنزیل جلد ۴ ص۱۸۱ مصر میں ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ جعلہ فیئاً لہ خاصۃ منہم بنی النضیر والامر فیہ مفوض الیہ یضعہ حیث یشاء ولا یقسمہ قسمۃ الغنائم اللتی قوتل علیہا۔ ترجمہ۔ مال فئے خاص پیغمبر کا ہے۔ اس کا اختیار ان کو ہی ہے۔ جہاں چاہیں خرچ کریں۔ اس کو غنیمت کی طرح تقسیم کرنیکا حکم نہیں ہے۔ خود حضرت عمر کا

یہی عقیدہ تھا۔ کہ فئے خالص رسول اللہ کا ہے۔ مصفّا شرح موطا جلد ۲ ص ۱۴۰۔

شرح مسلم نووی جلد ۲ ص ۹۱ و ۹۲ قال عمر ان اللہ خص رسول اللہ بخاصۃ لم یعطیھا احداً غیرہ یعنی خداوند عالم نے رسول کو ایسی چیز یعنی مال فئے سے مخصوص کیا جو کسی دوسرے کیلئے ہرگز نہیں ہے۔ پھر قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے۔ کہ چند طریقوں سے نبی کریم کو جائدادیں حاصل ہوئیں۔ ایک وہ جو نبی صلعم کو کسی نے ھبہ کر دیا ہو۔ جیسا احد کے دن مخریق یہودی نے بعد قبول اسلام سات باغ ھبہ کر دیئے۔ اور جیسے انصار نے اپنی زمینوں سے کچھ دیدیا تھا۔ و کان ھذہ ملکاً الرسول اللہ اور یہ سب آنحضرت کی ملک تھا۔ دوسرا مال فئے میں حق قائم ہوا جیسے بنی نضیر کو جلا وطن کر کے آپ اُن کی زمین پہ قابض ہو گئے کانت لہ خاصۃ یہ زمین خاص رسول کی تھی۔ کیونکہ اس پہ گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے گئے تھے۔ و کذالک نصف ارض فدک بعد فتح خیبر اور اسی طرح نصف زمین فدک کی جو بعد فتح خیبر حاصل ہوئی و کان فدک خالصاً لہ یہ اراضی فدک بھی خالص رسول اللہ کی تھی۔ اسی طرح وادی القریٰ کا تیسرا حصہ زمین اور خمس خیبر وغیرہ اموال ہیں فکانت ھذہ کلھا ملکاً للرسول اللہ خاصۃ لا حق فیھا لاحدٍ غیرہ یعنی یہ سب اموال اور اراضیات مذکورہ رسول اللہ کی ذاتی ملکیت ہیں۔ جن میں کسی غیر کا کوئی حق نہیں۔

خود حضرت مصنف تحقیق فدک اپنی کتاب میں فدک کا تعارف کراتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں:۔ "الغرض فدک کا علاقہ خاص آں حضور کی ملک میں تھا۔ آں حضور اس میں مالکانہ تصرف فرمایا کرتے تھے"۔

سبحان اللہ! ہم تو آج تک علماء اہلِ سنّت سے سُنتے آئے ہیں کہ فدک میں صرف دو کھجور کے درخت تھے۔ اور نہ رسولِ کریم کی کوئی جائداد وغیرہ تھی۔ اگر کچھ تھا بھی تو وہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ مال تھا۔ مگر مندرجہ بالا نقلوں سے بخوبی معلوم ہو گیا ہے کہ پیغمبر کائنات اچھا خاصا معقول زمیندارہ رکھتے تھے۔ نیز فریقین کی تفاسیر سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ سب اراضیات پیغمبرِ اسلام کی ذاتی املاک تھیں۔ اور ان میں مالکانہ اختیارات رکھتے تھے۔ بعد وضع اپنی ضروریات کے فقراء و مساکین کو دیں۔ جس کو چاہیں دیں۔ اپنی بیٹی

کو ھبہ کریں کبھی مسلمان کو اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اصفاف اربعہ جو آیت ثانی میں مذکور ہیں یہ بھی رسول کے قرابتدار ہی ہیں۔ کیونکہ اگر یہ مراد نہ لئے جائیں تو کلمہ و لذی القربیٰ نعوذ باللہ لغو قرار پاتا ہے۔ قرابتداروں کا یہ حق کسی وقت بھی ساقط نہیں ہوتا خواہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ یہ پیغمبر اور قرابتدارانِ پیغمبر کی خصوصیّت ہے۔ ملاحظہ ہو مصفّا شرح موطّا جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ شاہ ولی اللہ دہلوی۔

ناظرین حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے جتنی قسم کی جائدادوں کا اوپر ذکر کیا ہے حسبِ روایتِ بخاری و مسلم جناب زہرا صلوات اللہ علیہا نے تمام کے متعلق وراثت کا دعوےٰ کیا۔ مگر خلیفہ اوّل نے تمام کو وقف عام قرار دے کر محروم کر دیا۔ اہلِ سنّت کا مزعومہ ہے کہ آں حضرت آمدنی تقسیم کرتے تھے۔ زمین کو تقسیم نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے پہلے تو خود اہلِ سنّت کے اِس عقیدہ کی تردید حضرت عثمان نے فدک بحق مروان دیکر کر دی۔ نیز ہم ابھی ابھی کتب اہلِ سنّت سے ثابت کر چکے ہیں کہ فدک وغیرہ آں حضرت کی ملکِ خاص تھے۔ کسی چیز کی آمدنی تقسیم کر سکنا۔ اِس کو ھبہ یا فروخت نہ کر سکنا ملکیّت کے منافی ہے۔ علماء اہلِ سنّت کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے معتقدات پر نظرِ ثانی کریں۔ مالِ فئے اور فدک کی تشریح کے متعلق مزید اطمینان مطلوب ہو تو ملاحظہ ہو رسالہ ابطال الاستدلال مولفہ مصنّف فلک النجاۃ۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمد للہ فاطر السمٰوات والارض و ناشر فضائلِ محمدٍ و آلہ صلوات اللہ علیہ و سلامہ علیھم فی الطول والعرض وجاعلِ ولایتھم علی الکلِّ من اٰکدِ الفرض ثم الصلوٰۃ والسلام علیٰ ذوی الانفس الطّاھرات والایات الباھرات والمعجزات القاھرات النّبیِّ العربیِّ القُرشیِ و عترۃِ المھدیّین الھُداۃ وَلعنۃُ اللہ علیٰ اعدائھم الفجرۃ العصاۃ من اوّل الوقت اِلیٰ آخر الدّھور والسّاعات۔

مَیں بندۂ ناچیز پر تقصیر متمسّک بالثقلین منظور حسین خادم مذہب اصحاب عصمت

علیہم السلام ایک تحقیقی مقالہ بجواب تحقیقِ فدک مولفہ احمد شاہ چوکیروی پیش کرتا ہوں۔ مقالہ ہٰذا میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ شاہ صاحب کے قائم کردہ استدلالات کا جواب دیا گیا ہے۔ مسئلہ فدک کے بارہ میں حتی الوسع اہلِ سنّت کے گمراہ کن پراپیگنڈہ کی باحسن وجوہ تردید کی گئی ہے۔ علماء مذہب حقہ سے معذرت طلب کرتا ہوں۔ شیعہ عوام الناس کے عقائد کی اصلاح کے لئے کتاب ہٰذا کو لکھا گیا ہے۔ خصوصاً مولف تحقیق فدک کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ وہ ازراہِ کرم جوابات کو بغور مطالعہ فرمادیں۔ اور حوالہ جات کو اصل کتب سے ملا کر اطمینان کرلیں۔ بعد ازاں اپنے معتقدات پہ نظر ثانی فرما کر اگر ممکن ہو سکے تو حق سے متمتع ہو جائیں۔ نیز اپنی اس ناچیز خدمت کو جناب معصومۂ کونین والدہ حسنین دختر رسولؐ حضرت فاطمہ الزہرا صلوات اللہ علیہا جدہ سادات مدعیہ فدک کے دربار عالی وقار میں ہدیتہً پیش کرتا ہوں۔ اور آں معصومہ سے بروزِ محشر شفاعت کی اُمید رکھتا ہوں۔ اور بطفیل اس ناچیز ہدیہ کے اپنے برادرِ مرحوم کی مغفرت خداوندِ ذوالجلال سے طلب کرتا ہوں۔ آمین یارب العالمین

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

والسّلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

منظور

باب اوّل

"اثباتِ توریثِ انبیاء کے بیان میں"

پیغمبر کے چار سے زائد نکاح کرنے کی خصوصیت کا جواب

سوال۔ جس طرح حضور پر نور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے چار سے زائد نکاح درست تھے اور یہ آں حضرت کی خصوصیت تھی۔ اسی طرح حضور نے اس جہان فانی سے روانگی پر اپنے وارثوں کیلئے علم شریعت و علم اسرار شریعت میراث میں چھوڑا۔ دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑی۔ ملاحظہ ہو تحقیق فدک صا

جواب۔ جناب والا! پیغمبر کی یہ خصوصیت تو خداوند عالم نے خالصتہً من دون المومنین ارشاد فرما کر فیصلہ کر دیا۔ نیز اس قسم کی کئی خصوصیات پیغمبر خداوند عالم نے صاف بیان فرما دی ہیں جیسا کہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا یعنی پیغمبر کے بعد اس کی ازواج سے نکاح ہمیشہ کیلئے ناجائز ہے۔ اور لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن۔ یعنی تمہارے لئے اے پیغمبر حلال نہیں کہ اس کے بعد ازواج کو تبدیل کیا جاوے۔ اگرچہ ان کی خوبصورتی تجھے تعجب میں ڈالے۔ اور لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض یعنی اے ایمان والو اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کرو اور پیغمبر کو ایسا نہ بلاؤ جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ غرضیکہ اس طرح کی خصوصیات پیغمبر قرآن سے نص جلی ثابت ہیں۔ اگر عدم توریث انبیاء کی خصوصیت ہوتی تو ضرور بر ضرور آپ کا مرشد اوّل خاتون معظمہ کے جواب میں پیش کرتا اور آج آپ بھی ضرور اپنی کتاب میں درج فرماتے۔ اگر قرآن میں یہ تخصیص ہوتی تو قرآن کی عالمہ بی بی کبھی بھی مطالبہ ارث نہ کرتی۔ اور

اگر بفرض محال کر بھی دیتی تو مخالف سے مخصص آیہ یُمن کر یہ ضا و رغبت خاموش ہو جاتی ۔ مگر اس کے مقابلہ میں خود بی بی عالیہ نے قرآن سے وراثتِ انبیاء کو ثابت کیا۔ جس کی تردید آپ کا امام نہ کر سکا۔ جن آیاتِ قرآنیہ سے مدعیانِ وراثت نے استدلال کیا اِن کا ذکر آئندہ ہو گا۔

اگر آپ کسی حدیث سے مسئلہ توریث انبیاء کی تخصیص کرنا چاہیں تو بے شک کریں ۔ مگر حدیث ایسی ہو جس کو اہلِ بیت جانتے مانتے ہوں۔ حدیث لانورث سے آپ کا مقصد حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ خبر واحد اور مرویہ مدّعا علیہ ہے ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جن حضرات کو وراثتِ رسولؐ سے تعلق تھا اور جس حدیث کے ذریعہ آلِ رسولؐ کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ اِس کا اِن حضرات کو علم ہی نہیں ۔ ازواج رسولؐ کا عثمان کو طلب ورثہ کیلئے دربار خلافت میں بھیجنا ۔ بنتِ رسولؐ کا ناراض فوت ہو جانا ۔ علی و عباس کا بار بار طلب و تقاضا ہمارے دعوے کی بیّن دلیل ہے ۔ جس کی تردید آپ قیامت تک نہیں کر سکتے ۔ حضرت زہراؑ کا بطریق جدل ارشاد فرمانا کہ اے ابو بکر تیری اولاد وارث ہو اور میں اپنے باپ کی وارث نہ ہوں (ترمذی) ایک ایسا انکشاف ہے ۔ جس کے سامنے آپ کے تمام دعوے باطل ہیں ۔ مسئلہ عدم وراثتِ انبیاء کا ایجاد کرنے والا اگر حدیث کے الفاظ یوں کہہ دیتا کہ آخری پیغمبر کی یہ خصوصیت ہے ۔ کہ اس کے متروکہ میں قاعدہ وراثت جاری نہیں ہوتا تب بھی کسی قدر ماننے کی بات تھی ۔ مگر قرآن کی آیت مبارکہ ولکل جعلنا موالی مما ترك الوالدن والا قربون اس بات کی نفی کر رہی ہے ۔ جس سے آپ کا مقصد حل نہیں ہو رہا ۔ موضوعہ حدیث کے الفاظ تو تمام انبیاء باسلف کی وراثت کو ختم کر رہے ہیں ۔ قرآن میں ذرا بھی تدبّر سے کام لینے والا سمجھ سکتا ہے ۔ کہ جب اثبات توریث انبیاء میں محکم اور مفصل آیات "وورث سلمان داوٗد" اور "یرثنی ویرث من ال یعقوب" قرآن میں نص جلی موجود ہیں ۔ اور انہی آیات کو مدعیانِ فدک نے اپنے دعاوی کی تائید میں نہایت شدّ و مد کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ تو پھر ان کے مقابلہ میں کسی موضوع حدیث سے تخصیص کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے ۔ مصنف صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ آں حضرت نے علم اسرار شریعت میراث میں چھوڑا ۔ کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ علم کا وارث کون ہوا ؟ اگر آپ ارشاد فرمائیں کہ وہی پیغمبر کا جانشین خلیفہ اوّل یعنی مدعا علیہ وارثِ علم بھی ہوا تو یہ زیادہ تعجب انگیز امر

ہے۔ کیونکہ مالی وراثت تو خود پہلے خلیفہ صاحب نے سنبھال لی۔ اور اب ورثۂ علم بھی آپ نے اسی بزرگ کو عنایت فرما دیا۔ حقیقی وارثانِ رسولؐ دونوں وراثتوں سے محروم ہو گئے۔ کیا ابھی تک آپ اہلِ بیت کو مانتے ہیں ؎

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا خدا تُو نے

اور اگر آپ ارشاد فرمائیں کہ ترکہ مالی کا وارث حضرت ابوبکر ہوا اور علمِ شریعت کے وارث اہلِ بیتِ رسالت تو ایسا کہنا آپ پر مشکل وارد کر دیگا۔ کیونکہ مسئلہ وراثت انبیاء ایک شرعی مسئلہ ہے۔ اور مسئلہ بھی ایسا معرکتہ آلارا ہے کہ جس کے نہ سمجھنے سے اُمّتِ اسلامیہ آج تک جدال ومناظرہ میں مصروف ہے۔ اور اس اختلاف کا سنگِ بنیاد یہی مسئلہ ہے۔ کیوں نہ خداوندِ عالم نے قرآن میں تنصیص کر دی یا خود شارع شریعت نے اپنے حقیقی وارثانِ علمِ شریعت کو تعلیم فرما دیا جبکہ نگاہِ نبوّت پر وہ مستقبل میں ملاحظہ فرما رہی تھی کہ میری اولاد وراثت کے معاملہ میں میرے یارِ غار سے جھگڑنے والی ہے اہلِ بیت کو تو اس مسئلہ کا علم نہیں مگر حضرت خلیفہ اوّل اور اُن کے مُریدوں کو عموم وخصوص قرآنی سے بہ نسبت حقیقی وارثان شریعت رسولؐ زیادہ علم ہے۔ سبحان اللہ! ایسے علم کے کیا کہنے۔

اب تیسری شق یہ رہ گئی کہ وراثتِ مالی اور وراثتِ علمی دونوں کے حقدار بیتِ رسولؐ ہیں تو بس ہمارا بھی یہی مقصود ہے۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیّاد آ گیا

القصہ یہ وکلائے حکومت اور خود صاحبانِ سقیفہ گوناگوں تاویلات کرتے ہوئے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے نظر آتے ہیں۔ جہاں آیت قرآنی سے مطلب نکلتا نظر آیا وہاں فرمانِ رسولؐ کو اصالتاً پس پشت ڈال کر وحی کی ترجمانی کرنے والے پیغمبر کی نسبت ہذیان کا فتویٰ دیکر حسبنا کتاب اللہ کہہ دیا اور امتثال امر رسالت کی پرواہ تک نہ کی۔ اور جب حدیث سے جلب منفعت کا خیال پیدا ہوا وہاں اسی کلمہ حسبنا کتاب اللہ کی تردید کر دی۔ اور حدیث بھی کیسی جس کو سوائے متکلم کے جانتا بھی کوئی نہ ہو یہ سب کارکنان سقیفہ کی کارروائی کا نتیجہ اور مریدانِ باصفا کی بے جا مدح سرائی کا انجام ہے۔ ورنہ شریعت

رسول میں ایسی رکیک تاویلات کی قطعاً گنجائش نہیں۔ خواہ مخواہ صاحبان عصمت وطہارت کو مبہم کرنے
کی خاطر کلام الہٰی کی غلط ملط فرسودہ تاویلات کر کے خدا اور رسول اور ملائکہ مقربین کو ایذا دیتے ہیں۔
خدا سمجھے ان کور فطرت انسانوں سے جن کی چشم بصیرت پر ضد اور تعصب کی پٹی بندھی ہے۔ علامہ
اقبال ان ہی بزرگوں کی تاویلات سے متاثر ہو کر تحریر فرماتے ہیں۔ رباعی

زمن بر صوفی و ملاں سلامے ۔ کہ پیغام خدا دادند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت ۔ خدا و جبرئیل و مصطفٰے را

حدیث مندرجہ کافی ان الانبیاء لم یورثو کی تشریح

عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ
وسلم ان العلماء ورثۃ الانبیاء۔ ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما
ولکن اورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔ یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں
وہ کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے لیکن اپنے علم کا وارث بناتے ہیں۔ جس نے اس میں
سے حصہ لیا وہ بڑا نیک بخت ہے۔ تحقیق صفحہ ۳

سوال:۔ دیکھئے حضرت مصنف تحقیق فدک نے صرف یہی حدیث پیش کر کے عدم وراثت انبیاءؑ
کا استدلال کیا ہے۔

جواب (اول) سند کے لحاظ سے حدیث مذکور ضعیف ہے۔ سب سے پہلے جب میدان مناظرہ میں
ایک روایت کو خصم کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ تو اس کی سند پر بحث ہوا کرتی ہے۔ اگر
خصم اپنے مسلمہ اصول تنقید رجال کے ذریعہ اسناد روایت کو صحیح تسلیم کر لے تب اس حدیث یا روایت
سے حجت پکڑنا یا الزام دینا عین تقاضائے انصاف اور اصول رواداری ہوتا ہے۔ اپنے مذہب
کی صحیح حدیثوں سے اعراض کر جانا جن کی قطعیت قرآن کے برابر خیال کی جاتی ہے۔ اور مخالف کی
کتابوں سے ضعاف وغیرہ پیش کر کے حجت قائم کرنا علماء اہل سنت کا ہی کام ہے۔ ع

آنچہ بر خود مپسندی برائے دیگراں مپسند

انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس طرح ہم اثبات توریث انبیاء کے لئے قطعیات قرآنیہ
اور مخالف کے مسلمات پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح عدم توریث انبیاء کیلئے قرآنی آیت یا کوئی متواتر

اور مشہور حدیث ہماری کتابوں سے پیش کی جاتی ہے لے دیکھئے اپنے مذہب سے ایک یتیم اور موضوع حدیث اور ہمارے مذہب سے ایک ضعیف حدیث نص قرآن کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ حدیث سند کے لحاظ سے اگر مقامِ صحت پر بھی ہو تو بموجب مسئلہ اہلِ سنت قرآن کے مقابلہ میں کالعدم ہوتی ہے حدیث مذکورہ مندرجہ کافی سنداً ضعیف ہے۔ اس کا راوی ابی البختری وہب ابن واہب ہے جو بڑا وضاع اور کذاب مسلم بین الفریقین ہے۔ آئمہ پر جھوٹ بولتا تھا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث کو اور طرق کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ تو بھی قابلِ حجت نہیں۔ ہمارے آئمہ کا ارشاد ہے کہ جو حدیث مخالف قرآن ہو وہ ہماری بیان کردہ نہیں ہے۔ اگر اس حدیث کا وہی مفہوم لیا جائے جو مصنف تحقیق فدک نے لیا ہے تو پھر یہ حدیث مخالف قرآن ہے۔ جسے ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں

جواب (دوئم) بفرض تسلیم صحتِ حدیث پیش کردہ بحث کی جائے۔ تب بھی جناب مصنف کا مقصد حل اور دل ٹھنڈا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کلامِ معصومؑ کو سُنی بیچارے کیا جانیں جنہوں نے علمِ دین وعلمِ اسرارِ دین اصحاب عصمت علیہم السّلام سے حاصل نہ کیا ہو وہ قرآن کے مطالب خفیہ اور تطابق و توافق احادیث کیسے جان سکیں۔ اس قسم کے اسرار اور تاویلات صحیحہ تو وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو خدا نے عقل جیسی نعمت عطا کی ہو۔ اور راسخون فی العلم کے منطوق آئمہ سے تفسیر قرآن و مطالب احادیث سیکھا ہو۔ دراصل امام معصوم کا منشاء حقیقی تو یہ ہے۔ کہ انبیاء اپنی جائدادوں کا وارث نہیں بناتے کیونکہ وراثت کے حصص اور فرائض کو تو خود خداوند کریم نے اپنے کلام بلاغت نظام میں "وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ اور يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ" جیسی صریحہ آیات ارشاد فرما کر واضح بیان فرمایا ہے۔ خدا جانے اہل سنت لفظ لِكُلٍّ سے اور لِلنِّسَاءِ سے جناب زہراؑ کو کیسے مستثنےٰ خیال کرتے ہیں۔

جناب پیغمبرؐ کو دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہاں علمی وراثت کا تذکرہ چونکہ قرآن میں اجمالی طور پر تھا۔ لہٰذا اس کی تفصیل اور تفسیر کیلئے انبیاء کی علمی وراثت کو علماء کیلئے مخصوص کر دیا کیونکہ یہ ضروری ہے کہ علم شریعت کا وارث عالم ہی بنے جاہل وارث نہیں ہو سکتا۔ اس کے مقابلہ میں انبیاءؑ کی اولاد اگر جاہل بھی ہو تب بھی بحکم قرآنی وارث ہوا کرتی ہے۔ ان کی جہالت تحصیل وراثت سے مانع نہیں ہو سکتی۔ اپنی احادیث کا وارث انبیاء تجویز کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اچھی طرح

علم ہوتا ہے کہ کون ہماری احادیث کے بار کا حامل ہو گا اگرچہ یہ کام بھی بامر الٰہی ہی سر انجام ہوتا ہے۔ نیز ایسی احادیث کے معانی اس مضمون کے مطابق کئے جائیں گے۔ جس مضمون کی تائید قرآن حکیم اور دیگر اسی مذہب کی متعدد اور متواتر روایات میں کی گئی ہو۔ چنانچہ اثبات وراثت انبیاء میں قرآنی آیات اور احادیث آئمہ بے شمار کتب احادیث میں موجود ہیں۔

جواب (سوم) تیسرا جواب یہ ہو گا کہ امام علیہ السلام نے فضیلتِ علم کے عنوان میں اس حدیث کو بیان کیا ہے نہ کہ وراثت کے ضمن میں۔ اس فقرہ سے کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ یہ شبہ ہو سکتا تھا۔ کہ علماء انبیاء کے اموال درہم و دینار کے بھی وارث ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ لفظ وراثت سے حقیقتاً وراثت مال ہی مراد ہوا کرتی ہے یا مال و علم دونو۔ کبھی کبھی مجازاً علم بھی مراد لیا جاتا ہے۔ لہٰذا لفظ وراثت کے پڑھنے یا سننے سے فوراً سامع اور قاری کا ذہن وراثت مال ہی کی طرف منتقل ہوتا تھا۔ جس کی بناء پر شبہ قائم ہو سکتا تھا کہ علماء وراثت مال کے بھی وارث ہو جاتے ہیں۔ اسی رفع شبہ کی خاطر امام نے تفصیل کر دی کہ علماء تو علوم نبوت کے وارث ہوتے ہیں۔ انہیں انبیاء کی وراثت مال سے کیا لگاؤ۔ یہ تو بموجب قرآن ہر حال میں اولاد کا ہی حق ہوتا ہے۔

اب آخری فیصلہ یہ ہوا کہ وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ کے تحت اولاد پیغمبران وراثت مال کی وارث ہوئی۔ اور اگر باقی امت سے زیادہ علم و حکمت بھی انہی کے پاس ہو۔ رَاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ کا منطوق بھی یہی اولاد ہو تو دونوں وراثتیں پیغمبروں کی اولاد کا حق ہو گا۔ کسی غیر کا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ باقی جن جن مقامات پر حدیث مندرجہ کافی سے عدم توریث انبیاء کا استدلال کیا گیا یا اس مضمون کی اور احادیث پیش کی گئی ہیں۔ ان سب کا مفہوم واحد ہے۔ ہمیں ہر جگہ جواب کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہمارا مقصد ضخامت کتاب بڑھانے کا نہیں۔ اہلِ بصیرت کے اطمینان کے لئے یہی چند جواب کافی ہیں۔

"اصول کافی کی تصدیق"

سوال:۔ برادرانِ اسلام! شیعہ کتب احادیث میں اصول کافی کو جو درجہ حاصل ہے۔ وہ کسی دوسری

کتاب حدیث کو حاصل نہیں ہُوا۔ اِس کتاب کی ساری حدیثیں صحیح ہیں۔ اِس کتاب میں کوئی حدیث موضوع نہیں اور صاحب فلک النجاۃ کا دعویٰ کہ یہ حدیث میراث موضوع ہے۔ شیعہ روایات و نظریات کے خلاف ہے۔ تحقیق فدک ص ۶/۱۳

جواب - مصنّف تحقیق فدک نے اپنی کتاب کے ص۵ سے لیکر ص۲ تک کافی شریف کی توثیق پر زور دیا ہے۔ محض اپنے مزعومہ استدلال کی تقویت اور کتاب کو بڑھانے کیلئے اتنے اوراق سیہ کر ڈالے۔ حالانکہ علماء شیعہ نے آجتک کافی شریف کی کسی حدیث کو موضوع خیال نہیں کیا جتنے بھی نظریات علماء شیعہ دربارہ توثیق کافی تحریر کئے گئے ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اپنے مقام پر صحیح ہوں لیکن اُن کا یہ مقصد نہیں کہ اس کتاب کی ہر روایت کو بغیر کسی جائز تنقید کے قبول کر لیا جائے۔ اِس کتاب میں صحیح بھی ہیں اور ضعاف وغیرہ بھی دیکھو مراۃ العقول شرح اصول کافی۔

حدیث میراث کے راوی ابی البختری پر صاحب فلک النجاۃ نے جرح کر کے کذّاب اور وضاع لکھا ہے۔ جس کی بناء پر حضرت مصنّف کو حدیث کے موضوع ہونے پر شبہ ہُوا ہے۔ ورنہ مصنّف فلک النجاۃ نے ہرگز حدیث مذکورہ کو موضوع نہیں لکھا۔ یہ سراسر حضرت شاہ صاحب کی بہتان تراشی ہے۔ ایسا سفید جھوٹ لکھتے ہوئے خدا جانے جناب والا کو اپنی عدالت کا خیال کیوں نہیں رہا۔ اصول حدیث سے تو آنجناب کو علم نہیں اور بیٹھ گئے کتاب لکھنے۔ دراصل کسی راوی کو کذّاب یا وضاع تحریر کرنا حدیث کے ضعیف ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ یہ کہ یقیناً یہ حدیث بھی موضوع ہے۔ کیونکہ یہ لازم نہیں کہ جھوٹا آدمی کبھی سچ نہیں بول سکتا۔ کتاب کافی کی ساری حدیثوں کو صحیح کہنا محض آپ کا ذاتی استنباط اور مختار ہے۔ اور فقط حضرت شیخ چلی مرحوم کے خیالات عالیہ سے ملتا جلتا تخیل ہے۔ علماء شیعہ نے قطعی صحت کا التزام ہرگز نہیں کیا اگر آپ اِس کتاب کی شرحوں کا مطالعہ کرتے تو کئی احادیث آپ کو ضعیف اور منقطع نظر آتیں ہاں یہ بات ضرور ہے۔ کہ احادیث کافی دیگر کتب احادیث کی نسبت زیادہ معتبر اور قابل وثوق ہیں۔ مگر ضعاف وغیرہ سے خالی نہیں اور ضعیف بمقابلہ متواتر یا مشہور و مقبول متروک العمل ہوتی ہیں۔ ہمارے آئمہ اہل بیت کا یہی فرمودہ اصول ہے۔ بخاری و مسلم پر اہل السنن کا اجماع ہے کہ اِن دو کتابوں کی صحت قطعی ہے۔ اور اِن کے متعلق فتویٰ ہے کہ یہ دونوں اصح الکتب بعد کتاب

خدا ہیں۔ مگر مصنف تحقیق فدک کو پھر بھی شک رہتا ہے

فاضل کلینیؒ کی توثیق

سوال:۔ اگر علماء رجال (شیعہ) کوئی اعتراض کریں تو اُن کی جرح پر مولوی کلینیؒ کی تصدیق مقدم ہوگی۔ کیونکہ علمائے رجال میں سے کوئی بھی فاضل کلینیؒ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تحقیق فدک صہ۔

جواب:۔ علماء شیعہ میں واقعی ایسا بزرگ کوئی نہیں ہے۔ جو فاضل کلینیؒ سے اپنے آپ کو فاضل خیال کرے۔ اور نہ ہی ہماری جرأت ہے کہ ہم ایک شیعہ عالم کے امر کی توہین کریں۔ یہ جرأت فقط آپ ہی کی ہے۔ کہ سب سے پہلے جامع حدیث ابن شہاب زہری کو شیعہ کہہ کر بخاری و مسلم جیسے جامعین حدیث کے امر کی توہین کر دیں۔ اور جمہور مذہب کے خلاف اپنا ایک نیا عقیدہ تراش کر کے مجددیت کا دعویٰ کر دیں۔ حالانکہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی کا فتویٰ ہے کہ بخاری و مسلم کی توہین کرنے والا بدعتی ہے۔ لہٰذا بخاری کی صحت سے انکار کر کے اپنے آپ کو بدعتی بھی کہلوایا اور مطلب بھی نہ نکل سکا "نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے"۔

قرآنی عموم و خصوص کے سمجھنے میں آپ تو خلیفہ اوّل پر بھی سبقت لے گئے کیونکہ اس بزرگ کو بی بی پاک کے جواب میں سوائے ایک موضوع حدیث کے اور کچھ بن نہ پڑا اور آپ ہیں کہ عدم توریث کا مسئلہ خلاف مسلک اہل بیت قرآن سے ثابت کر رہے ہیں۔ جناب والا! ہم تو آپ کو حضرت ابوبکر اور اہل بیت کے مقابلہ میں کالعدم خیال کرتے ہیں۔ اپنے مقام پہ آپ چاہے مہدویت کا دعویٰ کر دیں۔

فاضل چکڑوی کا نرالا اجتہاد

سوال:۔ اگر اس کتاب میں وہ حدیثیں تھیں جو جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی تھیں تو امام مہدی علیہ السلام ایک توقیع بھیجکر مولوی کلینیؒ کو متنبہ فرما دیتے کہ مولوی صاحب اس حدیث کو نکال باہر کرو کہ وہ حدیث موضوع ہے۔ کیا مال لینے کیلئے توقیع جاری ہو سکتی ہے۔ اور کتاب کافی میں سے ایک حدیث باہر نکال دینے کیلئے توقیع برآمد نہیں ہو سکتی؟ تحقیق فدک صہ ۹۔

جواب:۔ حضرت شاہ صاحب کا خیال ہے۔ کہ جب یہ کتاب بارھویں امام کی نظر سے گزر چکی تھی تو امام کو چاہیئے تھا کہ عدم توریث انبیاء کو ثابت کرنے والی حدیث اپنے حکم سے خارج کرا دیتے

بصورت دیگر اگر انہوں نے اخراج کا حکم نہیں دیا تو معلوم ہُوا کہ امام خود عدم توریث کا قائل ہے۔ امام والا مقام کی ذات ستودہ صفات پر تو اعتراض کیا گیا۔ لیکن یہ خیال شریف میں نہ آیا کہ جو معانی اس حدیث کے میں خیال کر رہا ہوں امام معصوم پر کیا واجب ہے کہ یہی معنی مراد لے۔ نعوذ باللہ۔ اگر معصوم آنجناب کا مقلد ہوتا تو ضروری بات ہے کہ ایسا ہی حکم ارشاد فرماتے کیونکہ یہ لازمی امر ہے کہ امام زمانہ اپنے اجداد طاہرین کے مسلّم عقیدۂ وراثت انبیاء کو ردّ نہیں فرما سکتے تھے۔ اِن حضرات معصومین کی یہی تو خاصیّت ہے۔ کہ جو چیز پہلے نے فرمائی درمیانی اور آخری نے اس کی تصدیق فرما دی۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ معصوم عن الخطا امام اپنی جدّہ محترمہ کے دعویٰ وراثت کو باطل قرار دے۔ یہ مسلک تو آج کل کے مفروضہ مساوات کا ہی ہے۔ ہمارے آئمۂ اطہار کی یہ شان ہرگز نہیں۔ بلکہ امام عالی مقام کے ذہن عالی میں اِس حدیث کے وہی معانی متصور ہوئے جو مطابق قرآن و مسلک اہل بیت تھے۔ دیکھئے اہل حکومت کے پیشواؤں کی طرح ہمارے ہادی نہیں کہ جو ایک ہی مسئلہ میں ہزار ہا اختلاف کی باتیں نظر آتی ہیں۔ ایک بزرگ ایک چیز کو جائز قرار دیتا ہے۔ دوسرا اسی کو ناجائز خیال کرتا ہے یہ ان لوگوں کا ہی خیال ہے۔ جن کے مذہب کی اساس محض قیاسات بشری پر مبنی ہو۔ عقل و نقل سے واسطہ نہ ہو۔

حدیث بخاری خدا کی مصدقہ ہے۔

جناب مصنف صاحب نے کافی شریف کی حدیث سے استدلال کرنے کی خاطر تو کافی شریف پر اتنا زور دیا اور کہا کہ جو حدیث مطالعۂ امام سے گزر جائے وہ کب بے اعتباری ہو سکتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ روایت ھذا کاف لشیعتنا خبر واحد ہے۔ اور اخبار احاد موجب ظن ہُوا کرتی ہے۔ مگر بفرض تسلیم صحتِ روایت ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ واقعی امام مصدقہ امام قابل حجت ہے۔ لیکن ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لیں۔ اور دیکھیں کہ علمائے اہل سنت نے بخاری کی توثیق پر مستقل کتابیں لکھ ڈالیں اور ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ بخاری مرحوم ہر حدیث کے لکھتے وقت استخارہ یعنی خدا سے مشورہ کر لیتا تھا۔ اور کتاب لکھ کر اپنے اور خدا کے درمیان حجت قرار دی۔ اسی واسطے تو شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھ دیا کہ بخاری کے امر کی توہین کرنے والا مبتدع ہے۔

انشاءاللہ بخاری کی توثیق آئندہ کسی مقام پہ کی جائیگی۔ ایسی کتاب کی روایت پر شک کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی۔ خداوند عالم کی مصدقہ کتاب کے راویوں کو شیعہ کہتے ہوئے عقل وایمان کو خیرباد کہہ دیتے ہو۔ امام معصوم کی تصدیق شدہ حدیث پر تو آپ نے اتنا زور دیا۔ کیا ان روایات پر نگاہ نہیں پڑتی جو خود امام کے پیدا کرنے والے کے مشورہ سے لکھی گئی ہوں۔ حدیث غضبت فاطمہ علیٰ ابوبکر مندرجہ بخاری کیا بخاری صاحب نے استخارہ کر کے یعنی خدا سے مشورہ کر کے اور دو رکعت نماز ادا کر کے تحریر نہیں فرمائی تھی؟ اگر ایسا ہی ہے تو خداوند عالم نے کیوں نہ بخاری صاحب کو استخارہ کے وقت یا الہام کے ذریعہ فرما دیا کہ حدیث فدک میں لفظ غضبت حتیٰ ماتت غلط ہے اس کو نکال دیا جائے۔ جناب فاطمہ ابوبکر پر غضبناک نہیں ہوئیں۔ اور اگر بخاری کی توثیقات غلط ہیں۔ تو اس کے ذمہ دار علمائے اہل سنت ہیں جنہوں نے تعریف کے پل باندھے ہیں۔ اب فیصلہ ناظرین پر چھوڑا جاتا ہے۔ جبکہ خاتون معظمہ کا ورثہ طلب کرنا اور ابوبکر کا نہ دینا اس پر دختر رسول کا تادم مرگ غضبناک رہنا بخاری مسلم میں موجود ہے۔ تو پھر ان کتابوں کی صحت سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ میرے خیال میں تو سراسر کذب بیانی اور خاندان عصمت کے ساتھ بین عداوت ہے۔ اس کا علاج ہمارے پاس سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان بزرگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں۔

صاحب فلک النجاۃ پر خیانت کا الزام

حضرت مصنف تحقیق فدک نے صاحب فلک النجاۃ پر حدیث کا ترجمہ غلط کرنے اور خیانت کرنے کا بہتان لگایا ہے۔ تحقیق فدک صفحہ ۱۶۔

نعوذ باللہ من شرور انفسکم و سیات اعمالکم۔ شروع زمانہ سے لے کر آج تک علماء شیعہ کی دیانتداری۔ تفقہ فی الدین اور تقدس مشہور رہا ہے۔ جن بزرگوں کے تبحر علمی کا سکہ چار دانگ عالم میں مشہور ہوا اور جن کے اپنے بیگانے معترف ہو چکے ہوں۔ ان پر اس قسم کے الزامات تراشنا درحقیقت وسوسۂ شیطانی ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے شیعہ علماء ہر زمانہ میں عقل و علم میں مخالفین سے سبقت لے گئے ہیں۔ تصنیفات کے اتنے ڈھیر لگا دیئے کہ مخالفین کا ناک میں دم کر دیا۔ خود مصنف صاحب اپنی کتاب کے مقدمہ میں اعتراف کرتے ہیں۔ اگر جناب حضرت صاحب

کو اپنی علمیت اور عربی دانی پر اتنا ناز تھا تو کیوں نہ کوئی قرآن کی تفسیر یا کسی حدیث و فقہ کی کتاب کی شرح کر ڈالی یا علمِ قواعد اور لغت میں کوئی رسالہ تحریر کر دیا۔ فقط ایک فرسودہ اعتراضات کا طومار اکٹھا کر کے مجددیت اور امامت کا دعویٰ شروع کر دیا۔ اپنے مذہب کے آئمہ حدیث پر غلط بیانی کا الزام لگا کر ان کی عزت پر داغ لگا دیا۔ اور اپنے تصورِ باطل میں شیعہ علماء پر بھی بہتان باندھنا شروع کر دیا۔ اگر حضرت والا کو اپنی امامت پر اتنا ناز ہے۔ تو ذرا فلک النجاۃ کا جواب مکمل طور پر دینے کے سامنے پیش تو کریں ہم بیعت کر لیں گے۔

مولف چوکیروی کا ظواہر قرآن سے انکار

سوال - یہ حدیث آیات قرآنیہ کی مخالف نہیں۔ بلکہ یہ حدیث تو آیات قرآنیہ کی تفسیر کر رہی ہے۔ یوصیکم کے اندر جو ضمیر مفعول بہ ہے۔ وہ مجمل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ خطاب امت کو ہے یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خطاب میں شامل ہیں۔ حدیث میراث نے بتا دیا کہ خطاب امت کو ہے۔ یہ حدیث شریف آیات کے مخالف تب ہوتی جب کسی آیت میں نبی کریم یا کسی دوسرے پیغمبر کی مالی وراثت ثابت کی جاتی۔ سارے قرآن میں اس مضمون کی کوئی آیت نہیں ہے جو آیات صاحب فلک نے ذکر کی ہیں۔ ان میں سے کوئی آیت دنیاوی میراث انبیاء کے لئے ثابت نہیں کرتی۔ ملاحظہ ہو تحقیق فدک صد ۲۱۔

جواب - حدیث میراث مخالف قرآن تو تب ہوتی جب اس حدیث کا مفہوم شاہ صاحب کے مزعومہ کے مطابق ہوتا ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ کہ حدیث میراث کا مطلب عقیدہ وراثت انبیاء کے مخالف اور نافی نہیں۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ قرآن میں وراثت مالی کا ذکر نہیں یہ ایسا انکار ہے۔ جیسا خدا کی ہدایت سے انکار کرنا ہوتا ہے۔ خدا کے بندے کچھ خیال کرو۔ جب لفظ وراثت سے مراد ہی مالی وراثت یا مال و علم دونوں ہے تو پھر کسی خاص آیت میں لفظ مال لکھنے کی خداوند عالم کو ضرورت ہی کیا تھی۔ اگر خداوند عالم لفظ وراثت فرما کر لفظ مال کی قید لگا دیتا تو یقیناً فصاحت نہ رہتی۔ حالانکہ قرآن کریم کو اپنی فصاحت پر اتنا ناز ہے کہ وہ بطور معجزہ دنیا بھر کے فصحاء کو چیلنج کرتا ہے۔ ہاں (بقول بدہن) اگر خدائے لایزال نے قرآن کریم کو حضرت چوکیروی مجدد پر نازل کرنا ہوتا تو ایسا ہی ہوتا جیسا کہ مصنف صاحب کا خیال ہے۔ کیونکہ عالم الغیب کو معلوم تھا کہ اس بیچارے کا عقل و فہم

اتنا کام ہی نہیں کرسکتا جو وراثت کے صحیح مفہوم کو سمجھ سکے۔ مگر کیا کریں قرآن تو رسول مدنی پر نازل ہوا جو تمام کائنات سے افصح تھا۔ تمام انبیاء سلف اور آئمہ اطہار اسی درس الٰہی کے تعلیم یافتہ تھے جنہوں نے احکام شریعت کی اشاعت کرنا تھی۔ بھلا ان حضرات کیلئے ایسے الفاظ کا مفہوم اور عموم و خصوص قرآنی سے واقف ہونا کچھ مشکل ہو سکتا ہے۔ ذیل میں پانچ آیات قرآنی لکھ کر ناظرین کو تسلی کرائی جاتی ہے۔ اور حضرت مصنف کے انکار کی قلعی کھولی جاتی ہے۔ دو آیات ایسی ہیں جن میں خاصکر وراثت انبیاء کا تذکرہ ہے۔ اور باقی تین ایسی ہیں جن میں وراثت کا عمومی قاعدہ مذکور ہے۔ اور ان میں سے کسی انسان کو مستثنیٰ نہیں کیا جاتا۔

آیات قرآنیہ مبیّن وراثت انبیاء

(۱) و ورث سلیمان داؤد، ترجمہ:۔ سلیمان اپنے باپ دادا کا وارث ہوا (سورۂ نمل)

(۲) انی خفت الموالی من ورائی فھب لی من لدنک ولیا یرثنی و یرث من اٰل یعقوب (سورہ مریم) پہلی آیت مبارکہ میں دو انبیاء کا ذکر ہے۔ حضرت داؤدؑ بھی نبی اور حضرت سلیمانؑ بھی نبی تھے۔ اگر لفظ وراثت سے علم مراد لیا جائے تب بھی مطلب واضح ہے۔ علم کے وارث حضرت سلیمانؑ بحیثیت نبی کے ہوئے اور مال کے وارث بحیثیت اولاد کے۔ ہم اپنے دعویٰ کی تائید میں آئندہ کسی مقام پر علماء اہل سنت کے شواہد نقل کریں گے۔ دوسری آیت میں حضرت زکریاؑ دعا مانگتے ہیں۔ کہ اے اللہ مجھے ایک وارث عطا فرما جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوبؑ کا بھی وارث ہو۔ یعنی میری وراثت علم کو بحیثیت نبی ہونے کے اور مالی وراثت کو بحیثیت بیٹا ہونے کے سنبھالے۔ اور آل یعقوبؑ کی وراثت نبوت بحیثیت نبی ہونے کے حاصل کرے۔

(۳) یوصیکم اللہ فی اولادکم (سورۂ نساء پ۴) اللہ وصیت کرتا ہے تم کو اولاد کے بارہ میں) اس آیت پر حضرت صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں خطاب اُمت کو ہے پیغمبر کو نہیں خدا جانے ان بزرگوں کو پیغمبر اور اولاد پیغمبر کے ساتھ کیا عداوت ہے۔ جہاں کبھی قرآن میں آل محمدؐ کے حقوق علمی و مالی کا تذکرہ آتا ہے۔ فوراً انقلاب ضمائر کا سوال پیدا کر دیتے ہیں۔ آیت استخلاف میں لفظ منکم کی ضمیر قیامت تک ہے۔ مگر خلافت رسول کو اصحاب ثلاثہ میں بند کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ

یہ منکم حیات صحابہ تک ہی محدود ہے۔ ان کا خیال ہے کہ نہ منکم کو اتنی وسعت دی گئی، اور نہ ہی آلِ محمدؐ پر اس آیت کا اطلاق ہوگا۔ اسی طرح یوصیکم کے کم کو محض امت کے حق میں سمجھا۔ پیغمبر کو مستثنےٰ کر دیا۔ چلو اس آیت میں تو آپ نے پیغمبر کو نکال دیا۔ مگر حسب ذیل دو آیات میں سے پیغمبرؐ اور دخترِ پیغمبر کو کیسے مستثنیٰ سمجھا جائے گا۔ ملاحظہ ہوں:-

(۴) ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون (سورہ نساء پ۵) ہم نے ہر ایک کو وارث بنایا۔ جو کچھ ان کے والدین اور اقربا چھوڑ جائیں۔

(۵) وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون (سورۃ نساء پ۴) اور عورتوں کے لئے حصہ ہے جو کچھ ان کے والدین اور اقربا چھوڑیں۔ مندرجہ بالا دو ایسی صریح اور صاف آیات ہیں۔ جن میں عمومی قاعدۂ وراثت کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ کہ مصنف تحفہ نے لفظ لکل اور للنساء سے جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کو کیسے مستثنیٰ خیال کیا ہے۔ سارے قرآن حکیم میں کوئی ایسی آیت نہیں جس میں انبیاء اور اولاد انبیاء کو اس مذکورہ قاعدہ سے علیحدہ سمجھا گیا ہو اور نہ کوئی آیت جناب مصنف نے پیش کی۔ صرف ایک حدیث مرویہ ابوبکر سے تخصیص کرنے بیٹھ گئے۔ جس پر خود علماء اہلِ سنت کو شک ہے۔ انہی آیاتِ مذکورہ سے جناب زہرا صلوات اللہ علیہا اور حضرت امیر علیہ السلام نے حجت پکڑتے ہوئے ابوبکر کے سامنے بطریق جدل مطالبہ ارث کیا جس کی تردید مدعا علیہ یعنی اہلِ سنت کے مرشد اوّل نہ کر سکے۔ اگر آپ جناب امیر علیہ السلام و جناب معصومۂ کونین کے احتجاجات قرانیہ یعنی آیاتِ وراثت کو دربارِ حکومت میں پیش کرنا ملاحظہ فرمانا چاہیں۔ تو تفسیر کبیر رازی۔ کنز العمال۔ شرح حدیدی وغیرہ کتب اہل سنت مطالعہ فرمائیں۔ اگر آپ کے پاس یہ کتابیں نہ ہوں۔ تو اصل عبارتیں معہ ترجمہ فلک النجاۃ جلد ا ص ۳۹۱/۳۹۲ سے دیکھ کر تسلی کر لیں۔ اور اگر آپ نے پہلے مطالعہ کر لیا ہوتا تو شاید کتاب لکھنے کی ضرورت آپ کو نہ پڑتی۔ جب قرآن سے وراثت انبیاءؑ ثابت ہو گئی۔ تو پھر خلاف قرآن و مسلک علیؑ و بتولؑ آپ استثنا احادیث موضوعہ سے کیوں تلاش کرتے ہو۔ فتدبر

کتمانِ حق کی اہمیت

کتمانِ حق یعنی تقیہ کی فضیلت میں جناب مصنف نے ائمہ کی چند احادیث پیش کی ہیں، اور کتمانِ حق کی پھبتی اڑائی ہے۔

سوال ۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس نتیجہ نکلا۔ کہ شیعہ کے لئے حق کو چھپائے رکھنا نہایت ضروری ہے اور مشہور کرنا سخت گناہ ہے تحقیق فدک ص۲۵

جواب ۔ ہاں جناب! ہم کتمانِ حق یعنی تقیہ کو خداوند عالم کی نعمتِ عظمیٰ خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ نعمت نہ ہوتی تو شیعہ مذہب ہر زمانہ میں اہل فساد کی دسترس سے محفوظ نہ رہ سکتا۔ خداوندِ عالم نے اپنے دین اور ہادیان دین کی حفاظت کے لئے انعام فرمایا۔ ورنہ ظالم تو ہر وقت ہر زمانہ میں اس امر کے درپئے رہے۔ کہ کہیں اہل حق کا نشان نہ رہے۔ کتمان حق تو شروع سے ہی حق کے علمبرداروں کی سنت چلی آرہی ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام اور مومن آل فرعون کے متعلق لفظ انی سقیم اور یکتم ایمانہ جیسے صریح شواہد قرآن نے بیان فرما دیئے ہیں۔ ائمہ اہل بیت نے اسی واسطے اپنے شیعوں کو کتمانِ حق کا حکم موقعہ و محل کے مطابق کرنے کا دیا ہے۔ کہ ان بیچارے شیعوں کا دین بھی محفوظ ہو جائے۔ اور جان بھی بچ جائے۔ جناب مصنف کو اسی واسطے تو کتمانِ حق پر خار ہے۔ کہ شیعہ مذہب بوجہ کتمانِ حق ہی پھلا پھولا اور اسی وجہ سے کارکنانِ سقیفہ کی کارروائیاں طشت از بام ہوئیں۔ ورنہ کتمانِ حق کو تو علماء اہلِ سنت نے شرعی مسئلہ سمجھا ہے۔ خود جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ مصلحت وقت کو نہ دیکھتے ہوئے اگر امر حق کا اظہار کیا جاوے۔ تو ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیفہ اول نے خلاف مصلحت رسولؐ حرم پاک میں امرِ حق کا اظہار کرکے ذلت اور خفت اٹھائی۔ اور حضرت عمار رضی جیسے عقلمند صحابی نے کتمانِ حق کرکے عزت پائی۔ اور خداوند عالم نے قلبہٗ مطمئن بالایمان کا انعام پایا۔ پس ہمارے ائمہ اطہار کی احادیث کا یہی فلسفہ اور حکمت ہے جو اوپر بیان کر دیا ہے ہو

شواہد اہل سنت بہ نسبت کتمانِ حق

ذیل میں کتب اہل سنت سے دو شواہد نقل کئے جاتے ہیں جن سے کتمانِ حق کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔ ایک واقعہ میں تو خود شارع شریعت کا اخفا امر دین اور کتمانِ حق کے متعلق عمل ہے اور دوسرے واقعہ میں ایک جلیل القدر صحابی کو جناب پیغمبرؐ نے کتمانِ حق کا حکم دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں یہی دو واقعے حجت ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے خیال مبارک میں دیگر مسلمانوں سے زیادہ عاملِ سنت اور صحابہ پرست ہیں۔ آلِ محمدؐ کا فعل اور قول تو آنجناب کے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔

۱۔مدارج النبوۃ شیخ عبد الحق دہلوی جلد ۲ صٓ۳۷ پر مرقوم ہے" تا سہ سال حال بریں منوال بود و مامور بود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باخفاایں امر وصبر بر آں۔ ترجمہ:۔یعنی شروع تین سال تک جناب ختمی مرتبت خداوند عالم کی طرف سے مامور تھے۔کہ اعلانیہ دعوت نہ کیجائے۔اور امر حق کا اخفا اور اس پر صبر کیا جائے۔

۲۔بخاری کتاب المناقب باب قصہ زمزم طبع مصر جلد ۲ صٓ۱۶۶ معہ ترجمہ تیسیر الباری پ۱۴ صٓ۷۱ میں حدیث اسلام ابی ذرؓ کے متعلق درج ہے کہ حضرت ابی ذر اسلام لائے تو حضرت نبی صلعم نے فرمایا۔ یا اباذر اکتم ھذا الامر وارجع الیٰ بلدك فاذا ابلغك ظھورنا فاقبل الخ یعنی اے ابی ذر اس امر کو یعنی اپنے دین اسلام کو چھپائے رکھ اور اپنے شہر میں واپس چلا جا۔جب تم کو اطلاع پہنچے کہ ہم کو غلبہ حاصل ہوگیا ہے۔پھر ہمارے پاس آجانا۔

اس قسم کے کئی واقعات اور شواہد کتمان حق سے متعلق ہمارے پاس موجود ہیں۔مگر بخوف طوالت انہی دو پر اکتفا کیا جاتا ہے۔صاحبان بصیرت کیلئے اسی قدر کافی ہے۔مگر احمق کے لئے ہزار دلیل بھی بیکار ہے۔بہتر ہوگا۔کہ کتمان حق پر اعتراض کرنیوالا انسان بذریعہ مراقبہ یا مرکاشفہ قادیانی نبی کی طرح خداوند عالم اور جناب پیغمبر سے کتمان حق کی اہمیت کا استفسار کرے۔کیونکہ آپ کے تقرب الی اللہ والی الرسول سے یہ امر بعید نہیں۔دعوئ امامت انہی امور کیلئے تو ہوتا ہے۔ورنہ امام ہوکر مسائل شریعت سے جاہل رہنا مضحکہ خیز امر ہے۔

حدیث قرآن کی ناسخ نہیں

دعوئ مصنف تحقیق فدک | اہل سنت علمائے کرام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث کو ناسخ قرآن نہیں جانتے۔اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حدیث لانورث کو کسی آیت قرآن کا ناسخ نہیں لمنتے۔چونکہ تہمت تراشی بہتان طرازی شیعہ علماء کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے۔اس لئے وہ بہتان گھڑتے وقت گناہ کا تصور بھی نہیں کرتے۔تحقیق فدک صٓ۲۶

ابطال دعوئ۔جناب والا! اہل بیت علیہم السلام کے اقوال اور افعال کو جب آپ قابل وثوق ہی نہیں سمجھتے۔اور نہ ہی آپ کا ان پر اعتماد اور عمل ہے پھر احادیث معصومین کے ناسخ قرآن ہونے کا

سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک تو کوئی فعل یا قول خاندانِ عصمت و طہارت کا ناسخ قرآن نہیں ہے۔ یہ معاملہ تو تب پیش آئے جب یہ بزرگوار کسی وقت بھی ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ کے خلاف بیان کریں۔ جب منشا رخداوندی کے خلاف ان کا ارادہ بھی نہیں ہوتا۔ تو اس چیز سے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کہ ائمہ کے قول کو آیۂ قرآنی منسوخ کر رہی ہے۔ یا ان کا قول قرآن کو منسوخ کر رہا ہے۔ یہ صرف آپ کی کوتاہ فہمی کا نتیجہ ہے۔ کہ علم اسرار شریعت ائمہ اطہار سے آپ نہیں لیتے۔ اگر خدا نے آپ کو ہدایت کی۔ اور دامن اہلِ بیت سے منسلک ہو گئے تو امید ہے کہ آپ بھی بقدر حصّہ اس نعمت سے مشرف ہو جائیں گے۔ باقی رہ گئی حدیث ابوبکر لا نورث ما ترکناہ صدقہ تو اس کو آپ ضرور ناسخ قرآن خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ میراث انبیاء کا تذکرہ قرآن میں صریحاً مذکور ہے۔ صرف اسی حدیث کے ذریعہ علمائے اہل سنّت نے قرآن کے قطعی مسئلہ میراث انبیاء کی نفی کر دی۔ اور ناسخ قرآن سمجھا۔ ہمارے اس دعویٰ کی تائید کے لئے آپ کی کتابوں میں آپ کے پیشواؤں اور فقیہوں کے اقوال درج ہیں۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ کارکنانِ سقیفہ کا اجماع اہلِ سنّت کے نزدیک ناسخ قرآن ہوا کرتا ہے۔ اجماع تو اجماع رہا۔ علامہ شبلی نے الفاروق ج۲ ص۲۵۵ میں خبرِ واحد کو ناسخ قرآن لکھ مارا ہے۔ مثال کے طور پر متعہ النسا کو ہی لیجئے جب صاف حکم قرآن میں نازل ہوا اور تمام مفسرین فریقین نے تنزیلِ حکم متعہ تسلیم کر لیا۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ آپ اس کو صرف حضرت عمر کے حرام کرنے سے حرام سمجھنے لگے۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء سیوطی۔ باب اولیات عمر۔

اصول کرخی مطبوعہ: یوپند ص۸ پر تحریر ہے کہ ہمارے فقہا جس امر پر اجماع کر لیں اس کو ناسخ قرآن خیال کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر صاحب اصول کرخی نے واعلموا انما غنمتم کی آیت پیش کی اور لکھا کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مال غنیمت کا خمس قرابتداران پیغمبر کا ہے۔ چونکہ ہمارے علماء نے اہل بیت کو خمس نہ دینے پر اجماع کر لیا ہوا ہے۔ لہٰذا یہ اجماع آیت مذکورہ کا ناسخ ہوگا۔ حضرات شیخین کا اہلِ بیت کو خمس نہ دینا آئندہ باب خمس میں بیان ہوگا۔ اور اگر مزید اطمینان کرنا چاہیں۔ تو فلک النجاۃ کا مطالعہ بھی ضرور کریں۔

آپ کا جمہور مذہب تو اسی مذکورہ عقیدہ پر مر گیا۔ صرف آپ ہیں۔ جو خلاف اپنے اسلاف کے ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ خیر اچھا ہوا اس عقیدہ میں یعنی احادیث ناسخ قرآن نہیں ہو سکتیں تو آپنے

ہمارے ساتھ اتفاق کرلیا۔ باقی مختلف مسائل میں بھی خدا کریگا۔ اتحاد اور یگانگت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ایک اور تحقیقی رسالہ ضرور تحریر فرمائیں۔

جنابِ زہراؑ کو حدیث لانورث کا کیوں علم نہ ہوا

مصنف کا لطیف استنباط: آنحضرتؐ خوب جانتے تھے۔ کہ میرے بعد میرے خلیفہ میرے یارِ غار ہوں گے۔ اور اس قسم کے مسائل کی ان کو سخت ضرورت ہوگی۔ اس لئے اپنے خلیفہ کو اس مسئلہ کی تعلیم کردی۔ دنیا میں جو لوگ قضا اور جج کے عہدہ پر فائز ہوتے ہیں پیش آنیوالے مقدمات میں فیصلے کے طریقوں کا علم جس قدر اُن کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ اس قدر اور کسی کیلئے ضروری نہیں ہوتا۔ اور آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے تھے کہ میرے عزیز و اقارب اس معاملہ میں جھگڑا کرنے والے اور رشک کرنیوالے نہیں۔ اس لئے اپنے اہلِ بیت کے ہر ایک ممبر کو یہ مسئلہ سمجھانے کی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی ضرورت نہ سمجھے۔ تحقیق فدک ص۳۵

جواب۔ سبحان اللہ! کیا خوب علم ہے۔ مصنفین کی صف میں تو شمار ہو گئے۔ مگر طرز استدلال عجیب منطق پر مبنی ہے۔ ع

اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سُوجھی

واقعی آنحضرتؐ خوب جانتے تھے کہ میرے بعد میرے یارِ غار اور فلاں فلاں بزرگوار میری مسند پر قابض ہو جائیں گے اسی پریشانی کے باعث آنحضور ملول رہا کرتے تھے اسی غرض کے ماتحت جنابِ پیغمبرؐ نے دعوتِ ذوالعشیرہ سے لیکر مرضِ موت تک علیؑ کی خلافت کا کبھی صریحاً اور کبھی کنایتہً اظہار و اعلان فرمادیا تھا۔ پیغمبر کے جانشین اگر باانصاف اور معرفتِ علیؑ و رسولؐ رکھنے والے ہوتے۔ تو ہرگز یہ ناشدنی امور پیش نہ آتے۔ جنابِ پیغمبر کو ہرگز اتنے اہتمام جانشینی کے واسطے نہ کرنے پڑتے۔ آخری موقعہ پر تو کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ یعنی خم غدیر کے مقام پر اعلانِ جانشینی کرکے دستارِ خلافت بھی علی کو بندھوادی (مسند ابو داؤد طیالسی) اور حسبِ اقرار امام غزالی حضرات شیخین نے علی کی خلافت کو تسلیم بھی کرلیا تھا۔ مگر بعد میں ہوا و حرصِ دنیا کی غالب آگئی۔ اور اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے۔ (سر العالمین مقالہ رابعہ ص۹ مطبوعہ بمبئی)

حضرت ابوبکر کی خلافت کی تردید از عملِ رسول۔ تعجب تو اس بات کا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جس یارِ غار کی خلافت کی پیشگوئی زبانِ پیغمبر سے ظاہر کر رہے ہیں اس بزرگ کی خلافت کا بطلان خود پیغمبرِ اسلام نے لسانِ صدق سے فرمادیا ہے۔ لیجئے ملاحظہ ہو۔

فتاوی عبدالحی لکھنوی جلد ا ص۲۵۱ اور آلی مصنوعہ علامہ سیوطی مطبوعہ مصر جلد ص ۱۶۹ عن ابن مسعود قلت یا رسول اللہ الا تستخلف ابابکر فاعرض عنی فرایت انہ لم یوافقہ قلت یا رسول اللہ الا تستخلف عمر فاعرض عنی فرایت انہ لم یوافقہ قلت یا رسول اللہ الا تستخلف علیاً قال ذالک والذی لا الہ غیرہ لو بایعتموہ واطعتموہ ادخلکم الجنۃ ابن مسعود جیسا جلیل القدر صحابی کہتا ہے۔ کہ یا رسول اللہ ابوبکر کو خلیفہ کیوں نہیں بناتے، تو حضرت صلعم نے مجھ سے روگردانی فرمائی۔ میں نے سمجھا کہ یہ بات آنحضرتؐ کو پسند نہیں آئی۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عمر کو آپ خلیفہ کیوں نہیں بناتے، پھر آنحضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔ میں سمجھا کہ یہ بات بھی حضورؐ کو ناگوار گذری۔ پھر میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ علیؑ کو خلیفہ کیوں نہیں بناتے۔ حضور نے فرمایا۔ اُس اللہ کی قسم ہے جس کے بغیر کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ اگر تم نے علی کو خلیفہ بنا لیا تو وہ تمہیں جنت میں داخل کریگا۔ (۴۲) یہ ہے وہ حدیث جس نے جناب مصنف کی مزعومہ پیشینگوئیوں کو تہ و بالا کر کے جناب یار غار کی خلافت اور ان کے مشیر خاص کی نفی کر دی۔ اور اس بزرگ کی خلافت بلا فصل کا اثبات کر دیا۔ جو مدعیہ فدک کے ساتھ برابر مطالبہ ارث میں شریک ہے۔ اور جناب شاہ صاحب جس انسان پر جہالت مسئلہ توریث انبیاء کا بہتان لگا رہے ہیں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ ان واقعات کا تعلق بحث خلافت سے ہے۔ ذکر کیا گیا جائے۔ فدک اور خلافت کے تعلقات کچھ اس طرح باہم پیوستہ ہیں۔ خواہ مخواہ ایک بحث کے ذکر میں دوسری بحث کا تذکرہ چھڑ جاتا ہے، اور پھر حضرت مصنف تحقیق فدک اپنے مرشد خاص کی خلافت بھی عوام سے منوانے کا ساتھ ہی مطالبہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس مسئلہ پر انہیں علیحدہ کتاب لکھنی چاہئے تھی پھر لکھتے ہیں۔ کہ حدیث لا نورث صرف ابوبکر ہی جانتا تھا۔ کیونکہ قضا اور حجی کا عہدہ اس کے پاس تھا۔ مسائل وراثت پیغمبر نے اسی کو تعلیم کئے۔ حضرات اہل بیت کو ان مسائل کی ضرورت نہیں تھی۔ "دروغ گو را حافظہ نباشد" والا معاملہ ہے۔

کیا واقعی اہل بیت علیہم السلام وراثت سے ناواقف تھے؟

قابل غور بات تو یہ ہے کہ خود شاہ صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ کہ علم نبوت کے وارث افراد اہل بیت ہیں۔ اور اب خود ہی تحریر کر رہے ہیں۔ کہ اہل بیت کو مسئلہ وراثت انبیاء کا علم نہیں تھا۔ عجیب منطق اور فلسفہ ہے۔ جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ہم تو آج تک مجالس میں شیعہ ذاکرین سے سنتے تھے کہ سُنی لوگ کہتے ہیں۔ بی بی عالیہ

نعوذ باللہ مسئلہ وراثت انبیاء سے جاہل ہے۔ مگر آج تصدیق ہو گئی جبکہ ان کے ایک بڑے مجدد اور امام نے اپنی کتاب میں اس امر کا اعتراف کر لیا ہے۔ درحقیقت حضرت شاہ صاحب نے یہ الفاظ لکھ کر اپنی خاندانی شرافت اور وجاہت کو داغ لگا دیا ہے۔

مسلمانو! مقام غور ہے کہ جناب مخلوق اوّل مجسمہ عقل صاحب ذہانت و فراست رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس اس سے اعلیٰ وارفع ہے۔ کہ باب مدینۃ العلم اور اپنی دختر معصومہ لخت جگر کو اور اپنے چچا حضرت عباسؓ نیز اپنے ازواج کو مسئلہ وراثت انبیاء سے محروم رکھیں خصوصاً جبکہ آپکو معلوم تھا۔ کہ جناب زہرا علیہا السلام دعویٰ وراثت کرنیکی تکلیف کریں گی۔ اور عدم کامیابی کی بناء پر شیخین پر غضبناک ہونگی۔ جس سے خود رسولؐ اور خداوند کریم کو غضب آئیگا حضرت علیؑ و عباسؓ بھی دعویدار ہونگے۔ اور نہ ملنے پر ابوبکر و عمر کو کاذب۔ غادر۔ آثم اور خائن خیال کریں گے (صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۱) اور ازواج بھی حضرت عثمان کی معرفت ورثہ طلب کرینگی۔ (مدارج نبوت جلد ۲) اتنے مفاسد عظیمہ کو رسول نے کیسے پسند فرمایا۔ اور اپنے ان تمام وارثوں کو مسئلہ وراثت انبیاء تعلیم نہ فرمایا۔ تاکہ کوئی قضیہ پیش ہی نہ ہوتا۔ حضرت ابوبکر کے کان میں چپکے سے بیان کر دیتے ہیں جتنے مفاسد عظیمہ رونما ہوئے۔ اہل خبر سے مخفی نہیں۔ لطف کی بات تو یہ ہے۔ کہ مسئلہ زیر بحث جب تمام امت محمدیہ ہی تا قیامت صرف وارثان پیغمبر سے ہی متعلق تھا۔ تو ان کو کیسے نہ بتایا۔ اور خود رسول کریمؐ نے اتنی اہم ضرورت کو کیوں نہ محسوس کیا۔ حالانکہ یہ مسائل شرعیہ میں سے ایک اہم مسئلہ تھا۔ اور منصب رسالت کی حیثیت سے آنحضرتؐ پر واجب تھا۔ کہ اس اجمال کی تفسیر مجمع عام میں بیان فرماتے۔ خصوصاً اپنی اہل بیت کو تو ضرور ہی بتا جاتے۔ جبکہ اسی مسئلہ کے اختلاف کی وجہ سے آئندہ امت اسلامیہ کے دو گروہوں میں کسی ایک کی گمراہی لازم ہو۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ خداوند عالم اور بانی شریعت نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ تمام احکام کی مکمل تبلیغ فرما دی۔ کتابوں میں سب کچھ موجود ہے۔ مگر حضرات اہل تسنن چند غیر معصوم ہستیوں کے دامن کو صاف کرنے کے لئے جناب پیغمبر اسلام پر ترک واجب کا الزام لگا کر محبت رسول کا خوب مظاہرہ کرتے ہیں۔ خدا سمجھے ان کو دفطرت ملاؤں سے جنہوں نے محبت تثلیث میں حامل وحی پر بھی ہاتھ صاف کر دیا نعوذ باللہ من ہفوات المسلمین۔

امام فخر الدین رازی کا فیصلہ کہ اہل بیت کو اس مسئلہ کی زیادہ ضرورت تھی :- امام اہل سنت فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۳ میں لکھتے ہیں ما المحتاج الیٰ ھذہ المسئلۃ ما کان الا

علیاً وفاطمة والعباس وهٰولاء کانوا من اکابر الزهاد والعلماء فی الدین واما ابوبکر فانه ماکان محتاجًا الی معرفة هذه المسئلة لانه ماکان یخطر بباله انه یرث الرسول فکیف بالرسول ان یبلغ هذه المسئلة الی من لاحاجة ولایبلغها الی من له الی معرفتها اشد الحاجة انتہی۔

ترجمہ:۔ کہ اس مسئلہ یعنی وراثتِ انبیاء کی طرف سوائے حضرت علیؑ وفاطمہؑ وعباسؓ کے کوئی زیادہ محتاج نہ تھا۔ اور یہ ہر سہ بڑے پرہیز گار اور اکابر علمائے دین میں سے تھے۔ اور ابوبکر صاحب بالکل اس مسئلہ کے جاننے کے محتاج نہ تھے۔ کیونکہ ان کے دل میں کبھی خیال تک نہیں آسکتا تھا۔ کہ وہ رسول کے وارث ہوں۔ جناب رسولؐ کی ذات کے شان کے لائق یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ اس مسئلہ کو اس شخص سے بیان کردیں جس کو اس کی قطعاً حاجت نہیں۔ اور اُس کو تعلیم نہ کریں۔ جس کو اس کے سمجھنے کی اشد ضرورت ہو۔ انتہی۔

علیؑ وارث کتاب وسنت سے اور ابوبکر علم میراث سے ناواقف:۔ امام رازی کے مندرجہ بالا فیصلے نے تو حضرت مصنف کی تحقیق پر پانی پھیر دیا۔ اور ساری بحث کا دروازہ بند کردیا اب فیصلہ ناظرین ہی فرمائیں۔ کہ ہم امام رازی کا فیصلہ قبول کریں۔ یا شاہ صاحب کے استدلال پر آنسو بہائیں۔ جس انسان کو خود پیغمبر اسلام اپنی کتاب اور اپنی سنت کا وارث قرار دے مفردات راغب اصفہانی برحاشیہ نہایہ جلد ۱ ص۲۱۷ اور جس کے متعلق یہ فرمائے۔ اقضاامتی علی ابن ابی طالب "ارجح المطالب ص۱۳۹" یعنی میری امت سے سب سے اچھا فیصلہ کرنیوالا علیؑ ہے۔ اور خود جناب امیر علیہ السلام نے اپنے متعلق یہ دعویٰ کیا۔ سلونی عن طرق السمٰوٰت فانی اعلم بها من طرق الارض (مطالب السئول) مجھ سے سوال کرو آسمان کے راستوں کا کیونکہ میں زمین کے راستوں کی نسبت آسمانوں کے راستوں کا خوب واقف ہوں اور فرمایا مجھ سے سوال کرو کتاب اللہ کی آیات کا۔ ایسی کوئی آیت نہیں۔ جو مجھے معلوم نہ ہو۔ کہ رات میں اُتری یا دن میں۔ بالتحقیق رب نے مجھے دل سمجھنے والا اور زبان بولنے والی دی ہے۔ شرح مواقف ص۶۳۷

ایسے عالم شریعت کے متعلق گمان کرنا کہ اسے مسئلہ وراثت کا پتہ نہیں کتنی ہٹ دھرمی اور بعید از فطرت گفتگو ہے۔ کیا منبر رسول اور منصب قضا ایسے انسان کی وجہ سے فخر نہیں کریگا۔ جس کی خدمت میں مسائل شرعیہ پوچھنے کے لئے وہ انسان محتاج ہوں۔ جن کو مصنف تحقیق فدک جج اور قاضی کہہ رہا ہے۔ خدا جانے کتنے مقام پر حضرت عمر نے اپنی عدم واقفیت فی الدین کا اظہار اور اعتراف ان الفاظ میں کیا۔ لولا علی لهلك عمر یعنی اگر علیؑ نہ ہوتا۔ تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ اور قرآن دانی کا یہ حال ہے۔ کہ بارہ سال کے

برس میں سورہ بقرہ یاد کی۔ اور جب یاد ہو گئی تو ایک اونٹ قربانی دیا (در منثور جلد ۱ صلا)

علم میراث میں خلیفہ اوّل کا یہ حال ہے۔ کہ مسئلہ وراثت جدہ سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ ایک فیصلہ کے متعلق میں آنجناب کو ضرورت پیش آئی۔ مگر علم تھا نہیں۔ پریشان ہو کر پبلک کے آدمیوں سے پوچھنا شروع کیا۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صلا۔ صواعق محرقہ صلا) حضرت شاہ صاحب سے مستفسر ہوں کہ یہ بزرگ وہی یارِ غار ہی تو نہیں۔ جس کو سوائے مسئلہ وراثتِ انبیاء تعلیم کیا تھا۔ آپ کا سفید جھوٹ طشت از بام ہو گیا۔ خواہ مخواہ ایک غیر معصوم کی بے جا حمایت کر کے اپنی عدالت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اہل حکومت کی یہ خوب سیاست دانی ہے۔ کہ یہ حضرات اسی مسئلہ کے واقف ہوتے ہیں۔ جو ان کے جعلی اصول کی تائید کرے۔ اہل بیت عظام کی تائید میں جو مسئلہ پیش ہوا اس کی نسبت تجاہل عارفانہ سے کام لے کر امر حق سے اغماض واجب سمجھا۔ یہ بزرگ تنزیل قرآن کے وقت بازاروں کی گشت لگاتے تھے۔ ان کو تو قرآنی عموم و خصوص اور خصوصاً مسئلہ توریث انبیاء کا خوب علم ہے۔ اور جن کے متعلق رسول ارشاد فرمائے علی مع القرآن والقرآن مع علی ولا یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ تاریخ الخلفاء ص۱۱۷ یعنی علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ ان کو وراثتِ رسول کا علم تک نہ ہو۔ باقی رہا آپ کا یہ فرمانا۔ کہ رسول پاک کو یہ علم تھا کہ میری اہل بیت جھگڑا کرنے والی نہیں۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر اہل بیت نے جھگڑا کیا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم شاہد ہیں۔ تو نعوذ باللہ جناب پیغمبرؐ کا اندازہ غلط اور اگر آپ کہیں کہ جھگڑا نہیں ہوا تو بالکل غلط اور سفید جھوٹ کتب اہل سنت گواہ ہیں۔ جس پر آئندہ بحث ہو گی ؎

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

بخاری کی حدیث پر خبر واحد کا الزام

سوال: روایت غضب اخبار احاد میں سے ہے۔ صحیحین میں اس حدیث کی مدار ابن شہاب زہری پر ہے سارے اسناد ابن شہاب زہری پر ختم ہوتے ہیں۔ پس اہل سنت اس حدیث کو مشہور یا متواتر ہرگز نہیں کہتے اس حدیث کو متواتر مسلم بین الفریقین کہنا ایک ایسا بہتان ہے۔ جو خاص صاحب فلک النجاۃ کی شان ہے۔ تحقیق فدک ص۲۵، ۲۶

جواب: سبحان اللہ! بخاری شریف کی روایت پر عدم صحت کا شبہ اور خبر واحد کہکر جان چھڑانا علم

اہل سنت میں سے صرف مصنف تحقیق فدک کا ہی عقیدہ ہے۔ روایت غضب کے مشہور بین الفریقین ہونے سے انکار کرنا علم حدیث سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اگر قبلہ شاہ صاحب کو اپنے اصول حدیث پر عبور ہوتا۔ تو ہرگز ایسا نہ لکھتے۔ متواتر باللفظ نہ مانتے۔ تو متواتر بالمعنی ضرور ماننا پڑتا جیسا کہ اہل تسنن کے علماء وسیع النظر پر یہ امر مخفی نہیں۔ چنانچہ ہر زمانہ میں علمائے اہل سنت حدیث مذکورہ کو صحیح تسلیم کرتے آئے ہیں۔ یہی روایت ان بیماروں کیلئے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ اس حدیث کے اسناد میں اتنی تقویت ہے۔ کہ اہل علم طبقہ جرأت نہیں کر سکتا۔ کہ اس حدیث پر شبہ کا خیال بھی کرے۔ اہل سنت کی ہر بڑے سے بڑی کتاب تفسیر، تاریخ، حدیث اور فقہ میں اس حدیث کو بعنوان جلی تحریر کیا جاتا رہا ہے۔ خدا جانے ہمارے فاضل ہم عصر مصنف کو یہ خیال کہاں سے پیدا ہوا۔

بصورت تسلیم اگر اس حدیث کو خبر واحد ہی سمجھا جائے پھر بھی اس کی صحت میں شک نہیں ہو سکتا۔ بخاری ومسلم کی یہ حدیث غضب اہل سنت کے ہاں آسمان صحت کا درخشندہ ستارہ ہے۔ جس کی ضو فشانی تاریکی میں جناب زہرا علیہا السلام کے حقوق روشن کر رہی ہے۔ اور اس روشنی میں آنکھوں والا ہی ہدایت پا سکتا ہے۔

خبر واحد حجت ہو سکتی ہے

نیز خبر واحد اہل سنت کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ اگرچہ اپنے ذاتی نفع کے لئے بیان کی جائے۔ چنانچہ جابرؓ انصاری کا واقعہ ہمارے دعویٰ کا مؤید ہے۔ یعنی بعد وفات پیغمبر ابوبکر نے اعلان کیا۔ کہ جس کسی نے رسولؐ سے کوئی چیز لینی ہو وہ آکر بیان کرے۔ حضرت جابرؓ نے آن کر کہا۔ کہ مجھ سے آنحضورؐ نے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ جب بحرین سے مال آئیگا۔ تو تجھے اتنا اتنا دیا جائیگا۔ فوراً حضرت ابوبکر نے جابر کا بیان بغیر کسی شہادت کے قبول کر لیا اور اتنا مال دے دیا۔ صحیح بخاری معہ فتح الباری ص۹۱ پارہ ۱۲۔ عینی جلد ۲ ص۲۱۱۔ تاریخ الخلفا سیوطی۔

جناب والا! آپ کے مرشد اوّل نے تو خبر واحد کو قبول کر لیا اور حجت سمجھا حضرت جابرؓ پر اعتبار کیا۔ مگر آپ حضرت ام المومنین عائشہ اور امام زہری جیسے امام الکل پر اعتبار نہیں کرتے خدارا اپنے بزرگوں کی توہین تو نہ کریں۔ خدا کی قدرت جو روایت بھی اہل سنت کی کتابوں میں حقوق آل محمد کی تائید میں پائی جائے اس کی نسبت کبھی ضعف کا الزام لگایا جاتا ہے کبھی موضوع خیال کی جاتی ہے۔ اور کبھی خبر واحد کہہ کر عدم تسلیم کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے۔ حالانکہ عدالت کا تقاضا ایسا نہیں تھا۔ مسلمانوں کو آل محمدؐ

کے ساتھ ایسی چیرہ چشمی نہ چاہئے تھی۔ یہ حدیث تو خبر واحد ہی جو کسی صحابہ سے مروی ہو۔ اس کو بھی یہ بزرگوار متواتر نہیں مانتے۔ مثال کے طور پر حدیث غدیر جو تیس سے زائد صحابہ نے روایت کی ہے۔ اس پر بھی عدم تواتر کا الزام تراشا جاتا ہے۔ شاہ عبدالحق نے شرح مشکوٰۃ میں حدیث غدیر کے ماتحت ان لوگوں کا جواب لکھتے ہوئے جنہوں نے حدیث غدیر کو موضوع کہا ہے واضح کیا ہے۔ کہ اس حدیث کی صحت سے انکار خواہ مخواہ انکار کرنا ہے۔ مگر یہ متواتر نہیں۔ حالانکہ خود محدثین اہل سنت نے تیس سے زائد صحابہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ ہم ان بزرگوں کی کونسی بات پر اعتماد کریں۔ اگر یہ اصول اہل بیت رسالت کے حقوق کے بارہ استعمال کرنا ضروری ہے۔ تو پھر اپنے مسلک کی تائید میں یعنی حضرات اہلِ حکومت کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے بھی اسی اصول کو مدنظر رکھیں۔ کیا حضرات اہلِ تسنن خصوصاً قبلہ بخاری صاحب ارشاد فرما سکتے ہیں۔ کہ کتنی متواتر یا مشہور احادیث اصحاب ثلاثہ کی خلافت وامامت اور ان کے فضائل ہی کتابوں میں موجود ہیں۔ برخلاف اس کے مسئلہ زیر بحث یعنی عدم وراثت انبیاء کی دارومدار ہی خبر واحد پر ہے۔ صرف ایک ابوبکر راوی ہے۔ اگر حدیث لا نورث کا کوئی دوسرا راوی آپ کے علم میں ہو۔ تو از راہ کرم پیش کریں۔ اگر آپ ارشاد فرمائیں کہ یہ حدیث خبر واحد نہیں تو یہ ہمارا مقصود آپ کے فرمان سے ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ روایت غصب یعنی حدیث فدک اور حدیث لا نورث حقیقتاً ایک ہی حدیث ہے۔ ایک ہی حدیث کے یہ دو نوں جملے ہیں۔ اگر آپ خبر واحد کہیں تو حدیث لا نورث بھی خبر واحد ہو گی جو مطابق آپ کے جعلی اصول کے حجت نہ رہے گی۔ پھر مسئلہ عدم وراثت کہاں سے پیدا کریں گے۔ جو جواب آپ کا ہو جو اپنا)

خبر واحد ناسخ قرآن بھی ہو سکتی ہے

آپ تو خبر واحد سے قرآن کے قطعی مسئلہ کو پس پشت ڈال کر تخصیص کر دیں۔ تخصیص تو بجائے خود رہی۔ بلکہ خبر واحد کو ناسخ قرآن خیال کریں۔ ملاحظہ ہو الفاروق شبلی نعمانی جلد ۲ صفحہ ۲۵۵ اور ہماری پیش کردہ روایات خبر احاد سے حجی چرائیں۔ یہ کہاں کی دیانتداری ہے۔ عدم توریث والی حدیث لا نورث کا راوی صرف ابوبکر ہے۔ اور غضبیت جو اسی حدیث کا آخری حصہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان کردہ ہے۔ عجیب لطف کی بات ہے۔ جو ام المؤمنین کے اس قول کو تو قبول کر لیا جائے۔ کہ ابوبکر نے کہا انبیاء کا وارث نہیں ہوتا۔ اور اسی زبان کے یہ الفاظ کہ جناب فاطمہ ابوبکر پر مرتے دم تک ناراض رہیں۔ نہ قبول کر

جانے۔ ہم تو اس حدیث پر ضرور اعتبار کرینگے کیونکہ ام المومنین کی مرویہ ہے اور اس حدیث کے بیان کرنے میں واقعی حضرت عائشہ اپنے لقب صدیقہ کی مظہر ہے۔ حضرت شاہ صاحب ان پر اتہام لگائیں تو ان کا اپنا خیال ہم تو اس گناہ سے بری ہیں۔

رضامندیٔ زہرا کیوں مؤثر نہیں

سوال۔ آنجناب صلوات اللہ علیہا کے غضب کو مؤثر ماننا اور رضامندی کو بے اثر ماننا نہایت بے انصافی اور آل معصومہ طاہرہ کے حق میں گستاخی ہے۔" تحقیق فدک صفحہ ۳۶

جواب۔ جناب والا! غضب جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کو ہم اسی لئے مؤثر مانتے ہیں۔ کہ غضب فاطمہؑ شیعہ سنی کے ہاں مسلم ہے۔ بخاری مسلم کے بیان کے مطابق بی بی مرتے دم تک غضبناک رہیں۔ اور ان دونوں محدثین نے حتی توفیت کا فقرہ لکھ کر بحث کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا۔ اہل سنت کے ہاں تو رضامندیٔ زہراؑ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نہ جناب زہراؑ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں۔ اور نہ ہی حضرت ابوبکر نے فدک دیا۔ اور نہ راضی کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم بھی رضامندی کو مؤثر مان لیتے۔ حسب بیان مصنف تحقیق فدک اہل سنت کی کتابوں میں کوئی روایت رضامندیٔ زہراؑ موجود نہیں۔ دیکھو ص ۹۸ تحقیق فدک خدا جانے شاہ صاحب ہمیں کس چیز سے قائل کرانا چاہتے ہیں۔ بخاری مسلم کی روایت جو صحت کے لحاظ سے قطعیت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں شرح ابن میثم سے ایک مجہول السند روایت پیش کر کے منوانا چاہتے ہیں۔ اس کی سند پر تو ہم انشاء اللہ آئندہ اسی حدیث کے ضمن میں بیان کریں گے۔ مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ کتب اربعہ شیعہ و صحاح ستہ سنیہ میں جب غضب جناب فاطمہؑ مسلمہ و مشہور ہے۔ تو ان کے مقابلہ میں کسی مرسل یا منقطع یا مجہول الحال روایت کو پیش کرنا اہل علم کی دیانتداری کے خلاف ہے۔ رضامندی کی روایت جب نہ اہل سنت تسلیم کریں۔ اور نہ شیعہ کے ہاں مانی جائے۔ اس پر بحث ہی فضول ہے۔ میدان مجادلہ میں اس کا لانا ہی خلاف اصول حدیث ہے۔ اور ایسے شخص کو جو اس قسم کی روایات سے سلسلِ استدلال قائم کرنا چاہتا ہو۔ علماء حدیث کی مجلس میں بیٹھنا جرم عظیم ہے۔ علماء اہل سنت میں سے صرف مصنف تحقیق فدک کا ہی یہ خاصہ ہے۔ کہ اپنے مذہب کی صحاح احادیث پر تنقید اور جرح کریں جن کی تعدیل اہل علم کے نزدیک مسلمہ ہو۔ اور مخالف کی کتب سے ضعاف اور مجاہیل پیش کریں یہ کھلی عداوت اہل حق کے ساتھ

نہیں تو اور کیا ہے۔

فرزندانِ جناب امیرؑ کے اسماء سے استدلال مصنّف

سوال شیعہ حضرات ناراضگی کی روایت تو خوب مشہور کرتے ہیں۔ اور رضامندی کی حدیث کا نام لینا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ رضامندی حضرت فاطمہ علیہا السلام کتب شیعہ میں موجود ہے۔ یہ واقعہ بعینہٖ ایسا ہی ہے جیسا کہ شہدائے کربلا میں کچھ بزرگ ایسے بھی ہیں۔ جن کے نام خلفا ثلاثہ کے نام ہیں۔ اور وہ بزرگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ آپ کے ساتھ میں جام شہادت نوش کیا ہے۔ مگر شیعہ حضرات ان کا نام لینا گناہ کبیرہ جانتے ہیں۔ حالانکہ کتب شیعہ میں ان کے اسمائے گرامی شہدائے کربلا کی فہرست میں موجود ہیں۔" تحقیق فدک ص۲۶

جواب ع بریں عقل و دانش بباید گریست

حضرت بخاری صاحب قبلہ کے خیالات میں فضیلت ناموں پر ہوا کرتی ہے۔ کام خواہ کیسے ہی ہوں۔ معیار فضیلت قرار نہیں پا سکتے۔ آنجناب کا استدلال ہے۔ کہ اگر حضرت امیر علیہ السلام اصحاب ثلاثہ کے مخالف تھے تو اپنے بیٹوں کے نام ابوبکر۔ عمر۔ عثمان کیوں رکھتے۔ امام پاکستان ہو کر حضرت صاحب کو ایسی علمیانہ بات سے اجتناب کرنا واجب تھا۔ حالانکہ اس استدلال کی وقعت تار عنکبوت سے بھی کمزور ہے۔ ہم نے چونکہ حضرت مصنّف کی ہر بات کا جواب اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ لہٰذا اس حقیقت کا انکشاف بھی حاضر ہے۔

اگر جناب مصنّف صاحب کو اصحاب ثلاثہ سے دلی عقیدت تھی۔ اور ناموں کی وجہ سے ہی محبت کا اظہار ہو سکتا تھا۔ تو کیوں نہ اپنے فرزند ارجمند کا نام ابوبکر یا عمر اور عثمان رکھ کر محبت ثلاثہ کا مظاہرہ کر دیا معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت صاحب محض دکھاوا کرتے ہیں۔ اپنے بیٹوں کے نام تو اہل بیت کے ناموں پر قاسم و شبیر رکھے۔ اور دنیا کو ترغیب دیتے ہیں اصحاب ثلاثہ کے اسماء گرامی کی۔ یہ خوب محبت ہے۔ اگر واقعی ناموں سے محبت ٹپکتی ہے۔ تو حضرات اہل سنّت کو چاہئے۔ کہ عبدالرحمٰن نام نہ رکھا کریں۔ کیونکہ وہ آپ کے خلیفہ چہارم کا قاتل ہے۔ برخلاف اس کے دنیا میں آج کروڑوں عبدالرحمٰن موجود ہیں۔ اور اس قیاس کی بنا پر یہ سب لوگ۔ جن کے نام عبدالرحمٰن ہیں۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے قاتل کے محب ہیں

یزید جیسے فاسق ظالم کا نام کتاب ابن ماجہ کے مصنف کے دادا کا نام ہے۔ کیا ابن ماجہ کا دادا حضرت یزید کا محب ہے۔ آپ کے خلیفہ دوئم کا نام بھی عمر اور قاتل حسین و ابوجہل کا نام بھی عمر۔ حضرت نبی کریم کے والد بزرگوار کا نام بھی عبداللہ اور یزید کے گورنر کوفہ کا نام بھی عبداللہ۔ کیا ان تمام ناموں کے ایک ہونے سے محبت ٹھیک رہی ہے یا ان تمام لوگوں کی سیرت ایک جیسی ہو گئی۔ جناب والا ہمیں کاموں سے کام ہے ناموں سے نہیں۔ میں دوبارہ عرض کرتا ہوں۔ کہ اگر آپ کو حضرت معاویہ سے دلی عقیدت اور یزید جیسے فاسق سے اُنس ہے تو ضرور اپنی اولادوں کے نام معاویہ و یزید رکھ کر اظہار عقیدتمندی کر دیں۔ اور عقیدت بھلا ہو بھی کیوں نہ یہ دونوں بزرگ تو آپ کے پانچویں اور چھٹے خلیفہ اور امام ہیں۔ ملاحظہ ہو تاریخ الخلفا، شرح فقہ اکبر ۸۳ سیرۃ النبی جلد سوئم وغیرہ۔ باقی رہا آپ کا یہ اعتراض کہ شہدائے کربلا میں سے دوسروں کا نام لینا شیعہ گناہ خیال کرتے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قصور آپ کا ہے۔ ہمارے علما مجالس میں تمام شہدائے کربلا کا تذکرہ کرتے ہیں۔ چونکہ آپ اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہیں۔ لہٰذا آپ نے نہ سُنا اگر آپ بھی ہمارے ساتھ شریک عزا ہوتے۔ تو ضرور آپ ان بزرگوں کے نام سن لیتے۔ ہم تو اہل بیت کے غلاموں کا تذکرہ شہادت موجب نجات خیال کرتے ہیں۔ چہ جائیکہ فرزندانِ جناب امیرؑ کا ذکر خیر ہو۔ کتب مقاتل شیعہ میں ان حضرات کا ذکر خود آپ نے تسلیم کیا ہے۔

آپ بھی جواب دیں

جو الزام آپ نے ہم پر لگایا ہے خود آنجناب پر بھی وارد ہوتا ہے۔ جناب سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام تھے اور آپ کے نزدیک کلہم عادل اور پرہیزگار تھے۔ بعض مہاجر اور بعض انصار حسب عقیدہ اہلِ سنّت تمام صحابہ نے ایثار کیا۔ مال خرچ کئے آپ کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ کہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم" یعنی میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں۔ جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ گویا سب کے سب ہدایت کے مینار ہیں۔ باوجود ان تمام تفاصیل کے سنی ملاں اپنے مواعظ میں اصحاب ثلاثہ کے سوا کسی کا نام تک نہیں لیتے۔ بس ان ہی کی مدح سرائی رہتی ہے۔ کیا عدل و ایمان کا یہی تقاضا ہے۔ کیا باقی صحابہ نے جہاد اور ہجرتیں نہ کیں تھیں بیعت رضوان والے اصحاب اس لائق نہیں۔ جو ان کا ذکر برسر منبر کیا جائے۔ اگر ان تین حضرات سے کچھ بڑھے

تو معاویہ، مروان، ابوہریرہ وغیرہ کا ذکر خیر آجاتا ہے جن کی عداوت اولاد رسول کے ساتھ اظہر من الشمس ہے۔ کیا وہ صحابہ جنہوں نے تنازعات کے وقت اہل بیت نبوی کا ساتھ دیا مثلاً سلمانؓ ابوذر اور حضرت عمار رضوان اللہ علیہم وغیرہ محبت اولاد رسول کی وجہ سے خارج از صحابیت ہیں؟ اگر ایسا نہیں۔ تو آپ کیوں ان کا تذکرہ نہیں فرماتے۔ یا آپ کو خطرہ ہے۔ کہ ان بزرگوں کے تذکار سے کتاب حکومت سقیفہ کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ جو آپ کی سیاست کے خلاف ہے۔ اولاد رسول کے ایام ولادت وشہادت کا تذکرہ آپ کیوں نہیں فرماتے۔ اگر آپ فرمائیں کہ ہم کیا کرتے ہیں۔ تو ہمارا بھی یہی جواب ہے۔ کہ ہم ان تمام بزرگوں کا تذکرہ حسب مراتب رفیعہ ضرور کیا کرتے ہیں۔ اور عین ثواب خیال کرتے ہیں۔ جس کی آپ کو خبر نہیں ؎

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

بمقابلہ حدیث بخاری کوئی حدیث متعارض نہیں

سوال۔ صاحب فلک النجاۃ نے اپنی کتاب فلک النجاۃ کے صفحہ ۳۹۴ پر ناراضگی اور رضامندی کی روایات میں تعارض قائم کرکے رضامندی کو مرجوح اور ساقط عن الاعتبار کہا ہے۔ جو سراسر غلط ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ناراضگی اور رضامندی کے وقت علیحدہ علیحدہ ہیں۔ پہلے ناراضگی بعد میں رضامندی۔ اور جب تعارض ہی نہ رہا۔ تو وجوہ ترجیح کے بیان کی ضرورت نہ رہی۔ تحقیق فدک ص۳۷

جواب۔ تعارض کا لفظ لکھ کر قبلہ مجیب صاحب نے سینہ زوری کی ہے اگر علم حدیث سے شغف ہوتا تو ان روایات میں تعارض کا لفظ استعمال نہ کرتے۔ روایت رضامندی زہرا علیہا السلام مرویہ اہل سنت اور پیش کردہ روایت از کتب شیعہ روایت غضب زہرا علیہا السلام کے بالمقابل معارضہ کی صلاحیت ہرگز نہیں رکھتیں کیونکہ روایت رضامندی از کتب سنیہ مرسل ضعیف ہے اور ابن ہیثم والی مجہول السند ہے۔ تعارض تو تب ہوتا جب یہ دونو روایات بخاری ومسلم یا کتب اربعہ شیعہ میں ہوتیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت مصنف اپنی کتاب کے ص۲۹ پر خود مقر ہیں کہ معارضہ تو جب متحقق ہوتا ہے۔ جب دونوں احادیث صحت میں برابر ہوں۔

ایک اور توجیہ:۔ اگر بالفرض کافی شریف کی حدیث لم یورثوا کا مفہوم و مقصد وہی لیا جائے۔ جو مصنف تحقیق فدک نے خیال کیا ہے۔ اس سے ایک تو قرآن کا معارضہ ہوگا کیونکہ قرآن میں عام قاعدہ وراثت لفظ لکل جعلنا موالی سے ظاہر ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام اس عمومی قاعدۂ وراثت سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ سینکڑوں احادیث ائمہ علیہم السلام کا خلاف ہوگا۔ کیونکہ بے شمار احادیث ائمہ جو وراثت انبیاء پر دلالت کرتی ہیں۔ کتب شیعہ میں موجود ہیں کیا علم حدیث سے ذرہ بھر بھی خبر رکھنے والا گوارا کر سکتا ہے۔ کہ ایک خبر واحد کے ذریعہ قرآنی حکم کو منسوخ کر دے۔ یا بے شمار احادیث متعلقہ وراثت انبیاء کا تناقض اور مذہب مشہور اہل بیت سے مخالف کرے۔ ہرگز نہیں۔ مومن ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ مخالف اہل بیت کا ہی یہ حوصلہ ہے۔

ایک اور جواب:۔ نیز جن احادیث ائمہ کو اثبات توریث انبیاء کی تائید میں صاحب فلک النجاۃ نے پیش کیا ہے۔ اور حضرت مصنف تحقیق فدک نے بھی اپنی کتاب کے ص۲۸ و ص۲۹ پر ان کو نقل کر کے جرح کی ہے۔ اور ان کو مخالف قرآن ٹھہرایا ہے۔ وہ درحقیقت مفسر قرآن ہیں۔ اور مسئلہ وراثت انبیاء کا ان سے اثبات ہو رہا ہے۔ اور کافی کی حدیث حسب مزعومہ شاہ صاحب وراثت انبیاء کی نفی کر رہی ہے۔ لہٰذا بموجب اصول حدیث مسلمہ اہل سنت اور حسب فرمان مصنف تحقیق فدک مثبت کو نفی پر ترجیح ہو گی۔ چنانچہ حضرت بخاری صاحب اپنی کتاب تحقیق فدک کے ص۱۸۱ پر جواب پنجم کے تحت تحریر فرماتے ہیں "اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں میں تعارض فرض کر لیا جائے۔ کہ ایک سے خمس کا دینا اور دوسری سے خمس کا نہ دینا ثابت ہو۔ تو ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح دیں گے۔ اس لئے کہ وہ مثبت ہے۔ اور حضرت جبیر کی روایت نافی ہے۔ اور مثبت کو نافی پر ترجیح ہے۔" سچ ہے۔ ان اللہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر (بخاری)

لہٰذا ہم بھی بموجب فرمان حضرت شاہ صاحب کے مثبت کو نافی پر ترجیح دیتے ہیں من لا یحضرہ الفقیہ کی دونوں احادیث جن میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کو اپنے والد بزرگوار کا وارث ہونا لکھا ہے۔ عقیدۂ وراثت انبیاء کی مثبت ہیں۔ کیونکہ ان احادیث ائمہ نے جناب پیغمبر صلعم کی وراثت مالی کو ثابت کیا۔ اور کافی کی حدیث لم یورثوا تو حسب مفہوم شاہ صاحب عقیدۂ وراثت انبیاء کے نافی ہے۔ اور مثبت کو نافی پر ترجیح ہوگی۔ قرآن کے مخالف یہ احادیث ہرگز صحیح نہیں ہیں۔ البتہ حدیث لا نورث مندرجہ بخاری کا بطلان ان سے ظاہر

ہو جاتا ہے۔ درحقیقت جن احادیث ائمہ سے جناب زہرا کا حق ظاہر ہوتا ہو۔ حضرت شاہ صاحب انہی کو
مخالف قرآن خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ شاہ صاحب سید ہیں اور انہیں اچھی طرح پتہ ہے۔ کہ والدین کا مخالف
عاق ہوتا ہے۔ اور عاق شدہ جنت کی بو تک نہیں سونگھ سکتا۔ فتدبر۔

ابن ابی الحدید معتزلی کون تھا؟

سوال۔ ہبہ فدک کی روایت موضوع اور باطل ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کے خلاف ہے۔ اور صاحب
فلک النجاۃ کا ابن ابی الحدید کا سُنی عالم لکھنا سراسر کذب ہے۔ اور سفید جھوٹ ہے۔ وہ تو شیعہ ہے۔
اس کے شیعہ ہونے کی دلیل درکار ہو۔ تو اس کے قصائد سبعہ کہیں سے تلاش کر کے مطالعہ کر لو۔ ایران میں تو
کوئی شیعہ بھی ابن ابی الحدید کو سنی نہیں جانتا۔ ہر کوئی اس کو شیعہ جانتا ہے۔ حدیدی شرح نہج البلاغہ
کا جو نسخہ میرے سامنے ہے وہ مطبوعہ طہران ہے۔ اس کے پہلے ورق پر ابن ابی الحدید کا شیعہ ہونا لکھا
ہوا ہے۔ تحقیق فدک ص۴۲
جواب۔ ہم ابھی ابھی لکھ آئے ہیں۔ کہ جن روایات سے حقوقِ آلِ محمدؐ کی تائید ہوتی ہو۔ ان کو قبلہ شاہ
مخالف قرآن کہہ دیتے ہیں۔ دراصل یہ ان کا قصور نہیں۔ صدر اول سے ہی ان بیچاروں کو ایسا سبق پڑھا
حسبنا کتاب اللہ کا وظیفہ بتایا گیا ہے۔ کہ جب بھی سقیفائی اصولوں کا خلاف ہوتا دیکھو۔ فوراً کہہ دیا کرو
ہمیں کتاب کافی ہے۔ تفسیر کتاب کی ضرورت نہیں۔ چونکہ ہبہ فدک میں جناب زہرا علیہا السلام کا حق
طور پر لکھا ہے۔ لہٰذا اس کا جواب شاہ صاحب سے بن نہ آیا۔ تو مخالف قرآن اور موضوع لکھ دیا۔ جا
علماء متقدمین اہلِ تسنن نے ہبہ فدک کی روایات کو صحیح تسلیم کر کے جو ابات دیئے ہیں۔ ہم اس جگہ مناسب
خیال نہیں کرتے۔ ہبہ فدک کے بیان میں مفصل گفتگو ہو گی۔ باقی رہا ابن ابی الحدید معتزلی کی شیعت کا
تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ کہ جب کبھی یہ حضرات علماء حقہ امامیہ
اعتراضات و مطاعن کا جواب نہ دے سکے۔ تو اپنے علماء کی نسبت بدگمانی شروع کر دی۔ ان پر شیعت
الزام تراشا۔ اپنی کتابوں کو کذب و افتراء کا طومار کہہ کر جان چھڑائی۔ جیسا کہ ہم نے مقدمہ کتاب ہذا میں
امر پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ صاحب فلک النجاۃ پر جھوٹ کا الزام لگا کر حضرت مصنف نے اپنے تمام علماء
اہل سنت کے حق میں گستاخی کی اور ان تمام بزرگوں کو کاذب سمجھا۔ کیونکہ تمام علماء اہل حکومت معتزلی

حضرت مصنف تحقیق فدک نے تو ایک کتاب مسئلہ فدک پر تحریر فرما کر حضرت ابوبکر کی وکالت کی مگر معتزلی مذکور اپنی کتاب میں اصحاب ثلاثہ کے جمیع مطاعن کا رد کرتا ہے۔ اگر وہ شیعہ امامیہ یعنی حضرت امیر علیہ السلام کو خلیفہ بلا فصل اور اہل سقیفہ کو غاصب خلافت سمجھتا تو اس کو کیا ضرورت تھی۔ جو مطاعن ثلاثہ کا رد کرتا پھرے۔ مثال کے طور پر وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ کہ ابوبکر کا یہ گناہ بخشا جا سکتا۔ کیونکہ وہ درحقیقت بدنیت نہیں تھا۔ قصد احراق باب فاطمہ کا انکار اس وجہ سے کرتا ہے کہ عمر متقی تھا۔

[illegible] امامیہ حضرت عمر کو متقی خیال کرتا ہے۔ شرح نہج البلاغہ حدیدی پڑھنے سے پتہ چلتا ہے۔ [illegible] سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں بھی حضرات ثلاثہ کی خلافت کا تذکرہ آیا۔ [illegible] مسئلے [illegible] کی کوشش کی ہے۔ زیادہ لطف انگیز امر یہ ہے کہ [illegible] اس کو شیعہ [illegible] اسی مسئلہ پر وہ حضرت ابوبکر کا [illegible] ابن ابی الحد[illegible] فرق آپ میں [illegible] اور ابن [illegible] حضرت ابوبکر کا مرید [illegible] سمجھتا [illegible]

لکھتا ہے کہ شیعہ علماء کہتے ہیں سنی لوگ اصحاب ثلاثہ کی خلافت قیاس سے ثابت کرتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ کیونکہ اہل سنت کے بہت سے فرقے مثلاً معتزلہ فقہا بغدادیہ۔ ظاہریہ مثل داؤد ابن حزم وغیرہ کے اصحاب ثلاثہ کی امامت قیاس سے ثابت نہیں کرتے

مندرجہ بالا تحریر میں ہم نے تین شواہد ابن ابی الحدید معتزلی کے متعلق نقل کئے ہیں۔ کہ معتزلی مذکور سنی تھا۔ اور خلافت ابوبکر کا قائل تھا۔ بلکہ تمام معتزلیوں کا یہی مذہب ہے۔ سب سے پہلے تو خود اس کی کتاب اپنے مصنف کا مذہب ظاہر کر رہی ہے۔ اہل دیانت کے لئے تو اس کتاب کا مطالعہ ہی ثبوت کے لئے کافی تھا۔ تاہم دو اور جید علماء اہل سنت کی شہادتیں نقل کر دی گئی ہیں۔ جن کے سامنے حضرت شاہ صاحب کی تحقیق عشیر عشیر بھی نہیں ہے۔

چونکہ متعصب علماء اہل تسنن میں اہل بیت کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اور معتزلی مذکور قدردان اہل بیت تھا اس بنا پر اس کی زبان سے چند حقائق نکل گئے۔ لہٰذا شاہ صاحب نے گمان کر لیا۔ کہ وہ شیعہ امامیہ تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اگرچہ شیعوں کے کئی فرقے ہیں۔ مگر ہم اسی کو شیعہ مانتے ہیں۔ جو بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت علی علیہ السلام کو وارث منبر اور خلیفہ بلافصل سمجھے۔ اور سلسلہ امامت وخلافت کا آئمہ اثنا عشر اہل بیت میں قرار دے پس ایسے شخص کے سوا جو شخص بھی اپنے آپ کو شیعۂ علیؑ کہلوائے محض لاف زنی ہوگی۔ خواہ وہ شخص تفضیلی ہو۔ زیدیہ ہو یا سنی ہو۔ اگر محض ان گمراہ کن اعتقادات سے انسان شیعۂ علیؑ کہلوا سکتا ہے تو آپ کا جو تھا موجد مذہب امام شافعی سب سے زیادہ محب علیؑ اور شیعۂ اہل بیت کہلوانے کا حق دار ہے کیونکہ اس نے ایک شعر کہا ہے۔

۵۔ مات شافعی ولیس یدری۔ علیاً ربہ ام ربہ اللہ"۔ یعنی شافعی مر گیا۔ اور اس کو یہ پتہ نہ چلا کہ علیؑ اس کا رب ہے یا اللہ۔ اگر واقعی شافعی کا یہ اعتقاد ہے۔ تو آپ کے نزدیک تو وہ شیعہ ہوگا۔ مگر ہم اسے مشرک خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص خالق ومخلوق میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس کے اسلام پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے۔

تفضیلی کی امامت جائز ہے

ماسوائے معتزلہ فرقہ کے اہل سنت کے ہاں چند اور فرقے ہیں۔ جو تفضیل علیؑ کے قائل ہیں۔ اسی واسطے تو علماء

اہل سنت ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ آپ کے ساتھ مسلک امامت میں متفق ہیں۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز دہلوی فتاوی عزیزیہ صـــ۱۹۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ تفضیلی سنیوں کی امامت جائز ہے۔ اور شیعہ لوگوں کے پیچھے آپ نماز پڑھنا گوارا نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ لوگ منکر امامتِ ابوبکر ہیں۔ شیعہ وسنی کے درمیان ہم نے ایک امتیازی نشان قائم کر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو شخص بعد رسولؐ خلافتِ رسولؐ کا حقدار ابوبکر کو سمجھے وہ در اصل سنی ہے۔ خواہ وہ معتزلی ہو بریلوی یا دیوبندی ہو اور اہل حدیث ہو۔ اور جو شخص حضرت امیر علیہ السلام کی خلافت بلافصل کے ساتھ ساتھ اہل بیت کے باقی گیارہ اماموں کی بھی امامت وخلافت کا قائل ہو۔ وہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہے پس ایسے انسان کا لکھنا ہمارے لئے دلیل ہو سکتا ہے۔ مگر پھر بھی اس کا انفرادی قول برخلاف مشہور وجمہور کے قابلِ جرح ہوگا۔

ناظرین حضرات کی خدمتِ عالیہ میں التماس ہے۔ کہ ابن ابی الحدید کی سنیت ہم نے بدلائل قاہرہ خود مصنف تحقیق فدک کے مسلمات نقلیہ وعقلیہ سے ثابت کر دی ہے۔ جہاں کہیں بھی معتزلی مذکور کا قول ہماری کتاب میں بطور الزام نقل ہوگا۔ یا کوئی اور شیعہ مصنف اس کے اعتقاد کو بطور حجت تحریر کرے تو حق ہوگا آپ کو چاہیئے کہ ابن ابی الحدید معتزلی کو معتزلی سنی خیال فرمائیں۔ شاہ صاحب تو مانیں گے نہیں۔ کیونکہ وہ دیوبندی جماعت سے متعلق ہیں۔ اور تمام بریلوی علماء اہل سنت کو شیعہ خیال کرتے ہیں۔ ان کا تو شیعیت سے دور کا لگاؤ بھی نہیں۔ آئندہ انشاء اللہ زہری کے بیان میں ہم تفصیلاً عرض کریں گے۔ کہ کیا اہل سنت کے اصولِ حدیث کے لحاظ سے شیعہ ہونا قابل جرح ہے یا نہیں۔

شرح حدیدی سے استدلال

تیسری دلیل کے ضمن میں شرح نہج البلاغہ حدیدی جلد ۱ جزو ہفتم صـــ۲۹۳ سے شاہ صاحب نے ایک روایت لکھی ہے۔ اور عدم دیانت کا استدلال کیا ہے۔ ہم ابھی ابھی ابن ابی الحدید کو دلیل تلاثہ شواہد اہل سنت سے ثابت کر چکے ہیں۔ ازروئے اصول رواداری ہم پر جواب دینا واجب تو نہیں۔ مگر شاہ صاحب چونکہ معتزلی مذکور کو شیعہ کہہ چکے ہیں۔ لہٰذا ہم جواب دے کر اس روایت کے متن سے ہی اس کا موضوع ہونا ظاہر کئے دیتے ہیں۔ عبارت کا صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے۔

جب حضرت علی علیہ السلام اس جہان سے روانہ ہو گئے۔ تو آپ کا بیٹا محمد اپنے دونوں

بھائیوں حسن و حسین علیہم السلام کے پاس آیا اور کہا میں آپ کی میراث مجھے دو۔ حسنین شریفین نے کہا۔ کہ تیرے باپ نے سونا چھوڑا نہ چاندی۔ پس محمد ابن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اس بات کو تو میں جانتا ہوں۔ اور مال کا میراث میں طلب نہیں کرتا۔ میں تو صرف علم کی میراث طلب کرتا ہوں۔
تحقیق فدک ص۱۲

سوال۔ الفاظ مندرجہ بالا سے مصنف نے دو مسائل کا استنباط کیا ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سب کچھ راہ خدا میں وقف کر دیا۔ اور دوسرا یہ کہ یہ تینوں بزرگ اہل لسان تھے۔ حضرات حسنین علیہما السلام نے جب محمد ابن حنفیہ سے مذکورہ بالا بات سنی تو ان دونوں کا ذہن فوراً وراثت مال کی طرف منتقل ہوا۔ اور حضرت ابن حنفیہ نے لفظ وراثت سے وراثت علم مراد لی۔ جس سے پتہ چلا کہ لفظ وراثت دونوں معانی میں مشترک ہے۔ حقیقت و مجاز نہیں۔

جواب۔ حضرات امامین یعنی حسنین علیہما السلام کا لفظ وراثت سے وراثت مال مراد لینا ہی ہمارے دعویٰ کی تائید ہے۔ اور دعویٰ جناب زہرا علیہا السلام کی بھی بیّن دلیل ہے۔ کہ جناب معصومہ نے آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہوئے وراثت سے انبیاء کی وراثت مالی ہی مراد لی ہے۔ ان دونوں معصومین نے ترجمان وحی کی آغوشِ مبارک میں لعابِ دہن چُوس کر علمِ شریعت و عموم و خصوص قرآنیہ اور مفہومِ میراث سیکھا تھا۔ مزید برآں خاتونِ جنت جیسی معظمہ ماں اور بتول و طاہرہ بی بی کا پاکیزہ شیر نصیب ہوا تھا۔ باپ مدینۃ العلم کی تربیت سونے پر سہاگہ تھی۔ اگرچہ حضرت محمد ابن حنفیہ قائل سلونی کا ہی فرزند تھا۔ اور بدرجہ اتم کمالاتِ روحانی کا مالک تھا۔ مگر حضرات حسنینؑ کے مقابلہ میں اپنے کمالات کا اظہار نہیں کر سکتے کسی لفظ کا معنیٰ اس کے متعلقہ قرائن کے لحاظ سے سمجھ میں آ سکتا ہے فضیلتِ علم کے بیان میں وراثت کا مفہوم علمی وراثت ہو گا۔ مگر جب کسی مال کا مطالبہ اور ذکر ہو گا۔ وہاں وراثتِ مال کا مفہوم لیا جائیگا۔ جیسا کہ خود بی بی عالیہ نے جائداد کا مطالبہ کرتے ہوئے انبیاء کی وراثت کا مفہوم مالی وراثت ہی لیا تھا۔ اور حضرات حسنین علیہما السلام نے فوراً اپنے بھائی کے مطالبۂ ارث پر وراثتِ مال کا ہی مفہوم سمجھا۔ لہٰذا جن قرائن کا ذکر ہو گا۔ اسی کے ماتحت اس لفظ کا مطلب ہو گا۔ مثال کے طور پر ایک لفظ عالم ہے۔ اس کا اطلاق آپ پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور نبی و امام پر بھی۔ خداوند کریم بھی عالم ہے۔ کیا کوئی عقلمند ان تینوں مقامات پر عالم اور علم کا مفہوم ایک ہی تصور کریگا۔ ہرگز نہیں

جب آپ لفظ عالم بولا جائے گا۔ تو سمجھنے والا سمجھ لیگا۔ کہ آپ صاحب صرف مسئلہ فدک کی علمی تحقیقات کے عالم ہیں۔ اور جب نبی و امام پر اطلاق ہوگا۔ تو مفہوم یہ ہوگا۔ کہ علم نبوت و رسالت کے عالم ہیں۔ اور جب خالق کائنات کے علم کا سوال ہوگا۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم خواہ حاضر ہو یا پوشیدہ سب اس کو معلوم ہے۔ جتنی کسی شخص کی وسعت ہوگی اتنا ہی اس کے علم کا دائرہ وسیع ہوتا جائیگا۔

نیز ہم کب کہتے ہیں۔ کہ لفظ وراثت سے علم مُراد نہیں ہوتا۔ ہم تو دونوں معانی مراد لیکر اہل بیت عظام کو جناب پیغمبر کائنات کی علمی وراثت کا بحیثیت نائب رسالت ہونے کے اور مالی وراثت کا بحیثیت اولاد و اقرب ہونے کے بموجب قاعدہ قرآنی وارث اور حقدار سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان دونوں وراثتوں کا حقدار سوائے اہل بیت کے اور کوئی نہیں۔ منبر جناب علی المرتضیٰ کا تھا۔ اور جائداد جناب زہرا علیہا السلام کی۔ بس جھگڑا ختم ہوگیا۔

روایت حدیدی کا کھوکھلا پن روایت مذکورہ کے آخری الفاظ میں جناب محمد ابن حنفیہ کا اقرار کہ میں وراثت مال تو طلب نہیں کر رہا۔ کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ میرے باپ نے سونا چاندی نہیں چھوڑا میں علمی وراثت کی تقسیم چاہتا ہوں۔ روایت کے سُقم اور وضعیّت کو ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ تقسیم ہمیشہ وراثتِ مال ہوا کرتی ہے۔ علمی وراثت کے تقسیم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ علم ہمیشہ اپنے ذاتی کسب پر حاصل ہوتا ہے۔ یا پھر خدا کے مصطفےٰ بندوں کو خزانۂ غیب سے ملتا ہے۔ ایسا علم بطریق حصص تقسیم اولاد یا اقربا میں نہیں ہوتا۔ بلکہ خاص منتخب انسان کو دیا جاتا ہے۔ نبی یا امام جس کو اس قابل سمجھے عنایت کرتا ہے۔ میرے خیال میں ایسی خلاف عقل گفتگو جناب محمد ابن حنفیہ۔ کے ذہن مبارک سے نہیں نکل سکتی۔ آخر وہ بھی تو مدینۃ العلم کے باب کا فرزندِ ارجمند تھا۔ معمولی انسان نہیں تھا۔ اپنے کسبی علوم و فیوض کی بنا پر اعلم امت تھا۔ ان کو یہ مطالبہ زیب نہیں دیتا۔ یہ بعد میں یار لوگوں کی اپنے عقائد کی تائید میں زیادت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ عارفانِ حقوقِ خاندان رسالت ایسے واہی خیالات سے منزہ و مبرا ہیں۔

دُوسرا استدلال وکشفِ علمی ہیں۔ باقی رہا حضرت امیر علیہ السلام کا سونا چاندی نہ

چھوڑتا۔ جناب مصنف تحقیق فدک نے اس فقرہ کا قیاس بخاری کی حدیث لا نورث ما ترکناہ صدقہ پر کیا ہے۔ ان کا گمان ہے۔ کہ جس طرح نبی کریم نے جائداد وقف کر دی حضرت علی علیہ السلام نے بھی تمام جائداد راہ خدا میں وقف کر دی۔ اور اولاد کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے نہ ہی آنحضرت نے تمام جائداد وقف کی۔ اور نہ ہی حضرت امیر علیہ السلام نے۔ یہ محض علی المعصوم ہے۔ روایت بالا کے الفاظ تو بتاتے ہیں۔ کہ حضرت امیرؑ نے سونا چاندی نہیں چھوڑا۔ مگر شاہ صاحب سونا چاندی سے جائداد اراضیات مراد لے رہے ہیں۔ حضرات اہل بیت سونا چاندی جمع نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ جو وقتی طور پر آیا اپنی احتیاج پر مساکین کی احتیاج کو مقدم رکھتے ہوئے تقسیم کر دیا۔ کیونکہ قرآن کریم میں صاف حکم موجود ہے۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ فبشرھم بعذاب الیم۔ یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں۔ ان کو عذاب الیم کی خوشخبری دے۔ لھذا اہل بیت نے سونا چاندی جمع نہیں کیا۔ اور جب جمع نہیں تھا۔ تو مرتے وقت چھوڑا بھی نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ان حضرات نے اپنی اراضیات بھی نہیں چھوڑیں۔ میرے خیال میں مصنف صاحب نے حضرت امیر علیہ السلام کو نبی سمجھ کر قرآن کے عمومی قاعدہ وراثت سے خارج کر دیا ہے کیونکہ

تمام جائداد کا وقف کرنا بزعم اہل سنت انبیاء کی خاصیت ہے۔ اور جب نبی کے ساتھ غیر نبی اپنی تمام جائداد وقف کر کے اس خصوصیت میں شامل ہو گیا۔ تو خصوصیت انبیا نہ رہی۔ اور اگر خصوصیت اپنے مقام پر قائم ہے۔ تو یہ عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے۔ جیسا کہ چار سے زائد نکاح کرنا نبی کی خصوصیت ہے۔ امت کا آدمی اگر کرے تو ناجائز ہو گا۔ اسی طرح حدیث لا نورث کے مطابق انبیاء کی املاک کا وقف عام ہونا خصوصیت ہے۔ اگر غیر نبی ایسا کرے تو درست نہ ہو گا۔ اب نتیجہ یہ برآمد ہوا۔ کہ نبی کریم نے تمام جائدادیں وقف کیں اور نہ اہل بیت نے اور جن اوقاف کا تذکرہ کتب میں موجود ہے۔ وہ وقف علی الاولاد ہیں۔ نہ کہ وقف عام جیسا کہ فدک وقف علی الفاطمہ ہے۔

فدک جناب فاطمہؑ اور آپکی اولاد پر وقف ہے

بعقیدہ اہل سنت جناب پیغمبر اسلام کا متروکہ وقف قرار پایا۔ اور اس میں قاعدہ وراثت جاری نہیں ہو گا۔ اگر حضرات اہل سنت و جناب مصنف تحقیق فدک اسی امر پر بضد ہیں تو بلا شک سہی۔ ہم اہل سنت کی کتب سے یہی موضوع فدک جس کا تنازعہ آج تک چلا آرہا ہے

خود جناب سرور کائنات کا اپنی حیات میں اپنی بیٹی جناب زہراؑ پر وقف خاص کر دینا پیش کرتے ہیں، لہٰذا اس بنا پر بھی حضرت ابوبکر فدک نہیں لے سکتا تھا۔ نگاہ نبوت چونکہ مستقبل کے آئینہ میں ملاحظہ فرما رہی تھی۔ کہ میری وراثت پر تنازعہ ہوگا۔ اور میری اولاد کو محروم الارث کر دیا جائیگا۔ لہٰذا حفظ ما تقدم اور اتمام حجت کے لئے موضع فدک کو وقف خاص اپنی بیٹی کے نام فرما کر بحث کے سارے پہلوؤں کو بند کر دیا، چنانچہ بغرض اطمینان ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ عبدالعزیز دہلوی مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۱۴۲ و سرور عزیزی جلد ۱ ص۲۳۹ میں مندرجہ ذیل عبارت منقول ہے۔ اور اس کا ماخذ مدارج النبوۃ ہے۔

وقف محمد ابن عبد اللّٰہ بن عبد المطلب بن هاشم هذه القرية المملوكة (فدک) بحدودها على فاطمة وقفا محرمًا على غيرها مؤبدا عليها ومن بعدها على ذريتها فمن بدله بعد ما سمعه فانما اثمه على الذين يبدلونه ان اللّٰه سميع عليم ترجمہ محمد ابن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم نے اس بستی فدک اپنی مملوکہ کو بجمیع حدود کے فاطمہ پر ایسا وقف فرمایا۔ کہ ان کے بغیر دوسروں پر حرام ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور اسی طرح بعد ان کی وفات کے اولاد فاطمہؑ پر وقف ہے۔ اور جس نے بعد سن لینے کے تبدیل کیا پس گناہ فقط انہی پر ہے جو تبدیل کرتے ہیں۔ اللہ سننے اور جاننے والا ہے"

ناظرین کی خدمت میں التماس ہے، کہ کیا اب بھی وراثت کے مسائل کی الجھن میں پڑنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے۔ چونکہ پیغمبر کو پتہ تھا۔ کہ میرے بعد ایک گروہ ہوگا۔ جو میرے منصب رسالت کو میری ذاتی زندگی سے علیحدہ سمجھے گا۔ اسی واسطے بجائے لفظ رسول اللہ کے تعارف کے لیئے اسم مبارک اور باپ دادا کے نام سے وثیقہ تحریر فرمایا تاکہ منکرین وراثت انبیاء کے تمام شبہات کا قلع قمع ہو جائے۔ اور یہ وثیقہ وہی ہے۔ جو جناب زہراؑ نے بعد اپنے بابا کی وفات کے پیش کیا۔ اور قبول نہ ہوا۔ یہ ساری تفصیل مدارج النبوۃ میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ مدارج النبوۃ معمولی کتاب نہیں ہے سیرت کی بہترین کتاب ہے۔ عجالہ نافعہ میں محدث دہلوی نے اس کی توثیق کی ہے۔ اور شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج میں اس سے سند لی ہے۔ اوقاف کا تفصیلی جواب باب اوقاف اہلبیت میں دیا جائیگا۔

مصنف کا التماس شیعہ علماء کی خدمت میں

سوال۔ علماء شیعہ کی خدمت میں بعد ادب گذارش ہے کہ یہاں غاصب میراث

کی توہین کریں۔ اور بقائمی ہوش وحواس جواب دیں۔ کہ اولادِ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو میراثِ علیؑ سے کس نے محروم کیا۔ ابوبکر و عمر تو اس وقت قبروں میں تھے۔ حکومت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تھی۔ تعجب یہ ہے کہ اس محرومی ارث پر کوئی شیعہ اعتراض نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کوئی محبِ اہل بیت اشکبار ہوتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کی یہ کارروائی اسی اصل کی فروعات میں سے ہے۔ جس کی فروع میں سے حضرت ابوبکر کی کارروائی ہے۔ جس چشمہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیراب ہوئے۔ اسی چشمہ آبِ حیات سے حضرت علی المرتضیٰ نے زندگی حاصل کی۔ تحقیق فدک ص۴۳

جواب۔ حضرت مصنّف نے بڑی جرأت کے ساتھ علمائے شیعہ کو چیلنج دیا ہے۔ شاہ صاحب کو یہ معلوم نہیں۔ کہ علمائے شیعہ فضول باتوں کا جواب دینا توہین اور تضیعِ اوقات خیال کرتے ہیں۔ اگر خواہ مخواہ آپ جواب لینے پر رضامند ہی ہیں۔ تو لیجئے علمائے شیعہ کا ادنیٰ خدمتگار حاضر ہے۔

جناب والا! غاصب تو وہ ہوتا ہے جو غیر کے حقوق کو دبا لے۔ جیسا کہ آپ کے مرشدِ اول نے اہلِ بیت کے حقوق دبا لئے۔ اگر حضرت علی علیہ السلام نے تمام جائداد وقف کر بھی دی۔ تو آپ کا مقصد بر آ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ باپ اپنی زندگی میں جو کچھ کر سکتا ہے۔ اس کو شرعی اختیار ہے۔ اولاد کی محرومی کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ تاہم حضرت امیرؑ نے اپنے اوقاف کا متولی اپنی اولاد کو ہی بنایا۔ جیسا کہ ہم آئندہ وقف کے باب میں ذکر کریں گے۔ کیا ایسا کرنے سے اولادِ جناب امیر علیہ السلام کی محروم ہو گئی؟ ہرگز نہیں۔

حضرت ابوبکر و عمر اگرچہ قبروں میں تھے۔ مگر ان کے نمک خوار اس وقت بھی موجود تھے۔ جنہوں نے اسی طرح محروم الارث رکھا جس طرح حضرت اوّل نے کیا تھا۔ فدک بھی نہ دیا۔ اور تحنت خلافت بھی اپنے پاس رکھا۔ خدا بھلا کرے عمر بن عبدالعزیز کا کہ اس نے فدک اولادِ فاطمہ کو دے کر سنیّت کے بنے بنائے ڈھول کے پول کو ظاہر کر دیا۔ مگر بعد میں آپ کے مرشد پھر قابض ہو گئے اور پھر وہی محرومی جو پہلے تھی۔ اور اب جبکہ وہ بزرگ نہیں رہے۔ آپ ان کے قائم مقام ہو کر اہلِ بیت نبوی کو محروم الارث قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ آپ ان کی اولاد میں سے بھی ہیں۔ جناب عالی ہم کیسے اعتراض کریں۔ امامت اور نبوت کے فعل پر اعتراض کرنے والا تو اسلام سے دور ہو جاتا ہے۔ ہمیں تو اپنے ایمان کی ضرورت ہے۔ دربارِ نبوی یا امامت میں اعتراض کر کے گستاخی کرنا آپ کی یا آپ کے پیروں کی

جرأت ہوگی۔ اور یہاں تو قابل اعتراض بات ہی نہیں۔ کیونکہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنی اولاد کو محروم نہیں کیا۔ باقی رہا محبِ اہل بیت کا اشکبار ہونا۔ واقعی جو محب اہل بیت ہے وہ خاتونِ معظمہ کی محرومی پر ضرور اشکبار ہوتا ہے۔ اور آپ کو تو ضرور رونے سے خار ہے۔ کیونکہ مصائبِ اہل بیت پر رونے سے آپ کے مرشدانِ باصفا یعنی کارکنانِ سقیفہ کے مظالم طشت از بام ہوتے ہیں۔ اسی لئے آپ گریہ بر مصائب اہلِ بیت گناہ خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے مرشدِ طریقت امام غزالی نے تو فتویٰ دے دیا۔ کہ مصائب اہل بیت بیان کرنا اور سننا ہمارے لئے حرام ہے۔ کیونکہ ان کی وجہ سے بغضِ صحابہ پیدا ہوتا ہے۔ صواعقِ محرقہ ابنِ حجر مکی مطبوعہ مصر صفحہ ۱۹۷۔ آپ کا یہ فرمانا کہ حضرت ابوبکر و حضرت علی ایک ہی چشمہ سے سیراب ہوئے تھے۔ بے شک درست ہے۔ مگر آپ یہ ارشاد فرمائیں۔ کہ جب دونوں بزرگوار اخذِ فیض میں برابر تھے۔ تو جس طرح حضرت علی علیہ السّلام نے مطابق آپ کے فرمان کے تمام جائداد متابعتِ رسول میں وقف عام کر دی۔ کیا حضرت ابوبکر نے بھی حضرت رسولؐ و مسلکِ اہل بیت کے مطابق اپنی تمام جائداد وقف کر دی تھی۔ اگر درست ہے تو بے شک آپ کا فرمان درست ہوا۔ لیکن ہم تو نہیں مانتے جو اس بزرگ نے وقف کیا ہو۔ کیونکہ جب انکارِ عطائیگی وراثت پر جناب زہرا علیہا السلام نے فرمایا۔ کہ اے ابوبکر تیرا کون وارث ہوگا تو اس وقت ابوبکر نے کہا کہ میری اولاد (ترمذی) اگر آپ کا مرشد چشمۂ نبوت سے سیراب ہوا ہوتا۔ تو ضرور کہتا۔ کہ اے بی بی عالیہ آپ گھبرائیں نہیں۔ جس طرح آپ کے باپ نے جائداد وقف کر دی ہے۔ میں نے بھی ایسا کیا ہے۔ مگر ایسا نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ حضرت ابوبکر نے بعض اوقاف کئے تو ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ اہل بیت نے بعض قطعات وقف کئے ہوں گے مگر اس لحاظ سے نہیں کہ ان کا عقیدہ عدمِ وراثت کا تھا۔ کیونکہ یہ بزرگوار نبی نہیں تھے۔ اور عدمِ وراثت انبیاء بعقیدہ اہلِ سنت خاصہ انبیاء ہے۔

جنابِ مصنّف کی پھر سینہ زوری

چوتھی دلیل کے ماتحت اسی شرح حدیدی سے ایک اور روایت نقل کرتے ہیں جس کو ہم پہلے ثلاثہ کا غلام ثابت کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت ہمارے سامنے الزامی طور پر پیش نہیں کی جا سکتی۔ "حضرت فاطمہ علیہا السلام اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا۔ اے بابا یہ دونوں بیٹے آپ کے ہیں انہیں کسی چیز کا وارث بنا دیجئے۔ جناب پیغمبر کائنات نے ارشاد فرمایا۔ کہ حسن کے لئے میری دہشت اور حسین کے لئے میری دلیری اور سخاوت

ہے" تحقیق فدک ص۴۳
روایت بالا کے اندراج سے حضرت شاہ صاحب کا استدلال یہ ہے کہ اگر آنحضورؐ کے پاس کوئی دنیاوی چیز ہوتی تو ضرور حسنین کو دیتے۔ چونکہ پیغمبر نے اپنا ترکہ وقف کر دیا تھا۔ اس لئے سفارش بھی کارگر نہ ہو سکی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ حسنین میرے اخلاق کے وارث ہیں۔ ع
اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سُوجھی

جواب - خدا جانے شاہ صاحب مخالفتِ اہلِ بیت میں کہاں تک ٹھوکریں کھائیں گے۔ تاریکیٔ ضلالت میں اتنے گم ہو چکے ہیں۔ کہ اب نکلنا دشوار نظر آتا ہے۔ ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔

بفرضِ تسلیم اگر روایتِ بالا کے مضمون کی تائید کتبِ شیعہ میں بھی ہو۔ اس کا مقصد یہ ہوگا۔ کہ جناب فاطمۃ الزہراؑ خوب جانتی تھیں۔ کہ میرے بیٹے بموجب قاعدہ وراثتِ شرعیہ میری موجودگی میں پیغمبر صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ مالی کے وارث نہیں۔ دخترِ رسولؐ کا مقصد بھی یہ نہیں تھا۔ کہ میرے بیٹوں کو ترکۂ پیغمبر سے کوئی چیز ملے۔ بلکہ سفارش تو اس امر کی تھی۔ کہ آپ انہیں اخلاقِ نبوت میں سے کوئی چیز عنایت فرمائیں۔ ہمارے اس دعویٰ کی تائید خود اسی روایت کے الفاظ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ جناب فاطمۃ علیہا السلام کی مراد اگر ترکہ مالی سے ہوتی۔ تو اسی وقت جناب پیغمبر ارشاد فرمادیتے۔ کہ بیٹی میرا ترکہ تو صدقہ ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ بھی میری وارث نہیں ہو سکتیں۔ مگر ایسا نہیں جناب پیغمبر اسلام نے فوراً مطالبہ وسفارش دختر پر سمجھ لیا۔ کہ یہ مطالبہ اخلاقِ نبوت پر مبنی ہے۔ اسی واسطے فرمادیا۔ کہ حسنؑ کو میری سرداری اور حسینؑ کو میری سخاوت مبارک ہو۔ علم واخلاق کے ورثہ کے لئے اقرب کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ ان چیزوں کے لئے تربیتی ماحول۔ فطری استعداد اور اصطفائے خداوندی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لطف انگیز امر یہ ہے۔ کہ خود پیغمبرؐ ابھی زندہ ہے۔ اور وراثتِ مالی موت کو چاہتی ہے۔ جیسا کہ خود مصنف تحقیق نے ص۱۳۹ پر تردید ہی کرتے ہوئے اقرار کیا ہے۔
ان تمام مذکورہ بالا امکانات کے باوجود کیا جناب زہراؑ جیسی عالمہ قرآن بی بی سے ممکن ہے کہ وہ ترکۂ مالی کا مطالبہ کرے۔ حالانکہ جناب زہرا علیہا السلام اپنے والد بزرگوار کے گھر سے خوب واقف تھیں۔ کہ میرے بابؐ کے پاس کچھ ہے یا نہیں۔ جائدادِ پیغمبر میں سے بطور ورثہ مالی طلب کرنا حضرت زہراؑ سے

سے ناممکن ہے۔ کیونکہ قرآن کے قاعدہ عمومی سے خوب واقف تھیں۔ نیز پیغمبر پاک ابھی حیات میں تھے۔ مورث کی زندگی میں مالی ورثہ کے طلب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ جو کچھ بی بی عالیہ نے طلب کیا۔ وہ آنحضرت نے عنایت فرما دیا۔

نیز عبارت پیش کردہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جناب پیغمبر اسلام نے سب کچھ راہ خدا میں وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب کا بھی یہی استدلال ہے۔ کہ آنحضرت کے پاس کوئی دنیاوی چیز نہ تھی۔ ملاحظہ ہو تحقیق فدک ص۲۲۔ اہل سنت حضرات کی اس عجیب منطق کا ہمیں علم نہیں کبھی تو بیان کرتے ہیں۔ کہ اموالِ پیغمبراں اُن کے فوت ہونے کے بعد صدقہ قرار پاتے ہیں۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث "ما ترکناہ صدقۃ" یعنی جو چیز ہم چھوڑ جائیں۔ صدقہ ہو جاتی ہے" سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ بزرگ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ پیغمبرؐ نے اپنی زندگی میں سب کچھ وقف کر دیا۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ یہ دونوں متضاد امر ہیں۔ اور ان دونوں قسم کے عقائد کے مخترعین کا سفید جھوٹ طشت از بام ہو رہا ہے۔ ہم شاہ صاحب کے عقیدہ کو لیتے ہیں۔ کیونکہ ہم انہی کا جواب لکھ رہے ہیں۔ باقی لوگوں سے ہمیں کیا واسطہ جو کچھ ان کی مرضی ہو کہتے پھریں۔ آنجناب کا استدلال ہے۔ کہ جناب پیغمبر نے سب کچھ وقف کر دیا۔ کیا ان اوقاف کے وقت جناب زہراؑ موجود نہ تھیں۔ کیا وہ املاک اور زمینیں جن کا ذکر نووی نے شرح مسلم میں کیا ہے۔ اور ہم بھی لکھ چکے ہیں جب وقف عام پیغمبر فرما رہا ہوگا۔ آخر بیٹی بھی موجود ہوگی۔ اگر قول سے پیغمبرؐ نے عقیدہ عدم وراثت انبیاء کا بیان نہیں فرمایا تھا۔ مگر اپنے عمل سے تو واضح کر دیا۔ کیا ان تمام حقائق کو پسِ پشت ڈال کر جناب زہراؑ نے خلاف اپنے باپ کی سنت کے حسب تصریح بخاری و مسلم مطالبہ وراثت کر دیا۔ کیا پیغمبرؐ نے اپنی جائدادوں کو وقف قرار دیکر قول و فعل سے عقیدہ وراثت انبیاء کی تردید نہ کر دی تھی۔ جیسا کہ آپ کا عقیدہ ظاہر ہے۔ ان تمام اظہر من الشمس واقعات کو پیغمبر کی اکلوتی بیٹی کیوں جلدی بھول گئی۔ ابھی تو اپنے پدر بزرگوار کا کفن بھی میلا نہ ہوا تھا۔

اگر آپ غصب زہراؑ تسلیم نہ بھی کریں تب بھی مطالبۂ ارث جناب زہرا علیہا السلام کا برقرار ہے آپ معصومہ کا دعویٰ و مطالبہ کرنا ہی اہل ایمان کے لئے کافی ہے۔ کہ اموالِ پیغمبراں کا وارث ضرور ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ خود بی بی عالیہ نے مطالبہ کرکے مخالفین کے جعلی عقیدے کی تردید کر دی۔

حضرت فاطمہ کے سوا کوئی وارث تھا

ایک حدیث من لا یحضر الفقیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ سے نقل کر کے مصنف نے استدلال کیا ہے کہ شیعہ کے ہاں فقط جناب فاطمہ علیہا السلام وارث تھیں نہ علی اور عباس نہ بیوی بھی وارث نہیں ہوئی ایہ مخالف قرآن ہے۔ حدیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"فضیل بن یسار کہتا ہے میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے سنا۔ آپ فرماتے تھے۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حضرت فاطمہؑ کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہوا۔ عباس نہ علی نہ کوئی اور وارث۔

جواب - اہل بیتؑ کے مذہب کے مطابق بالاتفاق نبیؐ کے غیر منقولہ مملوکہ ترکہ کی وارث صرف حضرت زہراؑ ہی تھیں۔ ہمارے نزدیک قرآن کے عموم و خصوص کے بہتر جاننے والے ساری امتِ اسلامیہ سے ائمہ اہل بیت تھے۔ آخر قرآنِ پاک کی وہ آیت جس میں ازواج کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ ائمہ اہل بیت کو معلوم تھی۔ یہی لوگ راسخون فی العلم تھے۔ سب دنیا کے مقابلہ میں بموجب حدیثِ ثقلین کے تفسیر ائمہ اہل بیت ہی زیادہ مستند اور مقبول ہے۔ جب مذہب اہل بیت میں ثابت اور مشہور ہے کہ جناب نبیؐ کی وارث صرف حضرت زہراؑ ہی تھیں۔ تو آپ کا قرآن کی طرف اہل بیت نبوی کو توجہ دلانا لغو اور باطل ہے۔ آپ نے تو حدیث مذکورہ کو خلاف قرآن قرار دے کر مذاق اڑانے کی کوشش فرمائی ہے۔ مگر درحقیقت یہ حدیث آیہ مبارکہ وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون کی مبیّن اور مفسّر ہے۔ قرآن نے ثابت کر دیا۔ کہ والدین کے ترکہ میں عورتوں کا یعنی بیٹیوں کا حصہ ہے۔ اور اس حدیث مرویہ اہل بیت نے تفصیل اور توضیح کر دی۔ کہ جناب زہرا علیہا السلام اپنے پدر بزرگوار کی وارث تھیں۔

بفرضِ تسلیم بموجب مزعومہ آپ کے اگر ازواج اور حضرت عباسؓ بھی وارث تھے۔ جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ تو پھر بھی ہمارا مقصد واضح ہے۔ حدیث لانورث کی پھر بھی بیخ کنی ہو رہی ہے کیونکہ وراثتِ رسولؐ تو ہر حال میں ثابت ہو رہی ہے۔ خواہ کتنے ہی وارث ہو جائیں۔ جناب زہراؑ کا حصہ بحیثیت بیٹی ہونے کے پھر بھی اظہر من الشمس ہے۔

حسب بیان بخاری و مسلم حضرت عباس بھی وراثت کے طلب و تقاضا کے سلسلہ میں برابر جناب زہراؑ کے ساتھ شریک رہے۔ حضرت عباس بھی ویسے ہی محروم رہے جیسے دخترِ رسول محروم رہی۔

ان دونوں بزرگوں کا طلب ورثہ کرنا ہی ہمارے دعویٰ کی تائید ہے۔ کیونکہ یہی دونوں وارث رسولؐ تھے۔ نیز مدارج النبوۃ میں موجود ہے۔ کہ ازواج رسولؐ نے بھی حضرت عثمان کو وکیل کر کے طلب ورثہ کیلئے بھیجا۔ ان شواہد بالا سے پتہ چلتا ہے۔ کہ تمام اہل بیت اور ازواج رسولؐ اور حضرت عثمان حدیث لا نورث سے بے خبر تھے۔ کیونکہ اگر انہیں علم ہوتا تو ابو بکر سے وراثتِ رسول کا مطالبہ نہ کرتے۔ لیجئے ہم آپ کے عقیدہ کو ہی مان لیتے ہیں۔ کہ ازواجِ رسول بھی ترکہ پیغمبر کی بموجب قرآن وارث تھیں۔ مگر آپ کا عقیدہ عدم وراثت انبیاء کا ابطال ہو رہا ہے۔ فوراً فکر کریں۔ اور آئندہ ایڈیشن میں کسی نئی توجیہ کے سہارے اپنے مزعومہ عقیدہ کی اساس قائم کریں۔

ایک اعتراض کا جواب

شاید کوئی کج فہم یہ سوال پیدا کر دے۔ کہ حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کو کیوں محروم الارث کیا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں اہلِ حکومت کی جگر گوشہ تھیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ بانیانِ دولتِ سقیفہ کو اہلِ بیتِ رسالت کے ساتھ دشمنی ہو۔ مگر اپنے دلبندوں کے ساتھ انہیں کیا عداوت تھی۔ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اہلِ بیتِ نبوی کی جائز وراثت کو غصب کر کے اپنے زمانہ کے ذی اقتدار لوگوں پر یہ واضح کرنا حکومتِ وقت کا مطلب تھا۔ اسی واسطے تو انہوں نے عقیدۂ عدم توریث انبیاء کی بنیاد ایسے قول سے استوار نہیں کی۔ جس کی نسبت ان کی ذات سے ہو۔ بلکہ ایسا قول بیان کیا۔ جس کو اہلِ بیت کے رئیس کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ اہلِ بیت رسالت کو تو چونکہ علم تھا۔ کہ ہم وارث ہیں۔ اسی واسطے مطالبہ بھی کر دیا۔ ازواج نے بھی طلب کیا۔ اگر حکومت وقت اسی وقت ازواج کو تقسیم کر دیتی۔ اور اہلِ بیت کو نہ دیتی۔ تو اپنی حکومت کے ذی اقتدار ناصر بھی اس صریح فیصلہ کی تردید کر دیتے۔ جس کی وجہ سے اہل بیت کو محروم کرنا مشکل ہو جاتا۔ لہٰذا حکومت کی کمال سیاستدانی کا مقتضیٰ یہی تھا۔ کہ ہر طالب ورثہ کو اس وقت محروم کر دیا جائے۔ اور لوگوں کو اس امر کی تسلی ہو جائے۔ کہ واقعی انبیاء کا وارث نہیں ہوتا۔ بصورت دیگر حضرات شیخین اپنی اولاد یعنی بیٹیوں کو محروم الارث نہ کرتے۔ حکومت وقت مسلمانوں میں یہ عقیدہ راسخ کرنا چاہتی تھی۔

اپنی بیٹیوں کی کفالت تو خزانہ شاہی سے وظائف مقرر کر کے کر دی گئی۔ یہاں تک کہ انہیں تمام

معاشی انکار سے آزاد کر دیا۔ ان کے ہاں اولاد تو تھی نہیں جو ان کی وراثت کا فکر دامنگیر ہوتا۔ کہ ہمارے بعد یہ ہمارے بچے کیا کرینگے چونکہ تا ہمیں دولت سقیفہ میں ازواج رسول کی ایک پارٹی کا نمایاں حصہ تھا۔ لہٰذا اہل حکومت کی سیاست کے خلاف ان کا چلنا ناممکن تھا۔ اسواسطے وظائف لیکر رضامند ہوگئیں جناب فاطمہ اور علی علیہ السّلام کی محرومی ان کا بھی مقصد اولین تھا جو پورا ہوا۔ اپنے باپ اور چچا کی موجودگی میں تو حضرت عائشہ و حفصہ وظائف لیکر خوش اور رضامند رہیں مگر حضرت عثمان نے جو ہی فدک مروان کو جاگیر دے کر سنت شیخین کی تردید کردی اور مسئلہ عدم وراثت انبیاء کی نفی کردی۔ خزانہ شاہی کی رقوم کو اموی قرابت داروں کے لئے مخصوص کر دیا اور ام المومنین حضرت عائشہ کے وظائف کو کم کیا تو اسی محترمہ خاتون یعنی حضرت عائشہ نے اپنے پدر بزرگوار کے معین اور ناصر خلیفۂ رسول پر کفر کا فتوٰے لگا دیا اور آنجناب یعنی خلافت مآب کے قتل پر لوگوں کو ترغیب دی ملاحظہ ہو سیرت حلبیہ جلد ۳ مصر ص ۳۲۲ "اقتلوا نعثلاً فقد قتله الله" یعنی اس نعثل (عثمان) کو قتل کرو اس نے کفر کیا اللہ اس کو قتل کرے۔" سبحان اللہ! کیا اچھی رائے زنی ام المومنین کی زبان مبارک سے صادر ہوئی محض وظیفہ کے کم ہونے پر اتنی آگ بگولا ہوگئیں کہ اپنے باپ کے عقیدتمند مرید پر معذوری کے خیال سے بھی رحم نہ فرمایا۔ یہ اہل بیت علیہم السلام کا ہی حوصلہ تھا کہ اپنے بابا کے صحابہ کرام کے ہاتھوں باوجود اتنی چیرہ دستیوں کے صبر و ضبط سے کام لیا اور اپنے اخلاق پر حرف نہ آنے دیا۔

ایک اور سوال کا جواب

مصنف تحقیق فدک نے اپنی کتاب کے بعض صفحات پر تحریر کیا ہے کہ اہل بیت نبوی کی بھی بقدر ضرورت کفالت ہوتی رہی جس طرح ازواج کو دیا جاتا رہا۔ تو یہ بالکل صریحاً کذب بیانی ہے۔ کیونکہ جب حضرت فاطمہ نے مطالبہ کیا تو حضرت خلیفہ اول نے صاف انکار کر دیا۔ کہ میں کوئی چیز بھی نہیں دونگا۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کے یہ لفظ گواہ ہیں کہ "فابی ابابکر ان یدفع الیٰ فاطمۃ شیئاً" یعنی ابوبکر صاحب نے انکار کیا جو کوئی چیز بھی جناب فاطمہ کو دے بغرض تسلیم حسب فرمودہ مصنف صاحب اہل بیت عظام کچھ نہ کچھ لیتے رہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحب نے فریقین کی کتابوں کے حوالہ جات دے کر اس امر کو ثابت کیا ہے کہ اہل بیت کو سال بھر کا خرچہ ملتا رہا ہے کیا شاہ صاحب بتا سکتے ہیں کہ یہ خرچہ متروکۂ رسول میں سے دیا جاتا رہا۔ جو بقول شیخین صدقہ تھا۔ اگر ایسا ہے تو یہ مساکین کا حق تھا اہل بیت پر تو صدقہ حرام ہے۔ صدقہ کی

حیثیت سے اہلِ بیتؑ قبول نہیں کر سکتے تھے۔ اگر مالِ غنیمت سے ملتا رہا ہے بطورِ خمس تو یہ آپ حضرات کے عمل سے مردود ہے۔ کیونکہ کتب اہلِ سنت میں تصریح ہے کہ اہل بیت پاک کو خمس میں سے کچھ بھی دیا گیا۔ جیسا کہ شبلی نعمانی نے الفاروق جلد ۲ ص۱۱۷ خواجہ پریس دہلی میں ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد میں بھی ایک روایت موجود ہے جس سے حضرات اہل بیت کو خمس نہ دینا ظاہر ہے۔ ابوحنیفہ کا تو صاف فتویٰ ہے کہ جس طرح رسول کریمؐ کی وفات سے انکا حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح پیغمبر کی وفات سے قرابتدارانِ پیغمبر کا حصہ بھی جاتا رہا۔ اصول کرخی میں مذکور ہے کہ اجماعِ صحابہ قرآن کا ناسخ ہو سکتا ہے جیسا کہ آیۂ مبارکہ میں اہل بیت کا حصہ خمس ظاہر ہے مگر ہمارے صحابہ نے اجماع کر لیا تھا کہ اہل بیت کو خمس نہ دیا جاوے۔ ملاحظہ ہو اصول کرخی ص۸ دیوبند۔ یہی حضرت عمر کا مذہب تھا جس پر ابوحنیفہ نے فتویٰ دیا۔ تفسیر حسینی تحت آیت واعلموا انما غنمتم۔

آپ ارشاد فرمائیں کہ اہل بیتؑ کی امداد کس مد سے ہوتی رہی۔ کیا حضرات شیخین اپنی جائداد و مال سے سال بھر کا غلہ جناب دخترِ رسولؐ کے گھر پہنچا آیا کرتے تھے۔ کیا ان بزرگواروں سے یہ توقع ہو سکتی ہے جو بموجب حکم قرآن کے چار آنہ کا صدقہ دے کر پیغمبر سے گفتگو کرنے کی فضیلت حاصل نہ کر سکے (تفسیر خازن تحت آیت نجویٰ) درحقیقت یہ سب فرضی افسانے خلافِ واقعہ ہیں ان کے مقابلہ میں منفرد اور کمزور روایات کا کوئی مقام نہیں۔ بفرضِ تسلیم اگر اہل بیت پاک نے کچھ وصول کیا بھی ہے تو اپنے جد بزرگوار کی وراثت سے اپنا حق سمجھ کر وصول کیا ہوگا۔ بطورِ صدقہ وصول کرنا اہل بیتؑ کے لئے ناممکن تھا۔ حضرت شیخین کی اس میں مدح یا مہربانی نہیں ہے اپنا مال تھا اگر کچھ مل گیا تو کیا اعتراض ہو سکتا ہے ہاں قابل وثوق امر تو یہ تھا کہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام سب کچھ وصول کرنے کے بعد اپنے بابا کے یارِ غار کو رضامندی کا سرٹیفکیٹ عطا فرما دیتیں۔ مگر ایسا نہیں ہے مرتے دم تک ناراض رہنا اور اپنے جنازہ پر نہ آنے دینا بخاری و مسلم میں موجود ہے۔

نیز ازواجِ رسولؐ کلی طور پر تو محروم و لاوارث نہیں ہوئیں۔ پیغمبر کے تمام حجرات سکنی امہات المومنین کے قبضہ میں بعد از وفات رسول بطور ورثہ ہی تو تھے۔ آخر کچھ نہ کچھ تو مل ہی گیا۔ جناب مصنف کی خدمتِ عالیہ میں نہایت ادب سے گذارش ہے۔ کہ یہ حجراتِ سکنی کس بناء پر ازواجِ رسولؐ کے قبضہ میں رہنے دیئے گئے۔ کیا حدیث لا نورث کا اطلاق حجرات پر نہیں ہو سکتا تھا۔ یا یہ متروکہ رسول میں سے

نہیں تھے۔ اگر بطورِ ورثہ کے ازواج کے پاس تھے تو یہ آپ کے جعلی عقیدۂ عدم توریث انبیاء کے خلاف ہے
اگر آپ ارشاد فرمائیں کہ جناب پیغمبرِ اسلام نے ان حجرات کو اپنی حیات میں ازواج کے نام وقف خاص
کر دیا تھا جس کا دوسرا نام ہبہ ہی ہوا کرتا ہے تو کیا تصدیق وقف نامہ کیلئے شہادت طلب ہوتی نہ ہمارا
بھی تو یہی دعویٰ ہے کہ فدک جنابِ رسولِ پاک نے اپنی بیٹی کے نام وقف خاص کر دیا تھا جیسا کہ معارج
النبوت سے ہم ثابت کر چکے ہیں اور یہی وقف نامہ بعد از وفات رسول جناب سیدہ نے پیش کیا تھا جس
پر شہادت طلب ہوتی تھی۔ جناب پیغمبر کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ ہی یہ سلوک روا کیوں رکھا گیا۔ کیا اجر
رسالت آپ کے مرشدان باصفا نے یہی تجویز کیا تھا۔

اگر آپ ارشاد فرمائیں کہ ازواج کا قبضہ حیاتِ پیغمبری میں ہو چکا تھا۔ لہذا شہادت کی ضرورت
نہ ہوئی۔ چلو ہم نے تسلیم کر لیا کہ امہات المومنین کا قبضہ ہو چکا تھا لیکن جناب بضعۃ منی کی مصداق
یعنی سادات کی جدہ عالیہ کے ہبہ مع القبضہ کو کیوں تسلیم نہیں کیا جاتا حالانکہ کتب اہل سنت میں حضرت
ابوبکر کا فدک کو حضرت فاطمہؑ سے چھین لینا مرقوم ہے۔ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱ چھینی چیز
وہی جاتی ہے جو پہلے قبضہ میں آ چکی ہو ورنہ چھین لینے کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ خدا کی شان ہے ہر
طرف سے ہی حق ظاہر ہوا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمی دکلائے اہل حکومت تھا تونِ معظمہ کے حقوق پامال کنندگان
کی کارروائیوں پر پردہ ڈالیں خود بخود ان ہی کے عمل اور مسلمات سے احقاق حق اور ابطال
باطل ہوتا جا رہا ہے۔

مصنف صاحب کا عقلی استنباط

سوال: چھٹی دلیل عقلی تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر پیغمبروں کی دنیاوی میراث تسلیم کر لی جاوے تو
ان حضرات پر ایک ایسا اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا جواب ناممکن ہے شرح اس کی یہ ہے کہ جن
کو لوگ پیغمبر مان لیتے ہیں اس کے سامنے اپنی جان و مال پیش کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ بلکہ اس کے
قبول کر لینے میں اپنی سعادت تصور کرتے ہیں پس اگر مدعی نبوت ان اموال اور فتوحات کو اپنے اور اپنی
اولاد کے لئے استعمال کرے یہاں تک کہ تمول کی صورت پیدا ہو جائے۔ ضرور اعتراض ہوگا کہ دعویٰ نبوت
جمع اموال اور دنیاوی فوائد کے لئے کیا تھا۔" (تحقیق فدک صفحہ ۴۶)

جواب: سبحان اللہ! عقل بھی ایسی ہو جو آلِ محمدؐ کے حقوق پامال کرنے میں تصنع اجتہاد دنیا

کے سامنے پیش کرکے اپنی سیادت بھی ظاہر کرے۔ع بریں عقل و دانش بباید گریست۔
جناب والا! آپ کی عقل حضرت نعمان جیسے قیاس تو کرلیتی ہوگی۔ اگر قرآن کے عموم و خصوص اور علم اسرار شریعت کو نہیں پاسکتی۔ کیونکہ آپ کا تمسک اہلِ دانش سے نہیں ہے۔

اگر جناب پیغمبر کی اولادِ نرینہ زندہ رہتی تو کیا ہوتا؟

تقدیر خداوندی سے جناب ختمی مرتبت کی صرف ایک بیٹی ہی وارث حقیقی رہ گئی۔ اگر جناب رسالتمآب کی اولاد نرینہ زندہ رہتی تو اور لطف ہوتا۔ بیٹی نے تو دوسرے انسان کے گھر جانا ہوتا ہے۔ اس کی معاشی زندگی کا کفیل تو اس کا شوہر ہوسکتا ہے۔ لیکن بیٹے جائز وراثت سے محروم رہ کر کیا کھائیں گے۔ جبکہ سلسلہ نسل آگے بھی چلتا ہو۔ تو یہ مسئلہ اور بھی اشکال پذیر ہوجاتا ہے۔ امت سے وصول کردہ ٹیکس یعنی زکوٰۃ شرعی قانون کے لحاظ سے اولادِ رسولؐ پر حرام تھی۔ وراثتِ پدری سے باپ کے صحابیوں نے محروم کردیا۔ اور صدقہ ہونے کی بنا پر نا جائز تھا۔ صرف ایک حق شاہی یعنی خمس جو اموال غنیمت کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔ خاندانِ شاہی کے افراد کی گذر اوقات کے لئے مقرر ہوا تھا۔ وہ بھی حضرات شیخین نے بند کرلیا۔ اب ہو تھی تو دہی باقی نہیں رہی جو ان حضرات کے گزارہ کی کفالت کرسکے۔ جدِ بزرگوار کی حکومت باپ کے صحابہ نے سنبھال لی۔ اس میں کوئی حصہ نہ رہا۔ اہل حکومت نے اتنا بھی اولاد رسولؐ پر احسان نہ کیا۔ جو اپنی حکومت میں کسی معمولی عہدہ پر تعینات کردیتے۔ تاکہ اپنی تنخواہ لے کر ہی گزارہ کرتے۔ اب گذر اوقات کے لئے صرف دو ہی صورتیں باقی تھیں۔ یا تو خاندانِ رسول کا کفیل یہودیوں کے باغ میں مزدوری کرتا۔ یا پھر انہی لوگوں کے دروازوں پر بھیک مانگتا پھرتا۔ حضرت امیر علیہ السلام کے متعلق تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے پدر بزرگوار کے وارث ہوئے۔ اور ان کے لئے گذارہ کافی بھی ہوجاتا ہوگا۔ یہ حال تو اولاد پیغمبر کا ہوتا۔ اگر وہ زندہ رہتی۔ حضرت بخاری صاحب مصنف تحقیق فدک کے خیال کے مطابق تمام انبیاء کی اولادوں کا یہی حال ہوا ہوگا۔ نیز حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء کے مطابق علماء اہل سنت ضرور جناب پیغمبر کی احادیث کے وارث ہوں گے۔ جن میں سے ایک حضرت شاہ صاحب بھی ہیں۔ کیا علماء اہل سنت علمی وراثت کے حاصل کرنے کے بعد ترکۂ پدری کے وارث نہیں ہوا کرتے۔ اگر واقعی ایسا ہی ہے۔ تو بے شک انبیاء کرام اور علماء اہل بیت کی سنت ادا کی جاتی ہے۔ بصورت دیگر اگر ترکۂ پدری بھی حاصل کرتے ہیں۔ تو علماء آل محمدؐ کی پیروی اور محبت نہ ہوگی۔ حسب فرمان قبلہ شاہ صاحب اہل بیت کے علماء تو وراثت علم حاصل کرنے کے بعد اپنی

جائدادوں کو وقف کر دیتے ہیں۔ مگر اہل سنت کے علماء دونوں وراثتوں پر قابض ہیں۔ کیا آپ کے لئے مناسب ہے۔ کہ سونا چاندی وراثت میں حاصل کیا جائے۔ جبکہ پیروی انبیاء کی مقصود ہو۔ حضرت بخاری صاحب قبلہ اپنے مسلک کے علماء کو ہدایت فرمائیں۔ کہ وہ اپنے تمام متروکات پدری علماء اہل بیت کی تاسی میں اسی وقت ہی وقف کر دیں۔ ورنہ شیعوں کا اعتراض تا دم مرگ سانس نہ لینے دیگا۔

ایک حقیقت کا انکشاف

مشیت خداوندی کا ازل سے یہی دستور رہا کہ منصب نبوت وامامت کو پر عظمت اور باوقار گھرانوں میں رکھتا۔ منصب خداوندی پر فائز ہونے والے انسان ہمیشہ اخلاقی۔ جسمانی عیوب سے پاک رہے۔ ان حضرات میں کسی ایسی چیز کا ہونا جو قابل نفرت ہو تبلیغ رسالت میں رکاوٹ ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پیغمبر اور اولاد پیغمبر دنیاوی مال نہیں رکھا کرتے۔ تو لازمی امر ہے۔ کہ امت کے متمول آدمی ان کی بات تک سننا گوارا نہ کریں عموماً دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ جو لوگ امور شریعت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اگر انہی لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کریں۔ جن کو تبلیغ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ کامیاب نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کے خلاف لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ضرور کچھ نہ کچھ مانگے گا۔ لہٰذا وہ بات کو سننا پسند ہی نہیں کرتے۔ برخلاف اس کے اگر مبلغ شریعت لوگوں سے مستغنی ہو۔ تو وہ تبلیغ ضرور موثر ہوگی۔ اسی طرح اگر حضرات انبیاء سارا دن تبلیغ کریں۔ اور لوگوں کو دعوت اسلام دیں اور شام کے وقت انہی لوگوں کے دروازوں پر روٹی کا سوال کریں جن کو سارا دن اسلام سکھایا تھا۔ تو یہ کتنا عبرتناک مقام ہوگا۔ بلکہ مبلغین شریعت کو تو اموال دنیا کی زیادہ ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام نے جناب خدیجۃ الکبریٰ کے مال کو تبلیغ اسلام میں خرچ کر کے کامیابی حاصل کی تھی۔ عوام الناس چونکہ مال کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ ان کو مال دیکر مؤلفۃ القلوب میں بھی داخل کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی جماعت کی ظاہری اکثریت بھی تبلیغ کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ فتح مکہ کے دن ابوسفیان و معاویہ وغیرہ ظاہری اسلام قبول کر کے مؤلفۃ القلوب میں شامل رہے۔ اور اموال غنیمت میں ان کو حصہ دیا جاتا تھا۔ زیادہ تعجب انگیز امر یہ ہے۔ کہ جس پیغمبر اور اولاد پیغمبر کی نسبت مصنف صاحب نے لکھا ہے۔ کہ ان کو مال دنیا کی ضرورت نہ تھی۔ خود انہی لوگوں کے لئے خداوند عالم نے ان کی ضروریات کے پیش نظر حق خمس مقرر کر دیا۔ جیسا کہ قرآن سے ظاہر ہے۔ اپنی حیات مقدسہ میں جناب پیغمبر اور اولاد پیغمبر اس مال خمس کو اپنی ضروریات دینی و دنیاوی پر خرچ کرتے رہے۔

آیت مبارکہ یوصیکم اللہ پر بحث

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (ترجمہ) حکم کرتا ہے تمہیں خدا تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارہ میں کہ ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ ناظرین حضرات کی خدمت میں گذارش ہے۔ کہ اس آیت کے خطاب میں جس طرح امتی داخل ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی داخل ہیں۔ اس آیت کی موجودگی میں اور قرآن حکیم کی دیگر آیت مثلاً ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون (ترجمہ) یعنی ہم نے ہر ایک کو وارث قرار دیا ہے۔ جو کچھ اس کے والدین یا قریبی چھوڑ جائیں۔ اسی طرح وللنسا نصیب مما ترک الوالدان والاقربون یعنی عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ ان کے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں۔ کے ہوتے ہوئے اہل ایمان کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ خیال کریں۔ کہ امتی اس جہان سے روانہ ہوں تو ان کی اولاد متروکات حاصل کرے۔ اور جناب سرور کائنات رحلت فرمائیں۔ تو آپ کی اکلوتی بیٹی ان آیات کے ہوتے ہوئے امت کے ہاتھوں محروم الارث ہو جائے۔

سوال از مصنف اس آیت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملنے والوں کو خطاب ہے۔ آنحضور اس آیت کے خطاب کے مخاطب نہیں ہیں۔ شیعہ اس موقعہ پر کہا کرتے ہیں۔ کہ حدیث قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی۔ مگر تعجب ہے کہ اگر شیعہ علماء اخبار احاد سے قرآن کی تخصیص کرلیں۔ تو وہ عین صواب ہو۔ اور اگر سنی علماء یہی کام کریں۔ تو وہ گردن زدنی ہو جائیں۔ تحقیق فدک صفحہ ۵۱ استدلال بالا کی تائید میں حضرت صاحب نے شیعہ کتب سے چار موانع ارث نقل کئے ہیں۔ کفر۔ قتل۔ لعان۔ غلامی۔

جواب ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ کہ علم شریعت و علم اسرار شریعت کی مکمل واقفیت اور رموز قرآنیہ کا بالاستیعاب علم صرف بانی شریعت اور ان کی اہل بیت اطہار کو ہی ہے۔ خود مصنف تحقیق فدک کو بھی اس امر کا اقرار ہے۔ قرآن کے عموم و خصوص سے یہی لوگ واقف ہیں۔ راسخون فی العلم ہونے کی حیثیت سے یہ بزرگوار جس چیز کو مخصوص یا عام قرار دیں۔ بس وہی ہو سکتی ہے۔ غیر ذمہ دار لوگ قرآن کے عموم و خصوص سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں۔ اہل بیت علیہم السلام و دیگر مفسرین اہل سنت کا اس آیت یوصیکم اللہ میں رسول کو مخاطب تسلیم کرنا اور عموم سے استدلال کرنا حضرت بوگیردی کی تفسیر دانی پر مقدم ہے۔ احادیث مشہورہ مسلمہ سے تفسیر و تشریح ہو سکتی ہے۔ اور تخصیص بھی اسی سے جائز ہو گی۔ نہ کہ لا نورث

جیسی من گھڑت تخصیصی روایت مخالفِ قرآن ہے جس سے کوئی بھی واقف نہ ہو۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی مخصصات اور موانع کتب فریقین میں موجود ہیں مگر تخصیص ایسی روایات سے قابلِ قبول ہو سکتی ہے جن کا سلسلہ صحت اسناد کے ساتھ بانیٔ شریعت اور اس کی ذریت طاہرۃ تک پہنچے۔ جب ایسی صورت واقع ہو جائے تو ہم کو بھی مجالِ انکار نہیں۔ اگر حضرت ابوبکر کی مرویہ حدیث لا نورث کو عدم وراثت انبیا کی تخصیص کیلئے خود بانیٔ شریعت کی بیٹی یعنی مدعیہ فدک حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام قبول کر لیتی۔ تو جھگڑا ختم ہو جاتا۔ لیکن جب ہم علماء اہل تسنن کی شہادتیں ملاحظہ کرتے ہیں۔ تو پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت زہرا صلوات اللہ علیہا نے اسی آیت مبارکہ یعنی یوصیکم اللہ فی اولادکم سے متمسک ہو کر ابوبکر کی مرویہ حدیث لا نورث کو قبول نہیں کیا۔ اگر حدیث لا نورث مخصص قرآن ہوتی تو نبی کی بیٹی اور داماد ضرور قبول کر کے ابوبکر سے رضامند ہو جاتے برخلاف اس کے یہ دونوں بزرگوار حدیث مذکور کو موضوع خیال کرتے ہوئے بخاری و مسلم کے بیان کے مطابق تادم مرگ ابوبکر پر ناراض فوت ہوتے ہیں۔ جس کا بیان آئندہ آئے گا۔

نیز مصنف صاحب نے جو چار موانع ارث شیعہ کتب سے درج کئے ہیں۔ وہ جناب والا کے حق میں مفید نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسے موانع کا ذکر کتب اہل سنت میں بھی موجود ہے۔ نعوذ باللہ۔ خاکم بدہن دختر رسول نے کیا اپنے پدر بزرگوار کو قتل کیا تھا یا اپنے بابا کے دین سے پھر گئیں تھیں۔ بناء بجذا جس کی بنا پر محروم الارث قرار پائیں۔

دختر رسول کا یوصیکم اللہ سے حجت پکڑنا قطع نظر اس کے ہم کچھ طول طویل بحث چھیڑیں کہ احادیث سے تخصیص روا نہیں رکھی جاتی۔ جناب بی بی عالیہ کا حدیث لا نورث کے مقابلہ میں ابوبکر سے مطالبہ وراثت کرتے ہوئے آیت مذکورہ سے حجت پکڑنا اور نہایت زور کے ساتھ استدلال کرنا مصنف تحقیق فدک کی ساری تحقیق پر پانی پھیر دیتا ہے۔ اور ہمارے اطمینان کے لئے بس اتنا کچھ کافی ہے اہل انصاف اور تحقیق طلب حضرات کیلئے کیا یہ معاملہ بالکل صاف اور صریح نہیں ہے۔ کہ جناب زہرا علیہا السلام نے جس حدیث کو قبول کیا اس کو قبول کیا جائے اور جس حدیث سے تخصیص جائز نہیں سمجھی اسے ہم بھی قبول نہ کریں۔ چنانچہ ذیل میں چند شواہد نقلی کتب اہل سنت سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے بخوبی پتہ چل جائیگا۔ کہ حدیث لا نورث قابل تخصیص تو بجائے خود رہی جناب بی بی پاک کی نگاہ میں بالکل جھوٹی تھی۔ ورنہ جناب زہرا علیہا السلام اس حدیث کو اپنے بابا کا فرمان خیال کرتے ہوئے آیات قرآنیہ سے وراثت انبیاء کا استدلال نہ فرمائیں۔

امام رازی اور شاہ ولی اللہ کا اقرار:- یوصیکم اللہ فی اولادکم کی تفسیر کے تحت امام فخر الدین

رازی اپنی تفسیر کبیر میں تحریر کرتے ہیں: "احتجت فاطمۃ بعموم قولہ تعالیٰ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین" یعنی جناب فاطمہ علیہا السلام نے ابوبکر کے سامنے اس آیت کو بطور احتجاج پیش کیا۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۳۹/۳۰ پر رقمطراز ہیں: "پس ازاں صعب ترین اشکالات آں بود کہ حضرت فاطمہؓ وعباسؓ بظاہر عموم آیۃ یوصیکم اللہ۔۔۔ الخ متمسک شدہ میراث آنحضرت طلب کردند مشکل آں بود کہ اگر میراث دہند مخالف قاعدہ شرع باشد واگر نہ دہند ملال خاطر اہل بیت آید" (ترجمہ) صاحب ازالۃ الخفا ابوبکر کی سیاسی و دینی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ تمام مشکلات سے زیادہ مشکل ابوبکر پر یہ وارد ہوئی۔ کہ حضرت فاطمہؓ وحضرت عباسؓ نے آیۃ یوصیکم اللہ کے ظاہری عموم سے حجت پکڑتے ہوئے جناب پیغمبر کی وراثت کا مطالبہ کر دیا۔ مشکل تو یہ ہے۔ کہ اگر حضرت ابوبکر میراث پیغمبر ورثا کو دے تو مخالفت شریعت لازم آتی ہے۔ اور اگر انکار کردے۔ تو اہل بیت ناراض ہو جاتے ہیں"۔ امام رازی اور شاہ ولی اللہ کی توثیق اہل خبر سے پوشیدہ نہیں۔ ہر پڑھا لکھا مسلمان یہ جانتا ہے۔ کہ یہ دونوں بزرگوار سواد اعظم کے چوٹی کے مفسرین قرآن ہیں ان کے مقابلہ میں حضرت مجیب کی تفسیر دانی سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ شاہ ولی اللہ تو حضرت ابوبکر کی مشکل بیان کر رہا ہے۔ اور کوئی صورت نہیں پیش کر سکا۔ کہ جس سے ابوبکر اہل بیت کو بھی ناراض نہ کرتا اور خلاف شریعت کرنے سے بھی بچ جاتا۔ اپنے زعم میں شریعت کا خلاف مناسب نہ سمجھا۔ مگر اہل بیت کو ناراض کر دیا۔ جیسا کہ بخاری میں موجود ہے۔ خدا سمجھے ان کور فطرت انسانوں سے اہل سقیفہ کے عمل کو تو خلاف شریعت قرار نہیں دیتے۔ مگر جو وارث شریعت ہیں۔ ان سے خلاف شرع امور کا صادر ہونا جائز خیال کرتے ہیں۔

آیات میراث متعلقہ وراثت انبیاء

فہب لی من لدنک ولیاً یرثنی ویرث من آل یعقوب (ترجمہ) حضرت زکریا علیہ السلام دعا مانگتے ہیں۔ کہ اے پروردگار مجھے ایک وارث عنایت فرما تاکہ جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث بنے۔ سورہ مریم نیز آیۂ مذکورہ کے ماقبل یہ فقرہ بھی ہے۔ کہ "انی خفت الموالی من ورائی" یعنی میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے خوف کرتا ہوں۔

دوسری آیۃ "ورث سلیمان داؤد" یعنی حضرت سلیمانؑ اپنے باپ داؤدؑ کا وارث ہوا۔

مصنف صاحب آیات مذکورہ بالا کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان آیات میں وراثت علم شریعت مراد ہے مال کی وراثت ہرگز مراد نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ پیغمبروں کی نگاہ میں مال دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ تحقیق فدک ص ۵۵

جواب ۔ حضرت مصنف نے ان دونوں آیات میں وراثت علم ثابت کرنے کے لیے گوناگوں تاویلات سے کام لیکر مفسرین۔ مورخین اور اپنے ائمہ مجتہدین کے خلاف کیا ہے اور اپنے زعم ناقص میں مسئلہ وراثت انبیاء کی نفی کردی ہے۔ شاہ صاحب جتنا بھی دماغ خرچ کریں یہ سُود ہے ہمارے دعویٰ کی تائید میں ان آیات سے وراثت مالی مُراد لے کر حضرت ابوبکر کے سامنے علیؑ و بتولؑ کا پیش کرنا کافی ہے۔ میرے خیال میں اہلِ بصیرت بھی ہمارے ہم خیال ہوں گے۔ اگر حضرت مصنف تحقیق فدک اس وقت یعنی سماعت مقدمہ فدک کے دوران میں حضرت ابوبکر کے پاس کرسی قضا پر رونق افروز ہوتے تو ضرور بر ضرور یہ پراگندہ تاویلات حضرت ابوبکر کو تعلیم فرماتے اور حضرت امیر علیہ السلام کے مقابلہ میں باوجود ان کی اولاد ہونے کے رسولؐ کی اکلوتی بیٹی کو محروم الارث کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے خیر کیا ہُوا ؟ آج تیرہ صد سال بعد بھی حضرات شیخین کی ارواحِ مبارکہ کو خوش کرنے کے لئے غلط ملط تاویلاتِ قرآنیہ کر کے خراجِ تحسین حاصل کر رہے ہیں اور قرآن کے عموم و خصوص کی ہمہ دانی کا دعوےٰ کر کے بھولے بھالے مسلمانوں پر اپنی امامت کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اللہ پاک یہ مہدویت انہیں نصیب کرے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ انہی دونوں آیات کو حضرت امیر علیہ السلام باب مدینۃ العلم نے دربارِ خلافت میں پیش کیا اور حضرت ابوبکر سوائے ایک حدیث موضوعہ کے قرآن سے عدم وراثتِ انبیاء کا استدلال نہ کر سکا اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ حضرت خلیفہ اول دیوبند کے فارغ التحصیل نہیں تھے اگر اس نصاب پر ان کو عبور ہوتا تو ضرور بر ضرور یہ رکیک تاویلات پیش کرتا۔ لیکن ہم تو حضرت ابوبکر اور حضرت امیر علیہ السلام کے مقابلہ میں شاہ صاحب کو جاہل مطلق خیال کرتے ہیں۔ آخر حضرت امیر علیہ السلام نے معدنِ رسالت اور حاملِ وحی سے قرآنی تعمیم و تخصیص سیکھی تھی۔ ان حضرات کے مقابلہ میں جناب والا کا ذاتی استنباط و اجتہاد مفید نہیں ہو سکتا۔ بفرضِ محال اگر حضرت والا کو حضرت ابوبکر و حضرت امیر علیہ السلام کی ذاتِ گرامی پر اعتماد نہ ہو تو چلو ہم آپ کے متبحر علماء کی چند شہادتیں نقل کر کے آپ کی اور ناظرین کی تسلی کرا دیتے ہیں۔ علمائے اہلِ سنت نے ان ہر دو آیات یعنی ورث سلیمان داؤد اور یرثنی و

یرث من آلِ یعقوب' سے وراثتِ مال مرادلی ہے اور اپنی اپنی تصنیفات میں ذکر کردیا ہے۔ شاہ صاحب اپنی کتابوں کا مطالعہ تو فرماتے نہیں اور استدلال کرنے بیٹھ جاتے ہیں علوم اہلِ بیت سے۔ مزید لطف یہ ہے کہ اسی تفسیر دانی پر کتاب کے سرورق پر ایک شعر لکھ مارا" اگر کچھ ہوسکے تو خدمتِ اسلام کر جاؤں" سبحان اللہ تفسیر اہلِ بیت اور متقدمین اہلِ سنت کے خلاف ہزلیات تحریر فرماکر حضرت زہرا علیہا السلام کے مقابلہ میں ہی اسلام کی خدمت کا موقع تلاش کیا ہے۔

"علماءِ اہلسنت نے آیاتِ مذکورہ سے مالی وراثت مرادلی ہے"

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۵۵۷ پر وورث سلیمان داؤد کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے" فقال الحسن المال وقال غیرہ النبوۃ وقال اخرون بل الملک والسیاسۃ" یعنی حسن کہتے ہیں کہ سلیمان مال کے وارث ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ نبوت مراد ہے۔ متاخرین علماء کہتے ہیں کہ یہاں ملک و ریاست مراد ہے"۔ فاما اذا قیل ورث المال والملک معًا فھذا لا یبطل بالوجوہ التی ذکرناھا یعنی جب یہ کہا جاوے کہ سلیمان ملک و مال کے اکٹھے وارث ہوئے تو یہ بوجوہ مذکورہ باطل نہیں ہوسکتا یعنی یہ مختلف اقوال کی تطبیق ہے اور نبوت کے وارث اگر حضرت سلیمان معہ مال و ملک کے ہوں تو اس سے وراثتِ مال کی نفی نہیں ہوسکتی۔

تفسیر طبری جلد ۱۹ صفحہ ۷۹ پر تحریر ہے کہ سلیمان اپنے باپ کے علم کے وارث تو حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی میں ہوئے اور ملک کے وارث بعد میں ہوئے۔ نیز تفاسیر اہلِ سنت میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ہزار گھوڑا ورثہ میں پایا۔ اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سلیمانؑ کے دوسرے بھائی کیوں محروم ہوگئے۔ ہم پہلے بھی ایک مقام پر تحریر کرچکے ہیں کہ نہ تو آیت مذکورہ میں حضرت سلیمانؑ کے دوسرے بھائیوں کی نفی موجود ہے اور نہ ہی وراثتِ مال کا نہ ہونا ذکر ہے۔ اس امر کی تطبیق یوں ہی ہوسکتی ہے کہ حضرت سلیمان نے اپنی پدری وراثتِ مالی کو حسبِ حصص اپنے بھائیوں میں تقسیم کردیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قدرتِ کاملہ نے حضرت سلیمان کا تذکرہ بوجہ پیغمبر و بادشاہ ہونے کے کردیا ہو اور باقی بھائیوں کا ذکر کرنا مناسب خیال نہ کیا ہو۔ نیز حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد کا کثیر تعداد میں ہونا ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ احادیث و تفاسیر سے حضرت سلیمان کا وارثِ مال ہونا ظاہر ہے۔ تاریخ سے قرآن

مقدم ہے خواہ شیعہ لکھتے یا سنی۔

مصنف کا اپنا اقرار اس آیت میں نبوت اور بادشاہت کی وراثت مراد ہے بعد ازاں اس کی تائید میں تفسیر صافی سے ایک حدیث لکھی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ملک و نبوت کی وراثت مراد لی ہے نہ کہ مال اور نبوت کی تحقیق فدک صد ۵۹۔

جواب:۔ استدلال بالا سے مجیب صاحب کا مقصد یہ ہے کہ حضرت سلیمان ملک و نبوت کے وارث ہوئے گویا آنجناب کے خیال میں ملک میں مال نہیں شمار ہوتا۔ اور اگر ہوتا بھی ہے تو بادشاہ اس پر حق تصرف نہیں رکھتا۔ اس لحاظ سے حضرت سلیمان کو اپنے باپ کی سلطنت میں مالکانہ اختیارات نہیں تھے مصنف کی یہ عجیب منطق ہے کہ مال و متاع منقولہ و غیر منقولہ سے خالی رہنا کسی بادشاہ کی بادشاہت کے منافی نہیں ہوتا ایسی سلطنت اگر حضرت صاحب کو حاصل ہوئی ہو تو ہمیں علم نہیں ورنہ آج تک کوئی ایسا بادشاہ نہیں گزرا جس کے اختیار میں اموال سلطنت کا صرف کرنا نہ ہو۔ گویا آنجناب کے خیال میں حضرت سلیمان تصرف بیجا کے مرتکب ہوئے۔ نعوذ باللہ۔ اگر تصرف مالکانہ جائز تھا تو ملکیت کا معنی صادق آئیگا۔ جس سے ہمارے دعویٰ کی تائید ہوگی۔ جناب سرور کائنات کو سلطنت حاصل ہوئی تو اس میں سے اپنی ذاتی ضروریات اور ازواج و اہل بیت کے اخراجات بھی پورے کرتے جیسا کہ اموال غنیمت میں سے حصہ خمس اور مال فئے وغیرہ۔ نیز پیغمبر باوجود بادشاہ ہونیکے اگر زرہ تیار کریں یا ٹوکریاں بنائیں چٹائیوں پر آرام کریں۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں ملک میں حق تصرف حاصل نہیں تھا یا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حقوق سے بھی محروم ہو جاتے تھے۔ یہ سب کچھ کرنا محض تعلیم امت کیلئے تھا۔ منصب نبوت کے لحاظ سے ایسا کرنا انبیاء پر لازم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کے استدلال سے تو خود حضرات شیخین کی حکومت کا بطلان ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ جب قرآن سے ثابت ہو گیا کہ حضرت سلیمان اپنے باپ داؤد علیہ السلام کی نبوت و بادشاہت کے وارث ہوئے۔ یہ دونو بزرگوار نبی تھے حضرت سرور کائنات بھی نبی اور بادشاہ تھے۔ نبوت تو آنحضور پر ختم تھی لھذا نبوت کی وراثت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ باقی رہی جناب پیغمبر کی بادشاہت اور سلطنت تو وہ بموجب ظاہر قرآن اور مطابق سنت سلیمان علیہ السلام اقرباء رسول اللہ کا ہی حق تھا حضرات ثلاثہ کو جناب پیغمبر کی حکومت کا حاصل ہونا کسی کے قیاس میں بھی نہیں آسکتا تھا مگر خدا برا کرے طمع نفسانی کا حکومت بھی غیروں نے سنبھال لی اور وراثت سے

بھی محروم کردیا۔

حضرت زکریا کی دعا سے مالی وراثت مراد ہے۔ انی خفت الموالی من ورائی وکانت امراتی عاقرا فھب لی من لدنك ولیا یرثنی ویرث من آلِ یعقوب۔ حضرت زکریا علیہ السلام دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار میں اپنے بعد رشتہ داروں سے خوف کرتا ہوں۔ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث بنے۔ حضرت مصنف نے اس آیت پر بے فائدہ دماغ سوزی کرکے اہلِ شیخین کو معاف کرنے کی ناکام کوشش کی ہے مگر مقصد پھر بھی برآمد نہ ہوا۔ حضرت مصنف کے جواب میں بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ پیش کریں زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود انہی لوگوں کے تفسیری اقوال پیش کیے جائیں جو حضرت مصنف سے زیادہ عالم اور ماہرِ تفسیر ہیں اور حضرت ابوبکر کی وکالت کرتے ہوئے ساری عمر اسی دھن میں گذاری ہے حضرت صاحب کا علم ان بزرگوں کے مقابلہ میں کالعدم ہے۔

فخر رازی کا قول

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر جلد ۵ صہ ۶۷ پر تحریر فرماتے ہیں المراد بالمیراث فی موضعین ھو وراثۃ المال وھذا قول ابن عباس و الحسن والضحاک والقول الثانی یرثنی المال ویرث من آلِ یعقوب النبوۃ وھو قول السدی و مجاھد و شعبی وروی عن ابن عباس والحسن والضحاک ایضاً یعنی ایک روایت میں ابن عباس حسن ضحاک یرث کی جگہ وراثت مال مراد لیتے ہیں۔ اور دوسری روایت میں سدی۔ مجاہد شعبی حسن ضحاک اور ابن عباس سب یرث سے وراثت مال مراد لیتے ہیں جیسا کہ اوپر ظاہر ہے۔ اب اگر ایک جگہ یہ تمام بزرگ لفظ یرث سے وراثت مال مراد لیں تو حدیث لا نورث مخالفِ قرآن قرار پاتی ہے شاہ صاحب کو مناسب تدارک کرنا چاہیے ناظرین حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ ابن عباس اہل سنت کے نزدیک امام المفسرین ہے اور اس کی تفسیر دانی تمام صحابہ و تابعین پر مقدم ہے اور یہ بزرگ آیت مذکورہ سے وراثتِ مالی مراد لے رہا ہے۔

شارح مسلم و ابن جریر طبری کا بیان

امام نووی شارح مسلم نے اپنی کتاب شرح مسلم جلد ۲ صہ ۹۲ پر تحریر کیا ہے کہ حسن بصری کا قول ہے کہ آیہ یرثنی ویرث من آلِ یعقوب سے وراثت مال مراد ہے۔ کیونکہ اگر وراثت نبوت مراد ہوتی تو حضرت زکریا یہ نہ فرماتے کہ مجھے غیر ورثا کا ڈر ہے کیونکہ اللہ نبوت پر کیا قدرت ہو سکتا تھا۔ تفسیر ابنِ جریر طبری میں اسی آیت کے تحت درج ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام دعا مانگتے ہیں کہ خدایا اپنی عنایت سے مجھے بیٹا عطا فرما جو میرا وارث اور مددگار ہو اور میری

وفات کے بعد میرے مال کا وارث ہو اور آلِ یعقوب سے نبوت کا وارث ہو۔ مزید اطمینان کیلئے ملاحظہ ہو منار الہدیٰ ۔ باب فدک

ناظرین حضرات کی خدمتِ عالیہ میں التماس ہے کہ ہم نے علماء اہل سنت صحابہ و تابعین کرام کے تفسیری اقوال پیش کر دیئے ہیں کہ آیت مذکورہ میں وراثت مال ہی مراد ہے۔ حضرت چوکیری کی تفسیر دانی پر ان تمام بزرگوں کی تفسیر مقدم ہے۔ ان تمام شواہد سے ہمارے دعویٰ کی تائید ہوگئی اور حدیث لا نورث کا کھوکھلا پن بھی ظاہر ہوگیا۔ ہمارے ذمہ بس اسی قدر واجب تھا زیادہ تکلف ہم پسند نہیں کرتے۔

"بابِ مدینۃ العلم کا آیاتِ مذکورہ کو بطور احتجاج پیش کرنا"

بفرضِ محال اگر حضرت سیادت مآب جناب مصنف صاحب کو اپنے علماء کی تفسیر پر اعتماد نہ ہو تو چلو ہم آپ کے جد بعید حضرت علی ابن ابیطالب کا ان ہی آیات سے وراثت مال مراد لے کر ابوبکر کے قول لا نورث کی تردید پیش کرنا کتب اہل سنت سے پیش کر دیتے ہیں خواہ آپ تسلیم کریں یا نہ ہم تو آپ کو سمجھائے دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۴ عن ابی جعفر قال جاءت فاطمۃ الی ابی بکر تطلب میراثھا وجاء عباس بن عبد المطلب یطلب میراثہ وجاء معھما علی ابن ابیطالب فقال ابوبکر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا نورث ماترکناہ صدقۃ۔ فقال علیؑ وورث سلیمان داؤد وقال زکریا یرثنی ویرث من اٰل یعقوب قال ابوبکر ھو ھکذا وانت واللہ تعلم مثل ما اعلم فقال علی ھذا کتاب اللہ ینطق فسکتوا۔ ابو جعفر روایت کرتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ و عباس ابوبکر سے اپنا اپنا ورثہ طلب کرنے کیلئے آئے جناب امیر علیہ السلام بھی دونوں کے ہمراہ تھے ابوبکر نے کہا کہ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ ہم گروہ انبیاء مال نہیں چھوڑتے بلکہ وہ صدقہ ہو جاتا ہے پس علی علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمان وارث ہوئے اپنے باپ داؤد علیہ السلام کے پھر دوسری آیت حضرت زکریا علیہ السلام کے قصہ سے متعلقہ تلاوت فرمائی۔ ابوبکر نے کہا کہ ایسا ہی ہے اور اے علیؑ جیسا کہ میں جانتا ہوں تو بھی جانتا ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہمارے دعویٰ پر کتاب خدا ناطق ہے ازاں بعد خاموش ہو گئے۔

اگر اب بھی شہادت بالا کے ہوتے ہوئے جناب مصنف اور ناظرین حضرات کا اطمینان نہ ہوا تو چلو ہم خود مدعیہ فدک یعنی معصومہ کونین دخترِ رسولؐ کا ان تمام آیات متعلقہ وراثت کو بطریق جدل مدعا علیہ کے سامنے پیش کرنا خطبہ لمیہ مرویہ اہل سنت سے پیش کر دیتے ہیں۔

"جناب زہرا کا ان تمام آیات مذکورہ کو بطریق جدل پیش کرنا"

قبل اس کے ہم خطبہ لمیہ تحریر کریں تھوڑی سی توثیق کرنا ضروری ہے تاکہ ناظرین کے شبہات

دور ہو جائیں کہ یہ خطبہ مفتریات شیعہ میں سے نہیں ہے۔ اس خطبہ کو ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنی کتاب شرح حدیدی میں درج کیا ہے۔ اہل سنت کے مشہور امام جوہری نے اپنی کتاب سقیفہ میں چند اسناد کے ساتھ درج فرمایا ہے۔ ابن اثیر جزری نے کتاب نہایہ میں تحت حرف الام دالیم فی حدیث فاطمہ لکھ کر تصدیق کر دی ہے۔ ملا طاہر گجراتی اور وحید الزمان نے انوار اللغتہ میں اس خطبہ کے مشکل الفاظ کی شرح حدیث فاطمہ سمجھ کر کی ہے۔ یہ خطبہ بی بی عالیہ نے اسوقت بیان فرمایا جب وراثت پدری سے جواب ملا۔ انصار و مہاجرین کے مجمع میں پس پردہ معہ دیگر مستورات بنو ہاشم کے تمام اہل حکومت کو یوں مخاطب فرمایا۔ یابن قحافہ افی کتاب اللہ ان ترث اباک ولا ارث ابی لقد جئت شیئاً فریاً افعلی عمدٍ ترکتم کتاب اللہ ونبذ تموہ وراء ظھورکم اذ یقول وورث سلیمان داؤد وقال فیما اقتص من خبر یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام اذ یقول رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب وقال اولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ وقال یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین وقال ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقاً علی المتقین وزعمتم ان لاحظوۃ لی ولا ارث من ابی.....انتہیٰ۔ ترجمہ۔ اے ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر) کیا یہ کتاب خدا میں ہے کہ تو اپنے باپ کی میراث پائے اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں تو نے یہ کیا بُری بات پیش کی ہے۔ کیا تم لوگوں نے دیدہ دانستہ کتاب خدا کو چھوڑ رکھا ہے اور اس کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ حالانکہ اس میں ذکر ہے کہ جناب سلیمانؑ اپنے باپ کے وارث ہوئے اور جناب یحییٰ کے قصہ میں حضرت زکریا کی یہ دعا مذکور ہے کہ خداوندا مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میری وراثت پائے اور آل یعقوب کا بھی وارث بنے۔ پھر اسی کتاب میں خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تمہارا رب تمہاری اولاد کے بارہ وصیت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی مرتے وقت مال چھوڑے تو وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے نیکی یعنی میراث کی وصیت کر جائے۔ خدا تو یہ فرماتا ہے اور تم نے گمان کر رکھا ہے کہ میرا کوئی حق ہی نہیں ہے یا میں اپنے باپ کی میراث ہی

نہیں ہوں۔ ترجمہ ختم

جناب والا یہ تھا وہ احتجاجِ قرآنیہ جو جناب زہرا علیہا السلام نے پیش کیا۔ اہلِ بصیرت کیلئے کیا یہ صاف معاملہ نہیں۔ جناب زہرا و علی تو کتابِ خدا سے استدلال کرتے ہیں اور جناب شاہ صاحب مختلف توجیہات سے کام لے کر مسئلہ وراثت انبیاء کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ جب تک قرآن موجود ہے۔ جناب زہرؑا کا حصہ اظہر من الشمس موجود ہے۔ ہاں ان لوگوں کے لئے جن کی آنکھوں پہ عداوتِ زہرؑا کی پٹی بندھی ہے سبیلِ ہدایت کا پانا مشکل ہے۔ باوجود توثیق بالا کے اگر کوئی کور فطرت اس خطبہ کو مفتریاتِ شیعہ میں سے خیال کرے تو اس کے لئے فخر الدین رازی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے بیانات موجب اطمینان ہو سکتے ہیں جن کو قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے۔ اس مقام پر چونکہ تذکرہ وراثت مطلوب تھا لھذا خطبہ مذکورہ کا وہی اقتباس درج کیا گیا ہے جس میں آیات قرآنیہ کا ذکر تھا۔ ورنہ یہ ایک طویل خطبہ ہے جس میں جناب بی بی عالیہ نے اہلِ سقیفہ کی تمام کارستانیوں کو طشت ازبام کر کے اہلِ تحقیق کے سامنے حقائق کے دریا بہا دیئے ہیں۔ ہم انشاء اللہ کتاب ھٰذا کے آخر میں چند ایک اور اقتباسات درج کرینگے۔ انتظار فرمائیے۔

وحید الزمان مترجم صحاح ستہ کا اقرار

"حضرت فاطمہ کی ناراضگی اس پر مبنی تھی کہ ان کو اس حدیث کی خبر نہ تھی وہ قرآن کی ظاہری آیتوں سے خیال کرتی تھیں کہ پیغمبروں کے لوگ وارث ہوتے ہیں جیسے فرمایا" وورث سلیمان داوٗد" اور فرمایا "ھب لی من لدنك ولیًا یرثنی ویرث من آلِ یعقوب" بخاری پارہ ۱۲ صہ ۶۲ ۔کتاب الجہاد والسیر۔

طالبانِ تحقیق سے التماس

مندرجہ بالا بیانات میں ہم نے نہایت شرح و تفصیل کے ساتھ وضاحت کر دی ہے۔ فخر الدین رازی۔ شاہ ولی اللہ دھلوی۔ وحید الزمان ابن علامہ جیسے مستند علماء کی شہادتیں پیش کر کے قبلہ شاہ صاحب کے مزعومات قیاسیہ پر پانی پھیر دیا ہے۔ اب بخوبی روشن ہو گیا کہ ان تمام آیات متعلقہ وراثت کو جناب علی علیہ السلام و حضرت زہرا علیہا السلام نے اپنے دعویٰ کی تائید میں ابوبکر کے سامنے پیش کیا تھا اور ابوبکر تردید نہ کر سکا تو کیا اب کچھ کسر باقی رہ گئی ہے کہ ہم تاویلات وغیرہ سے کام لیں کہ ان آیات میں وراثت مال کا ذکر ہے یا وراثت علم مراد ہے جن حضرات کو دخترِ رسولؐ و برادرِ رسولؐ سے حسنِ عقیدت ہے ان کے لئے تو دراستہ بالکل

صاف ہوگیا۔ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وارثانِ حقیقی جب ان آیات سے وراثت مال مراد لیے رہتے ہیں تو بس قصہ ختم ہوا۔ ہمارے لئے یہی حجت کافی ہے۔ تاویلات کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں ہادی شریعت کا کوئی حکم صریحاً موجود نہ ہو اور اس مسئلہ وراثت انبیاء میں تو حکم بجائے خود رہا خود ہادیان شریعت کا قولی و عملی اقدام بطریق جدل کتب اہل سنت میں موجود ہے۔ اب فیصلہ ناظرین پر ہے۔

کنز العمال پر مصنف کی جرح

حضرت علی علیہ السلام و جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کے استغاثات و آئینہ کی روایت کو کنز العمال کی اس روایت کے واقع پر شیعیت کا الزام لگا کر شاہ صاحب نے ناقابلِ قبول تحریر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ کنز العمال حقیقت میں امام سیوطی کی جمع الجوامع ہے اور جمع الجوامع میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا نیز اس انکار کا سبب ایک اور بھی لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں جہاں کتب حدیث کے طبقات کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ چوتھے طبقہ کی کتابوں سے حجت پکڑنا علماءِ حدیث کی مجالس میں درست نہیں ہے۔ تحقیق فدک ص۸۳

جواب: امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی کے عقیدہ پر شاہ صاحب نے اعتبار کرتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ یہ چوتھے طبقہ کی کتاب ہے لھذا ہمارے لئے حجت نہیں گویا معلوم ہوا کہ پہلے۔ دوسرے تیسرے طبقہ کی کتب احادیث اہل سنت حضرات و قبلہ شاہ صاحب کیلئے حجت ہو سکتی ہیں۔ مگر نہایت حسرت آمیز لہجہ میں کہنا پڑتا ہے کہ جب ان حضرات کے سامنے کتب احادیث میں سے سب سے زیادہ مستند اور طبقہ اول کی کتاب بخاری سے غضب فاطمہ پیش کیا جاتا ہے تو یہاں بھی وہی کنز العمال والا جواب ملتا ہے کہ یہ حدیث بھی شیعوں کی وضع کردہ ہے خدا جانے وہ کونسی کتاب ہے جس پر ان کا اعتماد کلی ہو جب یہ لوگ کتب احادیث سے دم گھٹتا دیکھتے ہیں۔ تو فوراً قرآن یاد آجاتا ہے اور کہتے ہیں کہ بس ہمیں قرآن کافی ہے لیکن جب اسی کلام الٰہی سے یوصیکم اللہ۔ ولکل جعلنا موالی۔ وغیرہ آیات میراث کو پیش کیا جاتا ہے تو پھر اسی بخاری کی حدیث لانورث سے تخصیص کرنے لگ جاتے ہیں۔ درحقیقت ان بزرگواروں کا اعتماد کسی چیز پر معلوم نہیں ہوتا۔ صرف حضرات شیخین کی عزت بچانا مطلوب ہے۔

پیغمبر نے قلم دوات کیوں طلب کی؟

اصل میں یہ سارے سبق حضرات شیخین کے ہی فرمودہ ہیں۔ خم غدیر کے موقعہ پر من کنت مولاہ فعلی مولاہ پیغمبر خدا نے ارشاد فرما کر علیؑ کی خلافت بلافصل کا فیصلہ فرما دیا تھا حضرت عمرؓ نے علیؑ کی خدمت میں مبارک

بھی پیش کی عنی۔ نگاہِ نبوت چونکہ سابقہ تعلقات اور واقعات سے پہچان چکی تھی لہٰذا خیال شریف میں آیا کہ یہ بزرگ اگرچہ زبان سے اقرار تو کر رہا ہے مگر حقیقت قلب سے یہ آواز نہیں آ رہی۔ غدیر کے موقعہ پر تو کچھ نہ کہا کیونکہ بظاہر وہ خلافتِ علیؑ کو تسلیم کر چکا تھا۔ لہٰذا اس حقیقت کے انکشاف کا کوئی دوسرا موقع جناب رسولِ خدا ڈھونڈنے لگے حضرات اہل سنت کہتے ہیں کہ جب خم غدیر کو خلافت کا اعلان ہو چکا تھا تو ایام بیماری میں پیغمبر کا قلم دوات مانگنا تحریر خلافت کیلئے نہیں تھا۔ واقعی جو لوگ پیغمبر خدا کی نبوت پر ایمان لا چکے تھے ان کیلئے تو ضروری نہیں تھا خم غدیر کا واقعہ دشمن کے لئے بھی صریح نص تھی مگر پیغمبر کی ذاتِ گرامی اپنے آخری وقت میں اپنی ساری مجلس پہ واضح کرنا چاہتی تھی کہ بخٍ بخٍ لک یا علی ابن ابیطالب کہنے والا اگر خم غدیر کے موقعہ پر دل سے اپنے نبی کے قول کی تصدیق کر چکا ہوتا تو آج میرے قلم و دوات کے طلب کرنے پر حسبنا کتاب اللہ کہکر مجھ پر ہذیان کی تہمت نہ لگاتا۔ درحقیقت قضیہ قرطاس کا فلسفہ اسی حقیقت پر مبنی ہے ورنہ پیغمبر پاک ملاحظہ فرما رہے تھے کہ علی کو خلافت و حکومت پر کوئی نہیں بیٹھنے دیگا خواہ میں تحریری وصیت لکھواؤں یا غدیر پر اعلان کر دوں۔ مطالبہ قرطاس حضرت ثانی کے قلبی اعتقاد کے انکشاف پر مبنی تھا۔ ہاں یہ جملہ معترضہ تھا جو درمیان میں آ گیا میں عرض کر رہا تھا کہ ان بزرگواروں کا جس چیز سے مطلب نکلتا نظر آیا اسی کو عروہ وثقیٰ خیال کیا مصنف صاحب نے شاہ ولی دہلوی کے اس اعتقاد پر تو عمل کیا کہ چوتھے درجہ کی کتابیں ناقابلِ حجت ہیں۔ مگر جب یہی شاہ ولی اللہ اپنی کتاب ازالۃ الخفا مقصد ۲ صد ۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ و عباس نے بھی صحیح ابن اللہ سے تمسک ہو کر مطالبہ وراثت کیا جیسا کہ تفصیلاً ہم پہلے لکھ چکے ہیں تو پھر جناب والا کو کیوں انکار ہے۔ یہی بزرگ امام الہند محدث دہلوی بخاری و مسلم کی توثیق کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں۔ واما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع بالقطع وانہ کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین ترجمہ تمام محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ بخاری و مسلم کی احادیث قطعی طور پر صحیح ہیں اور جو بخاری و مسلم کے امر کی توہین کرے یعنی (بخاری و مسلم کی حدیث کے کسی راوی کو شیعہ خیال کرے) وہ گمراہ اور بدعتی اور مومنین کی راہ کے خلاف چلنے والا ہے لیجئے شاہ ولی اللہ کے ایک فرمان سے قبلہ شاہ صاحب جان چھڑا گئے اور دوسرے فرمان کی بنا پر گمراہ اور بدعتی کہلوایا اب جو فتویٰ چاہو قبول کرو ہمارا تو ہر طرف سے گھر ٹوٹا ہے۔ کنز العمال کی حدیث کے راویوں کے شیعہ ہونے کے متعلق ہم کیا جواب دیں جبکہ طبقہ اول کی کتاب بخاری کی حدیث فدک کا راوی بیچارہ ابن شہاب زہری بقول شاہ صاحب اسی مرضِ شیعیت میں گرفتار ہے حقیقتاً کنز العمال کی روایت کے راوی شیعہ نہیں تو یہی مصنف نے بے تکی اڑادی ہے ورنہ شیعہ سنی کتب اسماء الرجال سے اس امر کا ثبوت تحریر کرتے۔ دعویٰ بلا دلیل لغو اور باطل ہوتا ہے ناظرین کے اطمینان کیلئے ہم کتب اہل سنت سے کنز العمال کی توثیق کر دیتے ہیں تاکہ تمام شبہات رفع ہو جائیں۔ اور جناب شاہ صاحب کی خام خیالی بھی طشت از بام ہو جائے۔

کنز العمال کی توثیق

خود مصنف تحقیق فدک نے تحریر فرمایا ہے کہ کنز العمال درحقیقت سیوطی کی جمع الجوامع ہے۔ مقدمہ مشکوٰۃ مطبوعہ بمبئی از تالیف شیخ عبدالحق دہلوی میں ہے "ولقد اورد السیوطی فی کتاب جمع الجوامع من کتب کثیرۃ یتجاوز خمسین مشتملۃ علی الصحاح والحسان والضعاف وقال ما اوردت فیہا حدیثاً موسوما بالوضع اتفق المحدثون علی ترکہ" ترجمہ: سیوطی نے جمع الجوامع میں بہت احادیث جمع کی ہیں اور اس نے التزام کیا ہے کہ میں نے اس میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی جس کے موضوع یا متروک ہونے پر محدثین نے اتفاق کیا ہو۔ اور کنز العمال جمع الجوامع کی باب بندی ہے۔ لہٰذا اس میں بھی کوئی ایسی حدیث نہیں جس کے موضوع یا متروک ہونے پر علماء اہل سنت کا اتفاق ہو۔ ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کنز العمال کی روایت جس کو محدث جوکیدی نے موضوع لکھا ہے یہ صرف ان کا اپنا مختار ہے اور اس مختار میں یہ بزرگ خلاف جمہور امت کے منفرد نظر آتے ہیں۔ لہٰذا ان کا عقیدہ منفردہ قابلِ التفات نہیں۔ علی متقی مؤلف کنز العمال کے حق میں ابتدائے مسند احمد مطبوعہ مصر میں طبقات شعرانی سے نقل کیا گیا ہے کہ علی متقی عالم پرہیزگار اور کثیر الصحت وغیرہ صفات سے موصوف تھا اور احادیث قابل جرح پر سیوطی نے جرح لکھی ہے۔ لہٰذا جن پر سکوت ہے وہ قابلِ حجت ہیں۔

کنز العمال میں کوئی حدیث موضوع نہیں

مقدمہ کنز العمال جلد ۱ ص۲ میں علامہ علی متقی فرماتے ہیں جامع صغیر مع زوائد ملخص جمع الجوامع من قسم الاقوال کی باب بندی کر کے میں نے کتاب کا نام منہج العمال فی سنن الاقوال رکھا۔ پھر باقی قسم اقوال جمع الجوامع کو اسی باب بندی میں شامل کر کے اس کا نام الاکمال من منہج العمال رکھا۔ اور احادیث اکمال سے پہلے میں نے احادیث منہج المقال کو ذکر کیا ہے۔ اور لفظ اکمال تحریر کر کے تمیز کر دی ہے کیونکہ سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ احادیث مندرجہ جامع صغیر صحیح یعنی بڑی صحیح ہیں۔ چنانچہ جامع صغیر کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے اور جامع صغیر کے خطبہ میں سیوطی نے لکھا ہے۔ میں نے تحریر تخریج میں بڑی کوشش کی ہے۔ پوست کو پھینکا اور مغز کو چن لیا۔ اس تصنیف کو میں نے ایسی حدیث کو درج کرنے سے محفوظ رکھا ہے جس کا راوی منفرد، وضاع یا کذاب ہو۔ اس لئے یہ کتاب باقی کتب پر فوقیت رکھتی ہے اور اس میں وہ خوبی ہے جو دوسری کتب میں نہیں ہے۔

سکوتِ سیوطی قابلِ حجت ہے

ہم نے کنز العمال اور جمع الجوامع کی توثیق پر اس لئے زور دیا ہے کہ ایک تو وہ روایت جس میں علی علیہ السلام نے قرآنی آیات وراثت کو ابوبکر کے سامنے پیش کیا ہے طالبانِ تحقیق کے لئے قابلِ اعتبار ثابت ہو صرف شاہ صاحب کے بلاسند دعویٰ پر اعتماد نہ کریں۔ دوسرے ان دونوں کتابوں کی توثیق اس لئے ضروری ہے کہ ہبہ فدک کے رواۃ پر بھی شاہ صاحب نے شیعیت کا الزام لگا کر نا قابلِ قبول لکھا ہے حالانکہ ہبہ فدک کی روایت کو کنز العمال ۔جمع الجوامع ۔لباب النقول۔ درمنثور میں علی متقی اور سیوطی نے درج کیا ہے۔ اور روایت ہبہ یا روایت متنازعہ فیہ پر سیوطی اور علی متقی نے سکوت اختیار کیا ہے اور ان دونوں کا کسی روایت کے اسناد پر سکوت قابلِ حجت ہوتا ہے۔ لہذا ہم نے اسی جگہ توثیق و تصدیق ان روایات کی تحریر کر دینا مناسب خیال کی ہے تاکہ ہبہ فدک کے بیان میں دوبارہ طوالت سے کام نہ لینا پڑے۔

جس نے کتب سیوطی کا مطالعہ کیا ہے اس پر اس کی وسعت نظر کتب کی مخفی نہیں۔ اور اُس کا ضبط اور کمال علم اسی سے ثابت ہے کہ کسی حدیث کا ذکر نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ اس کی علت اور ضعف اور صحت وحسن سب ذکر کر دیتا ہے۔ اور جس جگہ سکوت بھی کر جائے تو وہ حدیث صحیح یا حسن قابلِ حجت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ایسی حدیث پر کبھی سکوت نہیں کرتا جو بے اصل ہو یا اس میں علت شدید ہو۔ پس اس کی ہر کتاب سنن ابی داؤد کے طبقہ میں ہوگی۔

ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں سیوطی کے سکوت پر اعتماد کیا ہے۔ اقامۃ الحجۃ مولفہ عبدالحی لکھنوی نے سیوطی اور ابن حجر کو ایسے ثقات میں شمار کیا ہے کہ ان کی نقل کردہ حدیث بلا اسناد معتبر ہے اور اسی فاضل لکھنوی نے اپنے رسالہ زجر الناس میں سکوت سیوطی سے استدلال کیا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو فلک النجاۃ باب اصول حدیث کنز العمال وجمع الجوامع کی توثیق دیانتدار حضرات کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اب قبلہ شاہ صاحب کو چاہئے کہ ان دونوں روایتوں پر سیوطی کی جرح پیش کریں یا بصورت دیگر علماء محدثین اہل سنت کے اصول حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے عداوت اہلِ حق سے باز آجائیں۔ ورنہ ذلت آپ کو ہی اٹھانا پڑے گی۔ کیونکہ مقولہ مشہور ہے۔ "پہاڑ سے ٹکر لینا اپنا ہی ستیاناس کرنا ہے"۔

بس اس جگہ پر شاہ صاحب نے باب اول میراثِ انبیاء کو ختم کیا ہے۔ لہذا ہم بھی توریث انبیاء کا بیان ختم کرتے ہیں۔ ناظرین حضرات کی ضیافت طبع کیلئے اتنا کچھ کافی ہے۔ جو صاحب اس سے زیادہ

طالب تحقیق ہو وہ فلک النجاۃ، تشئید المطاعن وغیرہ کتب بسیطہ کا مطالعہ کرے۔ انشاء اللہ علمائے شیعہ کے کافی وشافی جوابات پڑھ کر حق وباطل میں فیصلہ کر سکے گا۔ بشرطیکہ عقل وفہم اور فطرت سلیم رکھتا ہو۔ ہماری تحقیقات اور علمی استعداد کا یہی اقتضا تھا جو آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیا ہے ؎

ہفتاد و دو فریق حسد کے عدد سے ہیں اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

باب دوئم فضائل جناب زہرا علیہا السلام میں

مصنف تحقیق فدک نے باب دوئم کا افتتاح حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی شان میں چند ایک فضائل لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ہم بھی جناب معصومۂ کونین کے دربار عالیہ میں عقیدت رکھتے ہیں ؎

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل بنایا ہے بتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

زبان کی محبت کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک دلی عقیدت نہ ہو چنانچہ اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے فضائل سے کتب فریقین لبریز ہیں۔ سارے اہل اسلام آں معصومہ کے اوصاف حمیدہ کے دل وجان سے گرویدہ ہیں۔ آپ ہی کی ہستی ہے جس کے متعلق آج تک دو رائیں پیدا نہ ہو سکیں۔ یہاں تک کہ جب حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین کون تھا تو فرمایا فاطمہؑ پھر پوچھا گیا کہ فاطمہ علیہا السلام کے بعد محبوب ترین کون تھا۔ فرمایا حضرت فاطمہؑ کے خاوند حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ وہ آپ کی ذات جامع کمالات ہے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس ہستی کو خاص اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے وہ آپ ہی کی ذات ستودہ صفات ہے۔ آنحضرتؐ جب سفر پر روانہ ہونے لگتے تو آخری وداع جس سے کرتے وہ آپ کی ذات ہوتی تھی۔ اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو سب لوگوں سے پہلے جس سے ملاقات کرتے وہ آپ ہی کی ذات منبع سعادات ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو تمامی بہشتی عورتوں کی سیادت سے سرفراز فرمایا اور دنیا کی ساری عورتوں کی سرداری کا مژدہ سنایا۔ (تحقیق فدک صلا)

فضائل بنت الرسول | قبل اس کے کہ ہم فضائل مذکورہ پر بحث کریں۔ دل چاہتا ہے کہ

اس عظمت والی بی بی خاتون معظمہ کے کچھ اور فضائل بطور مشتے نمونہ از خروارے کتب اہل سنت سے پیش کرکے ناظرین کی روحانی غذا کا سامان مہیا کریں تاکہ اس خاتون معظمہ کے عقیدتمندوں کو پتہ چل جاوے کہ اتنی باعظمت بی بی عالیہ کو باوجود اتنے فضائل کثیرہ شہیرہ کے کارکنان سقیفہ نے کیوں قابل احترام نہ سمجھا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۶۲۵ پر باب مناقب اہل بیت میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ جب خانہ فاطمہؑ سے گذر کرتے تھے نماز فجر کیلئے تو فرماتے تھے الصلوٰۃ یا اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا یعنی آیہ تطہیر کا مصداق صرف یہی حضرات خمسہ نجباء ہیں اور اس آیہ تطہیر سے ان حضرات کی عصمت و طہارت ثابت ہے۔ نیز ام سلمہ سے روایت ہے کہ مسجد میں جنب مرد اور حائض عورت داخل نہیں ہوسکتی۔ مگر علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ داخل ہوسکتے ہیں۔ یہ روایت بھی مؤید عصمت اہل بیت نبوت ہے۔ یہی مضمون بالا براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ میں بھی درج ہے صفحہ ۶۶۶ جلد ۲ پر تحریر کرتے ہیں کہ ہیچ کس بحسب شرف ذات و طہارت طینت و پاکی جوہر بفاطمہؑ و حسنینؑ نرسد۔ یعنی دنیا کا کوئی شخص بھی ان حضرات کی طینت و پاکی جوہر اور شرافت ذات کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پھر اسی صفحہ ۶۷۶ پر تحریر کرتے ہیں کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی ویوذینی ما اذاھا۔ یعنی فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ امام سبلی نے اس لفظ سے استدلال کیا ہے۔ کہ دشنام دہندہ فاطمہؑ کافر ہوجاتا ہے۔ اور جس نے جناب فاطمہؑ کو ناراض اور خشم آلود کیا۔ اس نے مجھے غضبناک کیا۔ جس نے فاطمہؑ کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی۔ پھر صفحہ ۶۸۱ پر ایک حدیث لکھتے ہیں کہ قال لعلی وفاطمہ والحسن والحسین انا حربٌ لمن حاربھم وسلم لمن سالمھم یعنی میں جنگ کرنے والا ہوں اس سے جس نے ان حضرات سے جنگ کی۔ اور صلح کرنے والا ہوں ان سے جنہوں نے ان سے صلح رکھی۔

علامہ ابن حجر مکی جیسا متعصب اور سنی مناظر اپنی کتاب صواعق محرقہ کے ترجمہ براہین قاطعہ فارسی کے صفحہ ۶۷۰ پر تحریر کرتا ہے کہ جناب فاطمہؑ کے اسم مبارک کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔ طبرانی نے روایت کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میری بیٹی سفید چہرے والی اور حیض و نفاس و آلائش نسوانیت سے پاک ہے۔ خدا نے جناب فاطمہؑ اور ان کے دوستوں پر آگ دوزخ کی حرام کردی ہے۔ اور نہ ہی جناب فاطمہؑ کی اولاد میں

سے کوئی شخص دوزخ میں جائے گا۔

یاد رکھنا چاہیئے یہاں اولاد سے وہ سادات مراد ہیں جو اپنی جدّہ محترمہ کو دعویٰ فدک میں سچّا خیال کرتے ہیں اور مخالف جناب زہرا کو باطل پر جانتے ہیں۔ بصورت دیگر ہوا خواہان اہل سقیفہ جو مقدمہ فدک میں مدعا علیہ کو حق پر خیال کرتے ہیں۔ باوجود اولاد جناب فاطمہ ہونے کے جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ ان کو یہ دعویٰ زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ سیادت کا ٹائیٹل اپنے اوپر چسپاں کرکے بھولی بھالی امت کو گمراہ کرتے پھریں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ اُمتی بھی ان کو والدین کا عاق کہیگا۔ جناب پیغمبر صلعم اور معصومین حضرات کی سفارش ایسے لوگوں کو قطعًا حاصل نہیں ہوگی۔ بے فکر رہیں۔ اہل انصاف کو ایسے لوگوں کا قیاس کنعان پسر حضرت نوح سے کرنا چاہیئے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا جو درمیان میں آگیا۔ ہمارا یہ مقصد نہیں جو کسی کی خانہ تلاشی کرتے پھریں کہ اولادِ فاطمہ کہلوانے کا حقدار ہے یا نہیں۔

مصنف تحقیق فدک ص۳۷ پر لکھتے ہیں کہ بروزِ حشر منادی ندا کرے گا کہ اے اہلِ محشر اپنی آنکھوں کو بند کرو اور سروں کو نیچا کر دو تاکہ یہاں سے جناب فاطمہ بنت محمدؐ کا گزر ہو جائے۔ سبحان اللہ ایسے ہیبت ناک ماحول میں بنت رسول کا پورے جلال کے ساتھ گزرنا اور انبیاء کی گردنوں کا خم ہو جانا ہی صداقت و عصمت جناب فاطمہ علیہا السلام کیلئے کافی ہے۔ فضائل جناب فاطمہ علیہا السلام اتنے زیادہ ہیں کہ تحریر کرنا ہی طاقت انسانی سے باہر ہے۔ پھر مجھ جیسا بے بضاعت انسان کیا لکھ کر پیش کرے۔ یہ چند فضائل اہلِ ایمان کی روحانی غذا کیلئے تحریر کئے گئے ہیں جو آدمی زیادہ شوق رکھتا ہو وہ کتب مناقب کا مطالعہ کرے۔ اب حضرت شاہ صاحب کے مرقومہ فضائل پر قدرے تبصرہ کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کو علم ہو جائے کہ قبلہ گرامی قدر ان فضائل پر عقیدت نہیں رکھتے۔ حضرت صاحب کا ان فضائل کو تحریر کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ :- "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور"۔

تبصرہ قبلہ بخاری صاحب نے جدّہ سادات کو لفظ معصومہ سے یاد فرمایا ہے۔ ہم نہایت ہی ادب سے جناب والا کی خدمتِ عالیہ میں گزارش کرتے ہیں کہ آپ واقعی جناب بی بی پاک کو معصوم عن الخطا خیال کرتے ہیں یا صرف عامۃ الناس کو دھوکا دینے کیلئے تحریر فرما دیا ہے۔ اگر آپ معصوم جانتے ہیں تو جناب والا بی بی پاک کی عصمت پر کونسی قرآن و حدیث کی نص ہے جس سے معصومہ کی عصمت کا

عقیدہ لکھا گیا ہے۔ اگر آیۂ تطہیر پیش کریں گے تو مقصد حل نہیں ہو سکتا کیونکہ اسی آیۂ تطہیر میں آپ ازواج نبی کو
بھی شامل کرتے ہیں جو بالاتفاق معصوم نہیں ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ کچھ افراد اسی ایک آیہ کے مصداق ہوں اور
ان میں سے چند شخصیتیں معصوم خیال کی جائیں اور چند کو مستثنیٰ کیا جائے۔ پھر اس کی دوسری صورت یہ ہوگی کہ ازواج
نبی کو اس آیۂ تطہیر کا مصداق قرار نہ دیا جائے۔ یہ بھی آپ کے لئے امر محال ہے۔ یا پھر آپ ازواج نبی و اہل بیت نبی
دونوں کو معصوم خیال کریں۔ اگر ایسا سمجھا جائے تو آپ کا بی بی پاک کو معصوم لکھنا اور فضائل تحریر کرنا بے معنی ہو جاتا
ہے کیونکہ اس عصمت میں بی بی کی تخصیص نہ رہی۔ جب تخصیص نہ رہی تو وہ فضیلت شمار نہیں کی جا سکتی جبکہ غیر
معصوم بھی اس میں شمار کئے جائیں۔ ازواج نبی کو معصوم خیال کرنا بعید از عقل ہے کیونکہ شرائط عصمت ان پر منطبق
نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ہی آج تک فریقین میں سے کسی نے ان کی عصمت کا اقرار کیا ہے۔ جناب بی بی عالیہ کو عقیدتاً
معصومہ تحریر کرنا آپ پر ایک اور مشکل وارد کر دیتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ معصوم کی صداقت اور علمی جلالت قدر کی شہادت
قرآن میں موجود ہے۔ اس صورت میں معصومہ کا مد مقابل مدعا علیہ جھوٹا اور کاذب تصور ہوگا۔ دعویٰ وراثت کو معصومہ
ثابت کر رہی ہے۔ مخالف ایک حدیث سنا کر باطل قرار دے رہا ہے۔ معصومہ کے شاہد حقیقی خدا و رسول گواہی دے
رہے ہیں کہ واقعی فاطمہ زہرا سچ بول رہی ہے۔ مگر مخالف لکنی لا اعرف عصمت تولک (تفسیر کبیر) کہہ کر جھٹلا
رہا ہے۔ جناب والا بی بی پاک کو معصوم لکھنا آپ کیلئے سوہان روح ہو گیا۔ مہربانی فرما کر آئندہ ایڈیشن میں اس
عقیدہ سے باز آجائیں یا پھر مخالف زہرا کو غاصب خیال فرماویں جیسی آپ کی مرضی ہو۔

پھر ایک مقام پر قبلہ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہرا کی تعظیم کیلئے جناب ختم الانبیاء
کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ بیشک حضرت صاحب نے ٹھیک فرمایا۔ ہمارے عقیدہ کی ترجمانی کر دی۔ صاحب صحیح
ترمذی نے اس روایت کو لکھ کر تصدیق کر دی ہے۔ ناظرین خیال فرماویں۔ کہ کتنی بابرکت اور عظمت والی خاتون ہے۔
جس کی عزت و احترام کیلئے عالمین کا سردار کھڑا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ باپ کیلئے بیٹی کی بایں طور تعظیم کرنا شرعاً
واجب نہیں۔ یہ حقیقت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے جبکہ خود شارع شریعت مقدسہ اپنی امت کو یوں حکم دیتا
ہے کہ ہر بیٹی یا بیٹا اپنے والدین کی تعظیم بایں طور بحیثیت وجوب کرے تو خود آنجناب کی ذات مطہرہ اس کے برعکس
کیوں کرکے اُمت پر اپنی دختر نیک اختر کی عظمت کو واضح طور پر ظاہر فرما رہی ہے؟ اس رمز خفیہ کو خود بیٹی کا باپ
جانے یا ان دونوں کا خالق۔ بہرحال عقل انسانی جہاں تک کام کر سکتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نگاہ نبوت مستقبل
کے پردہ میں اپنی موت کے بعد اپنے جاں نثار صحابہ کے ہاتھوں اپنی بیٹی کے حق میں کچھ ناموزوں امور کا ظہور

ملاحظہ فرمایئے   اسی واسطے اپنے متبع صحابہ کو اپنی دختر کی عظمت حقیقیہ سے باخبر کرنا مقصود تھا ایسی قسم کے اور واقعات قولی و فعلی حیثیت سے لوگوں کے سامنے اپنے حاشیہ نشینوں کو تاکیداً دکھاتے رہے تاکہ یہ بزرگوار اجر رسالت ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کر سکیں۔ بفرض محال اگر یہ لوگ میری سنت پہ نہ چلیں تو ان کی میری طرف سے ایک حجت قائم ہو جاوے تاکہ میدانِ حشر میں یہ لاجواب ہو کر ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار کے مصداق بنیں۔ کیا حضرت بخاری صاحب ارشاد فرما سکتے ہیں کہ حضرات شیخین نے سنت رسولؐ کے مطابق حضرت زہرؑا کا استقبال کیا تھا۔ جبکہ ورثہ مانگنے کے لئے دربارِ خلافت میں تشریف لے گئی تھیں۔ میرے خیال میں بی بی پاک نے ضرور انتظار کیا ہو گا کہ میرے بابا کا یار غار ضرور مسندِ حکومت سے اُٹھ کر پیش قدمی کو آئے گا۔

جناب ختمی مرتبت فخر الانبیاء کا اپنی دختر کی تعظیم کھڑے ہو کر کرنا اور پیغمبر کے ہر قول و فعل کی تصدیق کا خود کلام الٰہی میں ہونا اللہ تبارک و تعالےٰ کا اپنے نبیؐ کے ہر قول و فعل کو اپنی طرف منسوب کرنا بی بی کی عظمت و شان کو اور بھی دو بالا اور وجوب احترام کو اور بھی موکد کر دیتا ہے۔ جیسا کہ کلام مجید میں اللہ جل شانہٗ نے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کہہ کر پیغمبر کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا پیغمبر خواہشات کی پیروی میں کلام نہیں کرتا۔ نہ وہ کسی ذاتی غرض کی بنا پر تعظیم کرتا ہے۔ بلکہ اس کی زبان سے تو وہی کچھ نکلتا ہے جو میری طرف سے اسے بطور وحی پہنچے۔ گویا جس کے لئے میں اسے حکم دوں کہ فلاں ذات کی منقبت بیان کر اور فلاں کی منقصت تو تب ہی وہ بیان کرتا ہے۔ نہ وہ ذاتی قرابت کی بنا پر کسی کی تعریف اور تعظیم کرتا ہے اور نہ ہی خواہشِ نفس کے ماتحت کسی سے عداوت رکھتا ہے پس اس کا مسلک البغض للہ والحب للہ ہے۔ سرٹیفکیٹ بالا تو پیغمبرؐ کے قول کا تھا۔ اب فعلِ پیغمبرؐ کو خلاقِ عالم ان الفاظ میں اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ یعنی اے پیغمبر یہ کنکر تو نے نہیں پھینکے   جس وقت کہ تُو نے پھینکے ہیں۔ بلکہ اللہ نے پھینکے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کے ہاتھ کا فعل خدا کا فعل ہوا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے پیغمبرؐ کی آنکھ۔ کان۔ پاؤں کے افعال بھی اسی ذات کی طرف منسوب ہوں گے۔ پیغمبر اسلام کا اُٹھنا اور کھڑا ہونا بحکم خداوندِ عالم کھڑا ہونا یا بیٹھنا

سمجھا جاوے گا۔ آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

ایک مثال

ضلع کا ڈپٹی کمشنر بادشاہ کے تاج کا نمائندہ ہوتا ہے۔ ضلع کے اندرون میں اگر ڈی سی کسی فرد رعیت کے ساتھ توہینی پہلو اختیار کرے یا کسی کے لئے تعظیماً کھڑا ہوجائے وہ فعل خود بادشاہ کا تصور ہوگا۔ یعنی ڈپٹی کمشنر کا فعل اصل میں بادشاہ کا ہے۔ ضلع کے اندر کوئی بادشاہ پر مقدمہ کرنا چاہے تو ڈپٹی کمشنر پر کرسکتا ہے۔ اسی واسطے خلاقِ عالم نے اپنے نبیؐ کے ہر قول و فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ اپنا نمائندہ مقرر کرکے دنیا پر بھیجا تھا۔ حضرات ناظرین انصاف فرمائیں کہ کتنی باوقار اور عظمت والی خاتون ہے کہ جس کی تعظیم خود خالقِ کائنات کر رہا ہے۔

غضب فاطمہؑ غضب رسولؐ ہے

پیغمبر اسلام کا الفاطمہ بضعۃ منی من اغضبہا اغضبنی (بخاری) فرمانا دلیل ہے اس امر کی کہ جس شخص پر یہ بی بی غضب ناک اور خشم آلود ہوجاوے اور مرتے دم تک اس کو دیکھنا اور کلام کرنا بھی پسند نہ کرے۔ یہاں تک کہ اپنے جنازہ پر بھی اس کو نہ آنے دے۔ خود پیغمبرؐ اسلام کا غضب ناک ہوجاتا ہے۔ جس پر یہ بی بی رضامند ہو اس پر پیغمبر اسلام بھی رضامند ہوجاتا ہے۔ کتنا بدنصیب ہے وہ انسان جس نے ایسی طاہرہ و معصومہ بی بی کو محروم الارث کرکے غضب ناک کیا۔ اور کتنا خوش قسمت ہے وہ انسان جس نے اس خاتون کے دروازہ پر خاک ردبی کی۔ عنقریب ہم انشاءاللہ مسلمات خصم میں سے ثابت کریں گے کہ وہ کون حضرات ہیں۔ جنہوں نے اس بی بی کو غضب ناک کیا۔ جس جگہ پر شاہ صاحب نے بخاری کی حدیث پر جرح کی ہے۔ وہاں ہم نہایت شرح و بسط کے ساتھ کتب اہلِ سنّت کی عبارتیں پیش کریں گے۔

مغضوب خدا ورسولؐ بنصِ قرآن جہنمی ہے

اب معلوم ہُوا کہ غضب فاطمہؑ درحقیقت غضبِ رسولؐ ہے۔ اور غضب رسولؐ غضب خدا ہے اور جس پہ خدا غضب ناک ہوجائے۔ اس بیچارے

کا کیا ٹھکانا۔ہم قرآنِ حکیم سے مغضوب خدا اور رسولؐ کی پوزیشن ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ پاک اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔ ان الذین یوذون اللہ ورسولہٗ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لھم عذاب مھینا۔(ترجمہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں۔ ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے۔ اور ان کیلئے سخت عذاب تیار ہے (پارہ ۲۲ سورۂ احزاب) آزار دہندۂ جناب فاطمہ آزار دہندۂ رسولؐ ہے۔ اس بات کو خود مصنف تحقیق فدک نے قبول کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جناب پیغمبر نے حضرت فاطمہ کی خوشی اپنی خوشی اور آپ کا رنج اپنا رنج فرمایا ہے۔ تحقیق فدک ص۴۔ نیز بخاری کی حدیث ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مغضوبِ فاطمہ مغضوبِ رسولؐ ہے۔ جناب زہرا علیہا السلام کا شیخین پر تادمِ مرگ غضبناک رہنا بھی ہم ثابت کریں گے۔ قرآن شریف سے آیات لکھ کر ثابت کر دیا گیا ہے۔ کہ اہل بیت عظام اور خدا ورسولؐ کا تکلیف دہندہ لعین اور دوزخ کا ایندھن ہے۔

یہ تھی مختصر بحث ان فضائل پر جن کو شاہ جی نے اپنی تحقیق فدک میں تحریر فرمایا ہے۔ میں بالکل سچ لکھ رہا ہوں کہ شاہ صاحب کا ایسا عقیدہ نہیں ہے۔ ورنہ اس عقیدہ کی موجودگی میں اہل بیتؑ کے تکلیف دہندگان کو ہرگز قابلِ خلافت اور سزاوارِ مدح نہ سمجھتے۔ اگر انہیں ایسا خیال کرتے ہیں تو لازمی طور پر اہل بیت کے فضائل مرقومہ کے معترف نہیں۔ محض اپنے ساتھ لفظ سیّد کے ہونے سے قدرے شرم محسوس کرتے ہوئے چند فضائل لکھ دیئے ہیں۔ ورنہ درحقیقت اپنی تمام تصنیف میں اصحاب ثلاثہ اور دکانے اہلِ جماعت کی نمک خواری کا حق ادا کیا ہے۔ اور اپنی ساری عمر کی علمی تحقیقات اور محنتِ شاقہ کو مخالفتِ جناب شہیدۂ ظلم میں حضرت شیخین کے قدومِ میمنت لزوم پر نثار کر کے طوقِ غلامی اپنی گردن میں آویزاں کیا ہے۔ مبارک ہو۔

ایک لطیفہ جہاں کہیں حضرت شاہ صاحب اپنے جذبات میں حد سے زیادہ محو ہوئے وہاں عقل اور حافظہ کو بھی خیرباد کہدیا۔ اور جو فقرہ غیر کیلئے وضع کیا تھا اس کو اپنے اوپر ہی چسپاں کر دیا۔ مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں نعوذ باللہ من شرور انفسنا وسیئات اعمالنا ترجمہ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس اور اعمال کی بُرائیوں سے۔ درحقیقت شاہ صاحب کا مقصد تو شیعوں کے نفوس کی خرابیوں اور اعمال کی بُرائیوں سے پناہ مانگنا تھا۔ چونکہ نفوس شیعہ کی پاکیزگی قدرت کو مقبول تھی لہذا مخالف کی عقل کو سلب کر لیا۔

بقول مصنف بی بی عالیہ تارک الدنیا تھی

فضائل جناب سیدہ تحریر کرنے کے بعد مصنف تحقیق فدک استدلال پیش کرتے ہیں کہ ایسی تارک الدنیا بتول بی بی کو دنیادار نہیں کہا جا سکتا اگر ایسی بی بی کو کوئی شیعہ دنیا دار خیال کرے۔ تو وہ ظلوم وجہول ہے۔
تحقیق فدک ص۲۶

سبحان اللہ کیا اچھا استدلال ہے گویا شاہ صاحب کے خیال میں زہد کا معنی یہ ہے۔ کہ انسان اپنی ضروریات بشریہ اور لوازمات زندگی کو بھی بالکل ترک کر دے۔ نہ وہ کچھ کھائے۔ اور نہ کچھ پیئے۔ بس ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر زندگی گذار دے۔ لباس کی بھی ضرورت نہیں۔ کیا انسان ایسا کرکے تین دن سے زائد زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر زہد وتقویٰ اسی چیز کا نام ہے تو خود علماء اہل سنت حضرت ابوبکر کو بموجب حدیث مشکوٰۃ لان تو مروا ابابکر تجدوہ زاھدا فی الدنیا وراغبا فی الآخرۃ) زاہد الناس خیال کرتے ہیں۔ جب اہل سنت کا پیرو مرشد باوجود حکومت اور دنیاوی مال رکھنے کے زاہد ہو سکتا ہے۔ تو اہل بیت نبوی کے زہد وتقویٰ میں مال دنیا کے استعمال کرنے سے کیوں فرق آ سکتا ہے۔ کیا ان حضرات کو کھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیا ان کے لوازمات بشری مفقود تھے۔ کیا انہیں دنیاوی مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی سمجھ نہ تھی۔ زہد اس چیز کا نام نہیں جیسا کہ شاہ صاحب کا مزعوبہ ہے کہ دنیاوی رزق میں سے کوئی چیز پاس نہ ہو۔ بلکہ زہد تو اس چیز کا نام ہے۔ کہ انسان مال دنیا کو جائز طریقہ سے استعمال کرے۔ حلال اور حرام کی شناخت رکھتا ہو۔ جس مال یا جس مال پر ناجائز ہونے کا شبہ ہو۔ وہاں رک جائے جیسا کہ امام معصوم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ازہد الناس من وقف عند الشبہات۔ یعنی زاہد ترین لوگوں میں سے وہ ہے۔ جو شبہ کے مقام پر توقف کرے۔ زاہد کی غذا طاہر اور پاک ہونی چاہیئے۔ اکل حلال اور صدق مقال زہادت کا عنوان ہے جس میں یہ چیز نہیں وہ زاہد نہیں ہو سکتا۔ بیشک اہل بیت کرام ازہد الناس تھے۔ ان کے مقابلہ میں کسی کا زہد وتقویٰ پیش کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ کیا اہل بیت کے جائز مطالبہ ارث کرنے سے زہد چلا جاتا ہے؟ اور ابوبکر حقوق غیر کو غصب کرنے کے باوجود بھی زاہد کہلا سکتا ہے۔ یہ محض یار لوگوں کی افسانہ تراشیاں ہیں۔ ان کا مقصد صرف سیاست عمریہ کی نشرواشاعت ہے۔ ورنہ اہل بیت کو مال حلال کے استعمال کرنے کی اس کو راہ خدا میں خرچ کرنے کی ہر وقت ضرورت رہا کرتی تھی جس پر قرآن حکیم کی آیہ مبارکہ یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا شاہد ہے۔ نیز خود رسول پاک جو ازہد الناس تھے۔ بموجب آیہ کریمہ

واعلموا پارہ نمبر۱۰ اپنا حصۂ خمس مال غنیمت سے وصول کرتے تھے۔ مگر جناب رسالتمآب پھر بھی زاہد ہے۔ اگر ان کی بیٹی اپنا حصہ طلب کرے تو آپ کے نزدیک منافی زہد ہے۔

مصنف کا تجاہل عارفانہ تحریر فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے خلیفہ اول سے زمین فدک کا مطالبہ کیا۔ اور نہ ملنے پر ناراض ہو گئیں۔

تحقیق فدک ص۱۰۱

دیکھئے! شاہ صاحب نے کیا لطیف پیرایہ میں تجاہل عارفانہ سے کام لیکر مطالبہ زہرا کا ذکر فرمایا۔ اپنے مزعومہ کو صیغۂ مجہول میں بیان کرکے ناظرین کو شبہ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ عبارت مذکورہ سے پتہ نہیں چلتا کہ شیعہ حضرات اس طرح کہتے ہیں۔ یا کہ سنی حضرات بھی اس امر میں شیعوں کے ساتھ متفق ہیں۔ حقیقت پر پردہ دینا اہل دیانت کا کام نہیں ہے۔ اس جگہ پر ہم ناراضی فاطمہ اور مطالبہ فدک کو چھیڑنا نہیں چاہتے۔ طوالت کا خطرہ ہے۔ عنقریب ہم انشاء اللہ کتب معتبرہ اہل سنت سے ثابت کر کے دکھا دینگے۔ کہ کیسے جناب معصومہ کونین نے مطالبہ کیا۔ اور حضرت ابوبکر نے احترام کے ساتھ کس طرح سلوک کیا۔

ظالم حاکم کے پاس مقدمہ لیجانا بعد ازاں خود مطالبہ فدک کو تسلیم کرکے لکھتے ہیں کہ شیعوں کیلئے یہ مطالبہ نقصان دہ ہوگا کیونکہ شیعوں کے ہاں یہ مسئلہ ہے کہ ظالم حاکم کے سامنے کسی چیز کا مقدمہ دو مومنوں کا پیش کرنا گناہ عظیم ہے۔ لہٰذا شیعہ کے ہاں جناب معصومہ مقدمہ پیش کرکے ظالم (ابوبکر) کے سامنے نعوذ باللہ گنہگار ثابت ہوئی جو منافی عصمت ہے استدلال ہذا کی تائید میں فروع کافی جلد ۲ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی دو حدیثیں پیش کی ہیں۔

سوال۔ اب شیعہ حضرات کیلئے تین راستوں میں سے صرف ایک راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ یا تو حضرت فاطمہ علیہا السلام کی عصمت کے عقیدہ کو ترک کریں۔ یا امام معصومؑ کے فرمان کو جھٹلائیں۔ یا پھر اس مطالبہ کی توجیہہ سے توبہ کریں۔ تحقیق فدک ص۱۰۵ ملاحظہ ہو۔

ج۔ نہ تو ہم عقیدۂ عصمت جناب فاطمہؑ کو ترک کرسکتے ہیں اور نہ ہی فرمودۂ معصوم امام کو جھٹلا سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ آپ کو ہی مبارک رہے۔ یا آپ کے محسن خلفاء کو۔ البتہ ان حدیثوں کا جواب گوشگذار کرتے ہیں۔ روایت میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے۔ کہ راوی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ان دو مردوں کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں جو ہمارے شیعہ ہو کر ظالم حاکم سے اپنے حقوق کا فیصلہ کرائیں۔

امام نے فرمایا۔ کہ اگر حاکم وہ فیصلہ ٹھیک بھی کرے۔ تب بھی ان کے لئے یہ حلال نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ظالم کے فیصلہ سے یہ چیز حاصل کی ہے۔ حالانکہ خدا نے حکم دیا ہے۔ کہ اس کی ہر بات کا انکار کیا جائے۔ بیشک ہمارے ہاں یہی مسئلہ ہے۔ اور فرمودہ امام صحیح ہے۔ لیکن آپ یہ فرمائیں کہ جناب فاطمۃ الزہرا کا فریق ثانی کون تھا۔ کیا جناب زہراؑ نے اپنا مقدمہ ابوبکر کو حاکم سمجھ کر پیش کیا۔ یا فریق ثانی مدعا علیہ خیال کرتے ہوئے اپنی غصب شدہ چیز کو واپس مانگا۔ آپکا استدلال تو تب صحیح تھا جب خاتونِ معظمہ کا تنازعہ کسی اور مومن کے ساتھ ہوتا۔ اور اپنا مقدمہ فیصلہ کرانے کے لئے ابوبکر کے پاس جاتیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اُس وقت بی بی کا فریق ثانی بھی وہی تھا۔ اور حاکم بھی۔ چونکہ ابوبکر بی بی پاک کا فریق ثانی تھا۔ لہٰذا اسی سے مطالبہ کیا گیا۔ نہ کوئی اس وقت اور عدالت تھی جس کے سامنے ابوبکر کو مدعا علیہ سمجھ کر مقدمہ پیش کیا جاتا۔ اور اس کے سامنے پیش کرنے سے حدیث مذکورہ کی مخالفت ظاہر ہوتی۔

تصویر کا دوسرا رُخ

اس توجیہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر اس وقت جناب بی بی پاکؑ ابوبکر کو ظالم خیال کرتے ہوئے مطالبہ نہ کرتیں۔ تو حاکم اول خدا اور رسول کے سامنے حجت پیش کر سکتا تھا۔ کہ میرے اجتہاد نے طرح فیصلہ کیا۔ لہٰذا میرا کوئی قصور نہیں اگر معصومہ میرے اجتہاد کو غلط ثابت کرنے کے لئے مطالبہ کرتی۔ تو میں ضرور بالضرور ان کا حق انہیں واپس کر دیتا۔ نیز بی بی کا مطالبہ کرنے سے یہ بھی مقصد تھا۔ کہ لوگ ہمارے حقوق کو پہچان لیں۔ یہ معرفت تب ہی ہو سکتی تھی جبکہ خاتون علیا اپنا مطالبہ پیش کر کے محرومی کی سند حاصل کرتیں بصورت دیگر آج تک اہل اسلام کو پتہ نہ چلتا کہ کون حق پر تھا۔ حالانکہ باوجود احتجاج کرنے کے بھی وکلائے اہل حکومت اس امر کو پوشیدہ ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ معصومہ کونین نے مقدمہ پیش کر کے اور مخالفین کے ہر پہلو کو غلط ثابت کر کے آئندہ نسلوں پر واضح کر دیا۔ کہ یہ شخص خلافتِ نبوت کے قابل نہیں ہے کیونکہ اقتدار امکان حقداروں کے حقوق دلوانا ہی تو خلیفۂ رسولؐ کا کام ہوتا ہے۔ جس نے ارباب حقوق کو حق نہ دلوائے ہوں۔ وہ چنگیز اور ہلاکو خاں کی سیرت کا مظہر تو ہو سکتا ہے لیکن جانشینیٔ رسول کا استحقاق نہیں رکھ سکتا جب ایک انسان مسند نبوت پر قمیص خلافت کو پہن کر اپنے مستخلف کی آل کے حقوق غصب کر لیتا ہے۔ وہ عام رعایا کے حقوق کو تو اس طرح ہضم کر جائیگا۔ جیسا کہ ساون ماہ کی گھاس اونٹ چر جاتا ہے۔ عام ظالمین سے اس کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

ناظرین کو غور کرنا چاہئے کہ جبکہ حاکم بھی وہی ہو جو فریق ثانی تھا۔ تو اس صورت میں مطالبہ کر کے آگے کیا جاتا۔ حضرت شاہ صاحب کیسی پراگندہ توجیہات سے کام لیکر قضیۂ فدک کو موڑنا توڑنا چاہتے ہیں مگر حق کا ظاہر کرنا خدا کا کام ہے۔ اگرچہ منکرِ حق کراہت ہی کرتے رہیں۔

مصنف کی ایک تاویل سوال۔ تیسری خرابی کے تحت فرماتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کے تمام اخراجات حضرت صدیق نے فدک کی آمدنی میں سے پورے کئے۔ اگر حضرت ابوبکر ظالم ہوتے تو ان کے ہاتھ سے اخراجات ہرگز وصول نہ کئے جاتے۔ تحقیق فدک ۲۸۔

جواب۔ سب سے پہلے تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگر ایک انسان کا آپنے ایک ہزار روپیہ چوری یا غصب کر لیا ہے۔ آپ پر وہ ناراض ہو گیا ہے۔ اب اگر آپ اس مال مسروقہ یا مغصوبہ سے ایک صد روپیہ واپس کر دیتے ہیں۔ اور باقی مال کو کچھ اپنے اوپر اور کچھ فقراء اور مساکین میں خرچ کر دیتے ہیں۔ تو جس آدمی کا مال آپ نے لیا ہے وہ آپ پر راضی نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ سو روپیہ لے لیتا ہے تو وہ اس کے لئے حرام نہیں۔ اس کا تو اپنا مال ہے۔ راضی وہ تب ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس کا تمام مال واپس کیا جاوے۔ اور پھر اس فعل مذموم کی بھی معافی مانگے۔ حالانکہ ابوبکر نے ایسا کر کے جنابِ فاطمۃ الزہراء کو راضی نہیں کیا۔ جیسا کہ اس پر بخاری کا فقرہ "فغضبت فاطمہؑ حتی ماتت" گواہ ہے۔

اس پہلی توجیہہ کے لحاظ سے بھی آپ کا مرشد ظالم ہونے سے بچ نہیں سکتا۔ آپ نے لکھا ہے کہ اہل بیت کے تمام اخراجات فدک کی آمدنی سے پورے کئے جاتے تھے۔ حالانکہ بخاری و مسلم میں حدیث ان الفاظ سے ہے۔ فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمہ شیئاً یعنی ابوبکر نے جناب زہراءؑ کو کوئی چیز بھی دینے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا آپ کا یہ تحریر کرنا غلط ہو گیا بصورت دیگر حدیث موضوعہ لانورث ما ترکناہ صدقۃ کے مفہوم کے مطابق متروکہ رسولؐ صدقہ تھا۔ یہ فقراء و مساکین کا حق تھا۔ اہل بیت پر صدقہ حرام ہے۔ جیسا کہ شرح مشکوٰۃ محدث دہلوی اور صواعق محرقہ کے ترجمہ براہین قاطعہ میں تحریر ہے۔ لہٰذا بحیثیت صدقہ اہل بیت وصول نہیں کر سکتے تھے۔ اگر حضرت ابوبکر نے اس مال کو صدقہ سمجھ کر دیا۔ تو یہ پہلا ظلم تھا۔ کیونکہ اہل بیت پاک کو حرام کھلانا ظلم عظیم ہے۔ دوسری صورت اس توجیہہ کی یہ ہے۔ کہ متروکہ رسولؐ صدقہ ہونے کی حیثیت سے فقراء و مساکین است کا حق تھا۔ اور فدک بھی فقراء و مساکین کا حق ہو گا۔ اگر اس مالِ فقراء و مساکین میں سے لے کر اہل بیت کو دیا گیا۔ تو یہ دوسرا ظلم ہو گا۔ کیونکہ ابوبکر ایک مستحق سے مال

کو غیر مستحق لوگوں پر تقسیم کرتا رہا۔ اور اسی کا نام ظلم ہے۔ کیونکہ ظلم کے لغوی معنی "وضع الشی فی غیر محلہا" یعنی کسی شے کا اس کے محل کے مطابق نہ رکھنا ظلم ہے۔ اگر آپ کہیں کہ عمل رسول اسی طرح تھا۔ کہ اس آمدنی فدک میں فقراء و مساکین بھی لیتے تھے۔ اور اہل بیت کے اخراجات بھی پورے کئے جاتے تھے۔ آپ کی اس توجیہہ سے ایک اور اشکال وارد ہوگا۔ جناب رسالتمآب تو فدک کی آمدنی کو بحیثیت ملک خاص ہونے کے تقسیم فرماتے تھے۔ اگر حضرت ابوبکر بھی اس فدک کو بحیثیت ملک خاص استعمال کرتے تھے۔ تو حدیث نحن معاشر الانبیاء کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ پیغمبر کے متروکہ کا بحیثیت مالک بموجب حدیث لانورث وارث کوئی نہیں ہوتا۔ اگر بطور صدقہ فدک تقسیم ہوتا رہا۔ تو اس کے جوابات اوپر بیان کر دیئے ہیں۔ آپ حضرات ابوبکر عادل امام نہیں ثابت کر سکتے۔ چاہے جتنی موڑ توڑ کر کے اس کے دامن کو صاف کرنے کی کوشش کریں۔ بفرض محال اگر فدک کے معاملات سے ابوبکر کا ظالم ہونا نہ بھی ثابت ہو پھر بھی آپ کی کتابوں میں خود پیغمبر اسلام کی نص خلیفہ صاحب کے ظالم ہونے کی موجود ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں ایک حدیث بایں الفاظ نقل کی ہے "الشرك فيكم اخفىٰ من دبيب النمل" یعنی حضرت ابوبکر کو مخاطب کر کے پیغمبر پاکؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ شرک تمہارے اندر چیونٹی کی چال چل رہا ہے۔ بموجب نص قرآن ان الشرك لظلم عظيم یعنی شرک ظلم عظیم ہے۔ ابوبکر ظالم عظیم بنتا ہے۔ اب جبکہ اس کا ظالم ہونا مطابق حدیث و قرآن ثابت ہو گیا۔ تو اس کا خلافت پر بیٹھنا باطل ٹھہرا۔ کیونکہ خداوند عالم نے لا ینال عهدی الظالمین یعنی "عہدہ امامت ظالموں کو نہیں پہنچ سکتا" فرما کر ابوبکر سے خلافت کی نفی کر دی۔ جب خلافت ہی خلیفہ صاحب کی باطل ٹھیری۔ تو فدک وغیرہ کی کارروائی خود بخود باطل ہو گئی۔ آپ کے تمام تر بنے بنائے ڈھکوسلے طشت از بام ہو گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

آخری اور الزامی جواب

ظالم حاکم کے مسئلہ کے متعلق تحقیقی جوابات اوپر دیئے جا چکے۔ اور ثابت کر دیا کہ بی بی پاک نے اپنا مقدمہ ظالم حاکم کے پاس لے جا کر حدیث معصومؑ کی مخالفت نہیں کی۔ اور نہ ہی جناب بی بی پاک کی عصمت کو نقصان پہنچا۔ مگر اب ذرا چند الزامی جوابات بھی سن لیں۔ اور ان کا جواب دیں۔ پس جو جوابات

آپ تجویز کریں۔ وہی جوابات ہماری طرف سے بھی ہوں گے۔

حضرت موسٰیؑ و ہارونؑ کا مطالبہ فرعون سے

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں معصوم تھے۔ ان کے وقت میں ملک کا حاکم فرعون تھا۔ جو بعید ظالم تھا۔ شاید آپ بھی فرعون کو ظالم ہی مانتے ہوں گے۔ ان دو معصوموں نے فرعون کے پاس جا کر مطالبہ کیا۔ قرآن حکیم اس مطالبہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے "فارسل معنا بنی اسرائیل" یعنی اے فرعون ہمارے ساتھ قوم بنی اسرائیل کو بھیج۔

کیا اس مطالبہ کی وجہ سے فرعون ظالم نہیں رہا۔ جیسا کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے مطالبہ سے ابوبکر آپ کے خیال کے مطابق ظالم نہیں رہا تھا۔ یا پھر دو جلیل القدر نبیوں کی عصمت جاتی رہی۔ اگر اس قسم کے مطالبات سے عقیدہ عصمت انبیاء و دختر رسولؐ کو ترک کرتے ہو۔ تو آنجناب کو منکرِ قرآن بننا پڑے گا۔ میرے خیال میں آپ یہ عقیدہ پسند نہیں کریں گے۔ پھر لازمی صورت ہے کہ آپ مان جائیں۔ کہ حسب مصلحت وقت جب عادل حاکم موجود نہ ہو۔ تو خدا کے نیک بندے اپنے حقوق کی طلبی انہی ظالم حاکموں سے ہی کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ بی بی پاکؑ نے فدک کا مطالبہ حضرت ابوبکر سے کیا تھا۔

خدا کا حکم کہ ظالم سے علیحدہ رہو

قرآن حکیم میں خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" ترجمہ یعنی جن لوگوں نے ظلم کئے ہیں ان لوگوں سے میل ملاپ نہ رکھو۔ ورنہ دوزخ میں جاؤ گے۔

یزید ملعون سب سے بڑا ظالم اور فاسق ہے۔ مگر اہل سنت کا سب سے بڑا صحابی حضرت عبداللہ ابن عمر اس کو اپنا پیشوا اور خلیفہ تسلیم کر کے بیعت کر لیتا ہے۔ اور اس کو اپنا امام تسلیم کر کے باقی صحابہ کو بھی اس کی اطاعت کے لئے ترغیب دیتا ہے۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۲

حضرات اہل تسنن کا عقیدہ ہے کہ سب صحابی عادل ہیں۔ حضرت مصنف تحقیق فدک ارشاد فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ تو حکم دیتا ہے کہ ظالم سے میل ملاپ بھی نہ رکھو۔ مگر آپ کا مرشد رئیس الفاسقین والظالمین کو اپنا امام تسلیم کرتا ہے۔ کیا اس بزرگ کی صحابیت اور عدالت چلی گئی؟ اگر آپ ارشاد فرمائیں کہ اس وقت عادل امام اور خلیفہ موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اسی کو امام تسلیم کر لیا گیا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس وقت عادل حاکم موجود نہیں تھا جس کی وجہ سے جنابہ مدعیہ فدکؑ

نے حضرت ابوبکر سے مطالبہ کیا مگر امام پھر بھی تسلیم نہیں کیا۔ بیچارے اہل سنت حضرات نے اسی
مجبوری کی بنا پر یزید جیسے ظالم کو چھٹا خلیفہ انتخاب کر لیا۔ اور امام تسلیم کر لیا کیونکہ اس وقت یزید
جیسا بدتر انسان اور مل نہیں سکتا تھا۔ جو آل رسول کی بربادی کرے۔ پیغمبر کی حدیث کے مطابق بارہ
خلیفے ہر حالت میں پورے کرنے تھے۔ وہ بغیر یزید کے ہو نہیں سکتے تھے۔ اہل بیت کو حکومت دینا
مقصد کے خلاف تھا۔ لھذا یزید کو ہی امام تسلیم کر لیا۔ ملاحظہ ہو سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۴۸۲۔ شرح
فقہ اکبر صفحہ ۸۳ وغیرہ۔ شریعت کا حکم ہے کہ نماز پڑھانے والے مقتدیوں سے زیادہ عالم۔ عادل اور
پرہیزگار ہوں۔ مگر دس عادل صحابہ نے ظالم حاکموں کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ملاحظہ ہو امین احسن
اصلاحی کی کتاب اسلامی ریاست صفحہ ۲۳ شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱ پر حضرت عمر فرماتے ہیں۔ کہ اے علیؑ
تو ابوبکر اور مجھ کو ظالم جانتا ہے۔ باوجود اس امر کے کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت ابوبکر کو ظالم جانتے
ہیں۔ مگر پھر بھی حضرت شاہ صاحب کہا کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی ان کے پیچھے نمازیں پڑھتا رہا۔ کیا جناب
امیر علیہ السلام کی عصمت اور دیگر صحابہ کی عدالت چلی گئی۔ سوچ کر جواب لکھیں

مصنف کا اقرار کہ جناب زہراؑ کو مسئلہ وراثت انبیاء کا علم تھا

جناب قبلہ شاہ صاحب ایک اور توجیہہ کے عنوان کے تحت
ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ بعض علماء نے لکھا ہے۔ کہ حضرت فاطمہؑ کا مطالبہ میراث کرنا عدم واقفیت
مسئلہ وراثت انبیاء کی بنا پر تھا۔ مگر یہ غلط ہے بعد ازاں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ اس
مسئلہ کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ کہ انبیاء کا وارث نہیں ہوا کرتا۔ اس مسئلہ کی مؤید حدیث کافی شریف ان
الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہے۔ حضرت امام معصوم
کا اس مسئلہ کو جاننا اس امر کی کھلی دلیل ہے۔ کہ حضرت زہراؑ اس مسئلہ کو جانتی تھیں۔ کیونکہ امام جعفر
صادقؑ کو یہ علم وراثتاً اپنی دادی محترمہ سے ہی تو ملا تھا۔ نہ کہ بذریعہ وحی (تحقیق فدک صفحہ ۷۸)
کیا خوب شاہ صاحب نے ہمارے عقیدہ کی ترجمانی کر دی ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ جناب زہرا علیہا السلام
و حضرت امیر علیہ السلام بلکہ تمام اہل بیت اور صحابہ نبوی کو اس مسئلہ کا پتہ تھا کہ انبیاء کا وارث ہوتا ہے۔ مگر
بعض صحابہ نے عمداً اہل بیت پاک کی مخالفت کی۔
سچ ہے حق غیر کی زبان سے بھی ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ اللہ پاک اپنے دین کی امداد فاجر فاسق سے

بھی کرالیتا ہے۔ جیسا کہ بخاری میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔ (ان اللہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر)
آج تک تو سنی محدثین یہی کہتے آئے۔ کہ جناب بی بی کو مسئلہ وراثت انبیاء کا علم نہیں تھا۔ اسی واسطے
تو مطالبہ کیا گیا۔ اگر پتہ ہوتا تو معصومہ ہرگز دعویٰ نہ کرتی۔ حالانکہ خود مصنف تحقیق فدک نے بھی اپنی
کتاب کے صفحہ ۳۵ پر ان الفاظ کے ساتھ اقرار کیا ہے۔ کہ اہل بیت کو حدیث لانورث کا پتہ نہیں تھا۔
"آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے تھے۔ کہ میرے عزیز و اقارب اس معاملہ میں جھگڑنے والے
نہیں ہیں۔ اس لئے اہل بیت کے ہر ایک ممبر کو یہ مسئلہ سمجھانے کی ضرورت نہ سمجھی"

دروغ گو را حافظہ نباشد

ہم تو کہتے ہیں کہ حضرت زہراؑ جانتی تھیں کہ انبیاء کا وارث ہوتا ہے تب ہی تو اس امر کی تائید میں آیات
قرآنی پیش کی گئیں۔ پھر محروم رہنے پر تا دم مرگ ابوبکر پر ناراض رہیں۔ (بخاری) بے شک حضرت امام جعفر
صادق علیہ السلام اپنی دادی محترمہ کے علوم کے وارث تھے۔ انہیں بھی اچھی طرح علم تھا۔ کہ انبیاء کے
وارث ہوتے ہیں مگر فرمودہ امام کا مفہوم ابوبکر کی حدیث بیان کردہ کے مطابق ابوحنیفہ کے قیاس پر قیاس
کرتے ہوئے سمجھ لینا ازالا استنباط ہے ہم کتاب کے سابقہ صفحات پر اصول کافی کی حدیث کے مفہوم کو نہایت
شرح کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔ کہ اس حدیث کا مطلب وہی ہوگا جس طرح کہ ثقلین بیان کریں۔ اپنے ذاتی
اجتہاد کو کام میں لا کر اپنے مزعومہ کے مطابق حدیث امام کا مطلب سمجھنا کتاب اللہ و اہل بیت علیہم السلام
سے کھلا انحراف ہے۔ جیسا کہ مصنف تحقیق فدک کے پیشواؤں کا مسلک ہے۔

ناظرین کو چاہئے کہ ورق اُلٹ کر دوبارہ زحمت مطالعہ گوارہ فرمائیں۔

مصنف کی ذاتی تحقیق کا جواب

حضرت شاہ صاحب دام ظلہٗ علیٰ رؤس اہل السنت میراث انبیاء کا مفصل تذکرہ کرنے کے بعد اپنی تحقیق ان
الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ "راقم الحروف کے نزدیک حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کا مطالبہ میراث
اس واسطے تھا کہ نفی میراث انبیاء کا نظریہ دنیا میں خوب مشہور ہو جائے۔ اگر آپ دربار خلافت میں اس مطالبہ
کو پیش نہ کرتیں۔ تو حدیث لانورث کو یہ شہرت ہرگز نہ ہوتی۔ جو کہ اس حدیث کو دنیا میں اب ہے۔ پہلے
مسلمانوں کے عام مجمع میں میراث کے مسئلے کا پیش ہونا اور پھر سارے مجمع کو حدیث لانورث سن کر تسلیم
کر لینا۔ کسی ایک فرد کا انکار نہ ہونا ایک ایسی چیز ہے۔ کہ اس حدیث کو شہرت کے آخری مقام پر پہنچا دیتی

اور مطالبہ میراث جس ہستی کی طرف سے اٹھایا گیا تھا اس کا مقصود با احسن وجوہ حاصل ہو گیا۔ ملاحظہ ہو تحقیق فدک صلہ ۸۱

جواب - جناب والا کا کہ یہ مقصد کہ جناب بی بی عالیہ حدیث لانورث کو شہرت کے آخری مقام پہ پہنچانا چاہتی تھی۔ پورا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر یہ غرض ہوتا تو قرآنی استدلالات پیش نہ کرتیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ حدیث لانورث کے مقابلہ میں بطریق مجادلہ یہ نہ فرماتیں۔ کہ اے ابو بکر تیری اولاد تو وارث ہو۔ اور میں اپنے بابا کی وارث نہ ہوں۔ (مدارج النبوۃ) (ترمذی) اگر آپ یہ فرمائیں کہ جناب معصومہ کے استدلالات پیش کرنا اور ابو بکر کا ان کو سن کر بھی نہ دینا اس وجہ سے تھا۔ کہ بی بی عالیہ نے لوگوں پہ واضح کرنا تھا۔ کہ میرے استدلالات اس قابل نہیں ہو لوگ ان کو بطور حجت پیش کر سکیں۔ میں نے صرف ان کو اس لئے پیش کیا ہے۔ کہ اثبات توریث انبیاء کے سلسلہ میں ان کو پیش کرنا خلاف عقل ہے۔ مان لیا یہ سب کچھ ٹھیک ہو گا۔ مگر اس بحث کا پہلو اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہم اہل سنت کی معتبر کتب یعنی بخاری مسلم سے جناب معصومہ کا تادم مرگ ابو بکر پر غضبناک ہونا دیکھتے ہیں۔ اگر مطالبہ کرنا صرف حدیث لانورث کو مشہور کرنے کی غرض سے تھا تو ناراض ہونا قرین قیاس نہیں بلکہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ کہ مدعیہ خود ہی اس مسئلہ کی ناشر ہو۔ اور پھر خود ہی اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے غضب ناکی کی حالت میں رحلت کر جائے۔ اور تادم مرگ غضبناک رہنا زہرا علیہا السلام کا کتب اہل سنت۔ حدیث، تفسیر تاریخ میں متواتر موجود ہے۔

اگر تمام اہل بیت وصحابہ کرام نے اس حدیث کو سن کر تسلیم کر لیا تھا اور تمام کا مقصد اس مسئلہ کی نشر واشاعت ہی تھا۔ تو علیؑ وعباسؓ نے جناب فاطمہ کے انتقال پر ملال کے بعد عمر کے سامنے پھر کیوں مطالبہ میراث کر دیا۔ کیا اسلام کے پہلے ہائی کورٹ کے فیصلہ پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ یا کہ صرف دو سال کے اندر ہی فراموش ہو گیا تھا جس کی بنا پر پھر تجدید کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

حضرت امیرؑ شیخین کو کاذب جانتے تھے

اب ہم صحیح مسلم معہ شرح نووی جلد ۲ صلہ ۹۱ اصح المطابع سے حدیث کے متن کو درج کر کے ناظرین کی تسلی کراتے ہیں وقال عمر فلما توفی رسول اللہ قال ابو بکر انا ولی رسول اللہ فجئتما تطلب میراثک

من ابن اخيك ويطلب هذا ميراث امراته من ابيها فقال ابوبكر قال رسول الله ما نورث ماتركناه صدقة فرائيتما كاذبًا اثمًا غادرًا خائنًا والله يعلم انه لصادق بار راشد تابع للحق ثم توفي ابوبكر وانا ولي رسول الله وولي ابوبكر فرائيتماني كاذبًا اثمًا غادرًا خائنًا (ترجمہ یعنی عمر نے علیؓ و عباسؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا) کہ جب رسول اللہ وفات پا گئے تو ابوبکر نے کہا کہ میں رسول کا خلیفہ ہوں پس تم دونوں مطالبہ میراث کیلئے آئے۔ اے عباس تو نے اپنے بھائی کے بیٹے کی میراث طلب کی، اور اے علی تو نے اپنی زوجہ کا حصہ مانگا جو اس کو اپنے باپ سے پہنچتا تھا۔ تو ابوبکر نے کہا۔ کہ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا۔ کہ ہمارا کوئی وارث نہیں۔ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔ پس اس وقت تم دونوں نے ابوبکر کو جھوٹا۔ گنہگار۔ غدر کرنے والا اور خیانت کرنے والا سمجھا۔ مگر اللہ جانتا ہے کہ جو کچھ اس نے کیا ٹھیک کیا۔ پھر جب ابوبکر مرگیا اور میں خلیفہ ہوا۔ تو اب پھر تم دونوں اسی مطالبہ کو لے کر میرے پاس آئے ہو۔ اور مجھے بھی تم جھوٹا۔ گنہگار۔ غدر کرنے والا اور خیانت کرنیوالا سمجھتے ہو۔

حضرات! انصاف فرمائیں کیا اس روایت مذکورہ بالا کے مطالعہ کر لینے کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جناب اہل بیت کا مطالبہ صرف عدم توریث انبیاء کے مسئلہ کی نشر و اشاعت تھی۔ سب سے پہلے خاتون معظمہ نے دعویٰ کیا۔ اور محروم ہو کر اس جہانِ فانی سے ابوبکر پر ناراض ہو کر فوت ہو گئیں۔ دو سال بعد علیؑ و عباسؓ نے مطالبہ کر دیا۔ اور ابوبکر کو اعتقاداً جھوٹا و گنہگار اور خائن و غادر خیال کرتے رہے۔ اگر کوئی بزرگوار یہ کہے کہ علیؑ و عباسؓ ایسا خیال نہیں کرتے تھے۔ یہ عمر کا اپنا گمان تھا۔ اگر ایسا ہی ہے۔ تو حضرت علیؑ و عباسؓ نے عمر کے الفاظ کی تردید کیوں نہ کر دی۔ حالانکہ اہل سنت کے اعتقاد کے مطابق ابوبکر و عمر کو اپنا خلیفہ بھی تسلیم کئے ہوئے تھے۔ خلیفہ کے بارہ میں ایسا اعتقاد کوئی عامی آدمی بھی نہیں رکھ سکتا۔ چہ جائیکہ علی جیسا عادل ایسا خیال کرے۔ مزید لطف کی بات یہ ہے کہ ان بزرگوں نے تیسری خلافت میں چودہ پندرہ سال بعد پھر دعویٰ وراثت کر دیا۔ مگر عثمان خاموش ہو گیا۔ اور سر نیچا کر لیا۔ معلوم ہوا کہ فدک وغیرہ کی تمام کارروائی حضرت علی و عباس و تمام اہل بیت کے نزدیک غلط تھی۔ مسلم کی اس حدیث نے توسقیفہ فیکٹری کے تمام موضوعہ اعتقادات کو طشت از بام کر دیا ہے۔ شاہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ تمام صحابہ و اہل بیت نے حدیث لا نورث کو سن کر تسلیم کر لیا تھا۔

کیا تسلیم کرنا اسی کو کہتے ہیں کہ بار بار متنازعہ فیہ امر پر جھگڑا کیا جاوے۔ بے شک وہ بزرگوار صحابیوں کر خاموش ہو گئے ہوں گے۔ جو حکومت سقیفہ کے حمایت کرنے والے تھے۔ اور جن کے دانتوں میں حکومت کا تنکا موجود تھا جنکو رسول اللہ کی وراثت سے دور کا لگا ؤ بھی نہیں تھا۔ ان کا معترض ہونا اور جواب دینا تو مقصد نفس کے خلاف تھا۔ وہ نہ بولے اور خاموش ہو گئے۔ مگر وہ حضرات جن کی وراثت کی محرومی کا سوال پیدا ہو رہا تھا۔ انہوں نے ہرگز اس لا وارث اور موضوع حدیث کو تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ اس کے خلاف قرآن حکیم سے آیات پیش کیں۔ اگر کہیں روایت میں حضرت علیؑ و عباسؓ کا ہاں کہنا آیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ابو بکر سے ایسا ہی سنا ہے۔ نہ یہ کہ رسولؐ سے سنا ہے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد باطنی کا ترجمان خود حضرت عمر ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے۔ کہ تم ہم دونوں کو ایسا ایسا جانتے ہو۔ اہل سنت کی جن روایات میں حدیث لا نورث کو سن کر اہل بیت کا خاموش ہونا حدیث مذکور کو تسلیم کرنے کے مترادف سمجھا گیا ہے۔ یہ محض اہل سنت کی خیرہ چشمی اور اغماض عن الحق ہے۔ اہل سنت نے عمداً اس حدیث کے خلاف اہل بیت کے تردیدی کلمات کو حدیث میں درج نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ کہ جس ہستی کی طرف سے یہ دعویٰ ہوا تھا اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ سبحان اللہ! اسی طرح مقاصد پورے ہوا کرتے ہیں۔ آپ یہ کیوں نہیں فرماتے کہ ہمارا اور اہل حکومت کا مقصد بآحسن وجوہ پورا ہو گیا۔ اہل بیت کی محرومی کو مقصد کے پورا ہونے کے مترادف سمجھنا یہ جناب بی بی پاکؑ سے کھلا مزاح نہیں تو اور کیا ہے۔ خدا کرے۔ آپ بھی جنت سے محروم ہو کر اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ نیز فرماتے ہیں۔ کہ بی بی پاکؑ نے پیغمبر پاکؐ کے بعد آنے والے جھوٹے مدعیان نبوت کا بھی فیصلہ کر دیا۔ اور ختم نبوت کی خدمت نہایت شاندار طریقہ سے کی۔

جناب والا! بعد میں آنے والے جھوٹے نبیوں کی وراثت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ بعد میں نبی نہیں ہوگا۔ لہٰذا تقسیم وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کا یہ محض شیخ چلی والا تخیل ہے،

قانون کی تفسیر ہائیکورٹ میں ہوتی ہے

تحریر کرتے ہیں۔ کہ قانون کی تفسیر ہائیکورٹ میں ہوتی ہے۔ اور وہی قانون کی تشریح مستند اور معتبر ہوتی ہے۔ جو ہائی کورٹ سے کسی ضمن میں صادر ہوتی ہے۔ تحقیق فدک صـ۸۳ـ

سبحان اللہ! اسلام کے پہلے ہائی کورٹ نے کیا۔ فیصلہ صادر فرمایا۔ سب سے پہلا ہائیکورٹ یہی بدنام
تھا۔ اور سب سے پہلا مقدمہ بھی جناب دختر رسولؐ کا تھا۔ مسلمانوں کے اس ہائیکورٹ نے خالق عالم
کے ہائیکورٹ (قرآن) سے صادر شدہ فیصلہ کے خلاف فیصلہ کرکے قیامت تک مسلمانوں پر احسان
فرمایا۔ اسی فیصلہ ہی کا تو نتیجہ ہے۔ کہ آج تک مسلمانوں کی لڑکیاں اپنے ورثۂ پدری سے محروم ہیں۔
حکومتِ سقیفہ کے ہائیکورٹ کی جلالت شاہی کا ہی تو آج تک اثر ہے۔ کہ بیچاری مسلمان عورتیں
ورثہ کا نام لینا بھی گناہ سمجھتی ہیں۔ انہیں اچھی طرح پتہ ہے۔ کہ جس اسلام کے پہلے ہائی کورٹ نے
بانیٔ اسلام کی دختر کو محروم کر دیا ہے۔ اس ہائیکورٹ کا بنایا ہوا قانون ہمیں کب لینے دیگا۔ سبحان اللہ
یہ کیسا ہی دلیر اور بیباک ہائیکورٹ تھا۔ جس نے اپنے اوپر کی عدالت یعنی پریوی کونسل (قرآن)
کے فیصلہ کو بھی رد کر دیا۔ سچ پوچھئے تو اسلام کی اس پہلی عدالت نے دختر رسولؐ کے مقدمہ کو خارج کرکے
ایسی مذموم حرکت کی ہے کہ خود عدل شرمندہ ہے۔ اور فیصلہ کرنے والے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔
خدا سمجھے ان وکلائے اہلِ سقیفہ سے جان بوجھ کر حق سے ایسا اعراض کرتے ہیں۔ گویا انہیں آخرت
پیشِ نظر ہی نہیں۔ ع حقِ زہراؑ خوردن و دینِ پیمبر داشتن

ناراضگی جنابِ بتولؑ مصنف کے نزدیک محال عقلی ہے

مسئلہ وراثت کو ختم کرنے کے بعد جناب والاشان سید احمد شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "پس ناممکن ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ
علیہا ایسے واضح اور مضبوط دلائل سن کر غضب ناک ہو جائیں۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم
کی حدیث شریف سن کر آپ کی طبع شریف کا ناراض ہو جانا متحیلات عقلیہ میں سے ہے۔"
تحقیق فدک صـ۵۸۔

شاہ صاحب کے خیال میں جناب فاطمۃ الزہراؑ ابوبکر پر غضبناک نہیں ہوئیں۔ اور عقل تسلیم نہیں
کرتی۔ بھائی جان عقل تو اس کی تسلیم کرے جس کے پاس عقل جیسی نعمت ہو۔ اور جس کے پاس عقل
ہی نہیں ہے۔ وہ تسلیم ہی کیا کریگا۔ اظہر من الشمس واقعات کو پسِ پشت ڈال کر اور اپنے
ہی مسلمات سے اعراض کرکے ایسی واہی کلام کرنا بے عقل ہی کا تو کام ہے۔ انشاء اللہ ہم بالکل
قریب کے صفحات میں ہی غضبناک ہونا جنابِ زہراؑ کا معتبرہ کتب اہل سنت سے پیش کرینگے

اور اس کے بعد حسب توفیق اہل سنت کے محققین کی علمی رائیں بھی درج کر دیں گے۔ تا کہ اہل حق پرستوں کے انصاف پر معاملہ چھوڑ دیا جا سکے۔ یہاں صرف ہم رضامندی کی روایت جو کتب شیعہ سے مصنف تحقیق فدک نے اپنے استدلال کی تائید میں پیش کی ہے تبصرہ کرتے ہیں۔ اور ناظرین پر واضح کرتے ہیں۔ کہ اس کی دراصل پوزیشن کیا ہے۔

شرح بحرانی کی روایت کا حال اور رضامندی

جناب مصنف تحقیق فدک نے شرح نہج البلاغہ بحرانی سے ایک روایت رضامندی بصیغۂ مجہول تحریر کر کے رضامندی جناب فاطمۃ صلوات اللہ علیہا کا استدلال کیا ہے۔ اور اپنی ساری کتاب میں صرف اس روایت رضامندی اور ابن شہاب زہری کی شیعیت کو ہی اپنی ساری عمر کی علمی تحقیقات کا ماخذ قرار دیا ہے۔ ابن شہاب زہری کے متعلق تو ہم انشاء اللہ اپنے مقام پر بیان کریں گے۔ مگر اس روایت کے چہرہ سے پردہ ہٹا کر مصنف کی علمی خیانت کو طشت از بام کیا جاتا ہے۔ اور ناظرین کے تمام شبہات کو بحرانی کی مکمل بحث فدک لکھ کر دور کیا جاتا ہے۔

شرح ابن میثم بحرانی ص۵۴۶ پر تحریر ہے:- المشهور بين الشيعة والمتفق عليه عندهم ان رسول الله اعطاها فاطمة ورووا ذالك من طرق مختلفة منها عن ابي سعيد الخدري قال لما انزلت وآت ذي القربى حقه اعطى رسول الله فاطمة فدك فلما تولى ابوبكر الخلافة عزم على اخذها منها فارسلت اليه تطالبه بميراثها من رسول الله وتقول انه اعطاني فدك في حياته واستشهدت على ذالك عليا وام ايمن فشهدا لها بها فاجابها على الميراث بخبر رواه هو نحن معاشر الانبياء لا نورث فما تركنا فهو صدقة وعن دعوى ذلك انها لم تكن للنبي وانما كانت مالاً للمسلمين في يده يحمل به الرجال وينفقه في سبيل الله وانا اليه كما كان يليه فلما بلغها ذالك..... الخ جو روایت شیعہ کے درمیان مشہور ہے۔ اور جس پر ان کے نزدیک کامل اتفاق ہے۔ وہ یہ ہے کہ بلاشبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک جناب فاطمۃ الزہرا کو عطا کر دیا تھا۔ اور اس روایت کو انہوں نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ منجملہ ان کے ایک روایت حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ ہے۔ کہ جب آیہ وآت ذا القربی حقہ نازل ہوئی تو جناب رسالتمآب نے جناب زہرا کو بلا کر فدک

اور اس کے بعد حسب توفیق اہل سنت کے محققین اہل علم کی رائیں بھی درج کر دیں گے۔ بعد ازاں حق پرستوں کے انصاف پر معاملہ چھوڑ دیا جائیگا۔ یہاں پر صرف ہم رضامندی کی روایت پر جو کتب شیعہ سے مصنف تحقیق فدک نے اپنے استدلال کی تائید میں پیش کی ہے۔ تبصرہ کرتے ہیں۔ اور ناظرین پر واضح کرتے ہیں۔ کہ اس کی دراصل پوزیشن کیا ہے۔

شرح بحرانی کی روایت کا حال اور رضامندی

جناب مصنف تحقیق فدک نے شرح نہج البلاغہ بحرانی سے ایک روایت رضامندی بصیغہ مجہول تحریر کر کے رضامندی جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا کا استدلال کیا ہے۔ اور اپنی ساری کتاب میں صرف اس روایت رضامندی اور ابن شہاب زہری کی شیعیت کو ہی اپنی ساری عمر کی علمی تحقیقات کا ماخذ قرار دیا ہے۔ ابن شہاب زہری کے متعلق تو ہم انشاء اللہ اپنے مقام پر بیان کریں گے۔ مگر اس روایت کے چہرے سے پردہ ہٹا کر مصنف کی علمی خیانت کو طشت از بام کیا جاتا ہے۔ اور ناظرین کے تمام شبہات کو بحرانی کی مکمل بحث فدک لکھ کر دور کیا جاتا ہے۔

شرح ابن میثم بحرانی ص۵۴۳ پر تحریر ہے:۔ المشہور بین الشیعہ والمتفق علیہ عندھم ان رسول اللہ اعطاھا فاطمۃ وروو اذالک من طرق مختلفۃ منہا عن ابی سعید الخدری قال لما انزلت وآت ذی القربیٰ حقہ اعطیٰ رسول اللہ فاطمۃ فدک فلما تولیٰ ابوبکر الخلافۃ عزم علی اخذھا منہا فارسلت الیہ تطالبہ بمیراثہا من رسول اللہ وتقول انہ اعطانی فدکاً فی حیاتہ واستشہدت علیٰ ذالک علیاً وام ایمن فشہد لہا بہا فاجابہا علیٰ المیراث بخبر رواہ ھو نحن معاشر الانبیاء لا نورث فما ترکنا فہو صدقۃ وعن دعویٰ فدک انہا لم تکن للنبی وانما کانت مالاً للمسلمین فی یدہ ویحمل بہ الرجال وینفقہ فی سبیل اللہ وانا الیہ کما کان یلیہ فلما بلغہا ذالک۔۔۔۔ الخ جو روایت شیعہ کے درمیان مشہور ہے۔ اور جس پر ان کے نزدیک کامل اتفاق ہے۔ وہ یہ ہے کہ بلاشبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک جناب فاطمۃ الزہراؑ کو عطا کر دیا تھا۔ اور اس روایت کو انہوں نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ منجملہ ان کے ایک روایت حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ ہے۔ کہ جب آیہ وآت ذاالقربیٰ حقہ نازل ہوئی تو جناب رسالتمآب نے جناب زہراؑ کو بلا کر فدک

عطا کر دیا تھا۔ پس جب ابوبکر خلافت کا والی بنا تو اس نے اس کے واپس لینے پر پورا تہیہ کر لیا۔ جب جناب سیدہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو اولاً آپ نے پیغام بھیجا۔ ثانیاً خود تشریف لے گئیں اور بطور میراث مطالبہ کیا اور کہتی تھیں۔ کہ یہ فدک تو حضور نے اپنی زندگی میں مجھے عطا کر دیا تھا۔ اور اس پر جناب سیدہ نے حضرت علی وام ایمن کو بطور گواہ پیش کیا۔ ان دونوں نے اس کی گواہی دی۔ پس ابوبکر نے میراث کا جواب اپنی حدیث لا نورث پیش کر کے یہ دیا۔ کہ مجھے حدیث یاد ہے کہ حضور نے فرمایا تھا۔ کہ ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں کرتے۔ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اور دعویٰ ہبہ فدک کا یہ جواب دیا۔ کہ فدک حضور کا حق نہ تھا۔ بلکہ یہ مسلمانوں کا مال حضور کے ہاتھ میں تھا جس کے ساتھ حضور لوگوں کی خدمت کرتے تھے۔ اور اب میں بھی اسی طرح تصرف کروں گا جس طرح آنحضرت تصرف فرماتے تھے جب جناب سیدہ کو خبر پہنچی تو آپ نے اپنے سر پر چادر ڈالی ..... اس کے آگے جناب بی بی پاک نے مہاجرین و انصار کے مجمع میں تشریف لے جا کر مدعا علیہ سے احتجاجاً گفتگو کی۔ جو ایک طویل خطبہ پر مشتمل ہے۔ اس خطبہ کا نام خطبۂ لمہ ہے۔ کتاب کے اخیر میں درج کیا گیا ہے۔ یہاں پر درج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نیز اس خطبہ کو اہل سنت نے نقل کیا ہے۔

ناظرین حضرات کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ شارح نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی نے اوپر جو روایات درج کی ہیں۔ ان کو بصیغۂ معروف لکھ کر یہ فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ شیعہ کے ہاں متفق علیہ مسئلہ یہ ہے کہ فدک جناب رسول خدا نے اپنی بیٹی کو ہبہ فرما دیا تھا۔ جس کی شہادت کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔ بعد ازاں خطبۂ لمہ سے احتجاجات قرآنیہ جو خاتون معظمہ نے دربار خلافت میں پیش کئے۔ پیش کر کے ایک روایت بصیغۂ مجہول (روی) کے عنوان سے تحریر کی ہے جس سے مصنف نے رضا مندی کا استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

روی انہ لما سمع کلامھا الی ان اخر فقال ابوبکر صدقت یا ابنۃ رسول اللہ وصدق علی وصدقت ام ایمن وصدق عمر وصدق عبد الرحمٰن وذالک ان لک مالا بیک کان رسول اللہ یاخذ من فدک قوتکم ویقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ ولک علی اللہ ان اصنع بھا کما کان یصنع فرضیت بذالک واخذت العھد علیہ وکان یاخذ غلتھا فیدفع الیھم منھا ما یکفیھم ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ جب ابوبکر نے جناب فاطمہ علیہا السلام کا خطبہ سنا تو کہا اے بنت رسول تو نے سچ کہا۔ (کہ فدک رسول نے تجھ کو دے دیا تھا) اور علی و ام ایمن نے بھی سچی شہادت دی۔ عمر اور عبد الرحمٰن نے بھی درست کہا

تیرے لئے بھی وہی حقوق ہیں جو تیرے باپ کے لئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فدک کی آمدنی سے تمہارا خرچ الگ کر لیتے تھے اور جو کچھ باقی بچ جاتا وہ مساکین پر تقسیم کر دیتے اور اس میں سے جہاد کے لئے سواریاں دیتے تھے اور خدا کی خوشنودی کے لئے مجھ پر حق ہے کہ میں بھی اسی طرح کروں جس طرح رسول اللہ کرتے تھے۔ پس اس بات پر جناب فاطمہ علیہا السلام قناعت کر گئیں اور ابوبکر سے اس بات کا عہد لے لیا۔ پھر ابوبکر غلہ وغیرہ دیتا رہا جو کافی ہو جاتا تھا۔

ہم پہلے اوپر لکھ چکے ہیں کہ تمام شیعہ قوم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فدک جناب زہرا کا حق تھا جو ابوبکر نے باوجود تکمیل نصاب شہادت حضرت فاطمہ کو نہیں دیا۔ اس کے طرق اور اسناد مشہور اور متناقہ حیثیت سے کتب شیعہ میں مرقوم ہیں۔ نیز اہل سنت کے ہاں بھی بخاری ومسلم کی روایات شاہد ہیں بی بی پاک مرتے دم تک ناراض رہیں۔ لہذا ان مشہور ومستند روایات کے مقابلہ میں مجہول روایات کا کوئی مقام نہیں۔ اسی واسطے خود شارح بحرانی مندرجہ بالا روایت پر اعتبار نہ کرتے ہوئے عمر بن عبدالعزیز کے باغ فدک کو واپس کر دینے کے تذکرہ کے بعد تحریر فرماتا ہے قالت الشیعۃ اول ظلامۃ ردّھا وقالت السنۃ بل استخلصھا فی ملکہ ثم وھبھا ترجمہ عمر بن عبدالعزیز کے فدک کو اولادِ فاطمہ پر واپس کرنے کے عمل کے متعلق شیعہ کہتے ہیں کہ یہ پہلی چیز تھی جو ظلم سے حاصل کی گئی تھی اور عمر بن عبدالعزیز نے اس کو واپس کر دیا اور اہل سنت کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے پہلے فدک کو اپنے لئے خالص کر لیا۔ بعد ازاں بطور ہبہ اولادِ فاطمہ کو دے دیا۔ کیا ان مندرجات بالا سے کوئی عقلمند استدلال کر سکتا ہے کہ رضامندی جناب زہرا علیہا السلام کا عقیدہ کوئی شیعہ عالم رکھتا ہے۔ خود شارح اس بحث کو ختم کرتے ہوئے اخیر میں لکھتا ہے کہ فی ھذہ القصۃ خبط کثیر بین الشیعۃ ومخالفیھم یعنی اس بحث فدک میں شیعہ اور ان کے مخالفین میں بہت جھگڑا ہے۔ میں ان کو چھوڑ کر متن کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ یہ تھی وہ مجہول روایت جس کے راوی کا کوئی علم ہی نہیں جس پر شاہ صاحب نقارۂ رضامندی بجا رہے ہیں۔

شارح فیض الاسلام کا عقیدہ

سید علی نقی فیض الاسلام کی بھی عبارت لکھ کر مصنف نے استدلال کیا ہے کہ ابوبکر غلہ وغیرہ دیتا رہا ہے۔ درحقیقت فیض الاسلام اور درۂ نجفیہ میں یہی عبارات شرح میثم سے نقل کی گئی ہیں۔ جن پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر ہم ناظرین پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ان تمام شارحین کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا کہ بی بی عالیہ

ابوبکر سے رضامند ہو گئی تھیں۔ خود یہی بزرگ سید علی نقی اپنی کتاب فیض الاسلام ص ۹۵۹/۹۶۰ پر تحریر کرتا ہے۔
بی بی عالیہ ابوبکر کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتی ہیں: "اگر شما و ہرکہ در روئے زمین است کافر شوید، خدائے نیاز است پس بخانہ بازگشت و سوگند یاد کرد کہ با ابوبکر سخن نہ گوید و برا نفرین نمود و بر ایں حال از دنیا رفت و وصیت کرد کہ ابوبکر بر و نماز نہ خواند و عباس برا و نماز گذارد و در شب دفن گردید"
یعنی اے ابوبکر اگر تم اور ہر وہ انسان جو روئے زمین پہ ہے کافر ہو جاؤ تو خدا بے نیاز ہے بس بی بی عالیہ یہ کہہ کر گھر کو لوٹی اور قسم اٹھائی کہ ابوبکر سے کلام تک نہ کرے گی۔ اور ابوبکر پر نفرین فرمائی اور اسی حال میں انتقال فرما گئیں اور وصیت کی ابوبکر نماز جنازہ نہ پڑھے۔ حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھی اور بوقت شب دفن ہوئیں۔"

شارح بحرانی اور سید علی نقی فیض الاسلام دونوں بزرگوار جناب سیدہ کی ناراضگی تادم مرگ تسلیم کر رہے ہیں اور اس کی تائید میں اپنی کتابوں کی مشہور اور مستند روایات لکھ کر پیش کر رہے ہیں کہ بی بی پاک تادم مرگ راضی نہیں ہوئی۔ بخاری و مسلم کی روایت بھی مؤید ہے۔ لہٰذا تادم مرگ ناراضگی شیعہ و سنی کی متفقہ قرار پائی۔ اس کے مقابلہ میں کسی انسان کا اختلافی اور منفرد قول ناقابل قبول ہے خواہ شیعہ بیان کرے یا سنی اپنی کتاب میں درج کرے۔

باقی رہا حضرت زہرا کا ابوبکر وغیرہ سے غلہ لینا یہ ایک تو روایتاً ناقابل قبول ہے دوسرا درایتاً بھی مردود ہے کیونکہ اگر بی بی پاک غلہ وغیرہ وصول کر لیتیں تو حصول حقوق کی بنا پہ راضی ہو جاتیں جو عین تقاضائے عدل تھا۔ ناراض رہنا بی بی پاک کا اور تادم مرگ ابوبکر پر نفرین کرنا بخاری اور شارح فیض الاسلام کے بیان سے ظاہر ہے۔ لہٰذا ان دو امور کا جمع ہونا کہ بی بی پاک بقدر کفایت غلہ لیتی بھی رہی اور لعنت بھی فرماتی رہے نیز صحیح مسلم کی حدیث کے یہ الفاظ فابی ابوبکر ان یدفع شیئاً الی فاطمہ۔ یعنی ابوبکر نے انکار کر دیا کہ کوئی چیز بھی جناب فاطمہ علیہا السلام کو دے۔ جلد ۲ ص ۹۱ شرح صحیح مسلم گواہ ہیں کہ ابوبکر کچھ نہیں دیتا تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ کوئی ایسی مجہول نقاشت جس میں ابوبکر کا کچھ دینا ثابت ہو۔ مرجوع اور ساقط عن الاعتبار ہے۔ ان متواتر اور مشہور روایات کے مقابلہ میں جن پر فریقین کا اتفاق ہو کہ بی بی عالیہ سب کچھ سے محروم ہو کر اس جہان فانی سے رحلت فرما گئیں۔

"حضرت امام رضا علیہ السلام کا عقیدہ رضامندی سے متعلق"

جب کبھی حضرات اہل سنت شیعہ کے پیش کردہ دلائل قاہرہ سے عاجز آتے ہیں تو بمصداق "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" ایسے واہی خیالات اور مردود روایات کو پیش کرتے ہیں جو خود ان کے مسلمات ہی کے خلاف ہوتی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں ایک بالکل فرضی روایت فرضی کتاب محاج السالکین سے پیش کر کے شیعوں کو الزامی جواب دیا ہے۔ حالانکہ آج تک شیعہ علماء کا چیلنج رہا کہ اس نام کی کتاب شیعہ کے مذہبی لٹریچر میں پائی ہی نہیں جاتی۔ چنانچہ حضرت مصنف تحقیق فدک کافی غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ واقعی شیعہ لوگ اپنے دعویٰ میں صادق ہیں۔ اسی وجہ سے اپنے استاد فاضل دہلوی کی بیان کردہ روایت کو اساس رضامندی قرار نہیں دیا۔ چونکہ ان حضرات کا ایسے قسم کے مردود اور نامقبول کلام کو پیش کرنا فطرت ثانیہ بن چکا ہے لہذا بطور الزام اس قسم کی روایات پیش کر کے اپنے علمی وقار کو کھو بیٹھتے ہیں اور اسی وجہ سے علماء کی مجالس علمیہ میں ان کی دیانت اور خیانت کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

قبلہ شاہ صاحب نے بھی اپنے اساتذہ کی پیروی میں صحیح اور متواتر روایات کے مقابلہ میں شرح بحرانی سے مجہول الحال روایت پیش کر کے اپنا علمی وقار کھو دیا ہے۔ فریقین کے اہل علم طبقہ میں حضرت صاحب کی جو گت بن رہی ہے وہ اہل خبر پر پوشیدہ نہیں ہے۔ بخاری و مسلم کی مشہور اور متواتر روایت غضب تو اپنے مقام پر درج ہو گی۔ مگر اس مقام پر چند مشہور مستند اور متواتر روایات لکھ کر ناظرین کی تسلی کرائی جاتی ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت کا عقیدہ ناراضگی فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے متعلق کیا تھا۔ جس کے بعد بخوبی پتہ چل جائے گا کہ اہل بیت رسول کا ہر چھوٹا اور بڑا حضرات شیخین پر غضبناک فوت ہوا۔ پھر اتنے مشہور مذہب کے خلاف کسی مخبوط الحواس الشان کا کسی مجہول نقات سے رضامندی کا استدلال کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے شب کی تاریکی میں آفتاب جہانتاب کی روشنی کو ڈھونڈنا۔ کتاب احقاق الحق شیعہ صنم پر حضرت امام رضا علیہ السلام ایک شخص کے استفسار کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ فقال علیہ السلام کانت لنا ام صالحۃ ماتت وھی علیھما ساخطۃ ولم یاتنا بعد موتھا انھا رضیت عنھما (ای عن ابی بکر و عمر) یعنی رضامندی کی خبر میں تیرے لیئے یہ کافی ہے جو امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ کسی نے ابوبکر و عمر کے متعلق ان سے

پوچھا تھا تو امام نے فرمایا ہماری صالحہ اور پرہیزگار ماں تھی (یعنی جناب فاطمہؑ) جو ان دونوں پر غضبناک فوت ہوتی اور موصوفہ کی وفات کے بعد اب تک ہمیں کوئی خبر نہیں پہنچی کہ وہ ان دونوں سے راضی ہوگئی ہوں

پھر روضہ کافی کتاب شیعہ ص۱۱۵ پر امام فرماتے ہیں " ماماتت منا میت قط الا ساخطاً علیهما یوصی بذلك الكبير منا الصغير انهما ظلمانا حقنا ومنعانا فيئنا " ترجمہ یعنی ہم اہل بیت سے ہرگز کوئی ایسا فوت نہیں ہوا جو ان دونوں، ابوبکر و عمرؓ پر غضبناک نہ ہوگیا ہو۔ ہمارا ہر بڑا چھوٹے کو وصیت کر جاتا ہے کہ ان دونوں نے ہم پر ظلم کیا اور ہمارا حق فیئے کا یعنی فدک نہیں دیا اور منہ پر امام سے مروی ہے ان دونوں نے جناب فاطمہؑ کو میراث نہیں۔ نہ دیا اور کتاب خدا کو پس پشت پھینک دیا۔ اور آج تک ان کے ظلم کا اثر چلا آتا ہے۔ ۱۲

حضرات! وہ انسان جو علم حدیث و تاریخ سے بے خبر ہیں اور مذہب کا ٹھیکہ بھی جنھوں نے اٹھایا ہوا ہے وہ بیچارے بھولے بھالے مسلمانوں کو فریب دیکر یہ بیان کرتے ہیں کہ میاں! حضرت فاطمہؑ کی رضامندی کتب شیعہ میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا ہم نے بطور مشتے نمونہ از خروارے حضرت امام عالیمقام کا صریح اعتقاد تحریر کر دیا ہے تاکہ آپ ان لوگوں کے دھوکے سے محفوظ رہیں۔ ان حضرات کا مقصد محض عداوت اہل بیت اور شکم پرستی ہے اور بس۔ دیانت اور انصاف سے کام لینا ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ طرہ تو یہ ہے کہ کتب شیعہ میں ہزارہا روایات متواتر مشہور اور مستند اس قسم کی پائی جاتی ہیں۔ جن میں حضرات شیخین پر ائمہ کی زبان سے لعن طعن کے کلمات مروی ہیں جو اپنے محل پر مذکور ہیں۔ ہم اسجگہ درج نہیں کرتے کیونکہ کسی انسان کی دلآزاری ہمارا مقصد نہیں ہے

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

کیا ائمہ کے ان اعتقادات کے خلاف کوئی عقلمند انسان مجہول الحال اور مردود روایات کو بطور حجت پیش کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ یہ حال تو تھا رضامندی جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کا کتب شیعہ میں۔ اب ہم تھوڑی سی بحث اس روایت پر بھی کرنا چاہتے ہیں جو کتب اہل سنت میں بخاری و مسلم کی صحیح روایات کے مقابلہ میں محدثین اہل سنت نے وضع کی ہے۔

رضامندی زہرا مرویہ اہل سنت کا حال: الحمد للہ جس بزرگ کی کتاب کا جواب ہم تحریر

کر رہے ہیں اس نے تو خود تسلیم کر لیا ہے کہ رضامندی کی روایت کتب اہل سنت میں موجود نہیں ہے۔
ملاحظہ ہو تحقیق فدک ص۹۵

"اس لحاظ سے تو ہمارے لئے ضروری نہیں تھا جو ہم کتب اہل سنت کی خواہ مخواہ تلاش کرتے مگر ہم اس روایت کو درج کرکے ایک تو قبلہ شاہ صاحب کا مبلغ علم علمی حلقوں میں پیش کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے اس پر دو سرے جرح بھی ناگزیر ہے۔ یہ جواب ان حضرات کے لئے ہوگا جو مذہب اہل سنت کے ذخیرہ احادیث سے بے خبر رکھتے ہیں۔

ملاحظہ ہو سیرت حلبیہ جلد ۳ ص۳۹۹ "فاذنت له فدخل واعتذر الیها فرضیت عنه" ترجمہ یعنی ابو بکر نے اذن لیا اور داخل ہوا جناب فاطمہ علیہا السلام کے گھر میں اور اپنا عذر وغیرہ پیش کیا پس جناب زہرا اس سے راضی ہوگئیں۔ اسکو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کے جوابات بچند وجوہ حسب ذیل ہیں

جواب اوّل ۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس روایت کو مرسل قرار دیتا ہے اور مرسل روایت حدیث مسند کے مقابلہ میں ضعیف ہوتی ہے اور ناقابل حجت قرار پاتی ہے ۔

حدیث مرسل حجت نہیں ہو سکتی — حدیث مرسل کی نسبت فلک النجاۃ ص۸ جلد دوئم میں تدریب الراوی سیوطی ص۶۶ سے منقول ہے " ثم ان المرسل حدیث ضعیف لا یحتجی به عند جماهیر المحدثین اور صحیح مسلم ج۱ ص۲۳ پر ہے والمرسل من الروایات فی اصل قولنا و قول اهل العلم بالاخبار لیس بحجة

ترجمہ۔ حدیث مرسل ناقابل حجت ہے۔ جمہور محدثین واصحاب اصول کا یہی مذہب ہے"۔

جواب دوئم ۔ حدیث غضب بخاری ومسلم کی متفق علیہ ہے اور شیعہ سنی کے ہاں بھی متفقہ ہے لھذا متفق علیہ کے مقابلہ میں غیر مسلمہ روایت مرجوح اور ساقط عن الاعتبار ہے درایت کے اصول کے مطابق بھی یہ روایت مردود ہے کیونکہ تادم مرگ ناراضگی متفق علیہ ہے۔ درمیان میں کوئی ایسا وقت ہی نہیں جس میں رضامندی کا وہم بھی پیدا ہو سکے جس روایت کو بخاری ومسلم دونوں بیان کریں وہ اصول حدیث اہل سنت کے لحاظ سے صحیح کی اعلیٰ قسم ہے اس لحاظ سے غضب قطعی اور یقینی ہے لھذا الیقین کے مقابلہ میں شک پیش کرنا حضرت مصنف کا ہی مسلک ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ درحقیقت رضامندی کی روایت نہ تو شیعہ کے ہاں پائی جاتی ہے اور

نہ ہی اہل سنت کی موضوعہ حدیث کو علماء اہل تشیع نے قابل حجت سمجھا ہے ہم دو فریقین اس کو بوجہ کے
طور پر پیش نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف جناب زہراؑ کو موثر خیال کرتے ہیں عنقریب ہم
محققین اہل سنت کے بیانات درج کریں گے۔ جس سے پتہ لگ جائیگا کہ روایت رضا شدہ کو
کسی اہل علم نے قبول نہیں کیا۔

"شرح بحرانی کی روایت درحقیقت مرویہ اہل سنت ہے"

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابن میثم بحرانی نے بحث فدک میں بصیغہ معروف چند روایات بیان
کرکے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ شیعہ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فدک جناب رسولؐ نے اپنی دختر کو
ھبہ کر دیا تھا جس پر شہادتیں بھی گذر گیئں مگر ابو بکر نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد بصیغہ مجہول بعنوان
رُوِیَ بھی ایک روایت تحریر کی جس سے شاہ صاحب نے استدلال کیا ہے مگر درحقیقت یہ روایت
شارح بحرانی نے ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغۃ حدیدی سے نقل کی ہے اور معتزلی مذکور کو ہم
ثابت کر چکے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکر کا وکیل ہے اور اصحاب ثلاثہ کی خلافت کا قائل ہے۔ ابن ابی الحدید
معتزلی نے اپنی شرح حدیدی جزو سادس ص۲۹۶ پر اس روایت کی اسناد یوں بیان کی ہے
"قال ابو بکر وحدثنی محمد ابن زکریا قال حدثنی ابی عن عمہ اس کے آگے یہ روایت
لکھی ہوئی ہے۔ معتزلی کے سند بیان کرنے سے بخوبی پتہ چل گیا کہ یہ روایت شیعہ کی مرویات میں سے
نہیں ہے کیونکہ یہ رواۃ شیعہ کتب رجال میں مجہول الحال ہیں۔ ابن ابی الحدید معتزلی کا اس
روایت کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرنا اور پھر اس کی اسناد قرضی بیان کرنا اس امر کی
کھلی دلیل ہے کہ یہ روایت مفتریات اہل سنت میں سے ہے اسی واسطے تو ابن میثم بحرانی نے شرح
حدیدی سے نقل کرتے وقت بعنوان رُوِیَ اس روایت کو تحریر کیا۔ کیونکہ اگر اس کی اسناد پر اعتبار
ہوتا تو ان رواۃ کے نام بھی تحریر کر دیتا۔ شرح حدیدی میں اس روایت کے اسناد کا ہونا
اور بحرانی کا ان کو نہ لکھنا ثبوت ہے اس بات کا کہ اس روایت کی اصل شرح حدیدی ہے
اور صرف نقل پر اکتفا شارح بحرانی نے کیا ہے۔ لہٰذا یہ روایت خود اہل سنت کی مرویہ ہے جو
ہمارے لئے حجت نہیں اور نہ ہی بخاری و مسلم کے رجال کے مقابلہ میں اس کی کچھ وقعت ہے۔

رضامندی کی بحث سے اخذ شدہ نتائج

مسئلہ رضامندی پر جس پر ہم نے بحث کی ہے اس سے چند ایک نتائج برآمد ہوتے ہیں جن کو ہم ذیل میں درج کر جناب مصنف اور ناظرین کرام کو دعوتِ فکر دینا چاہتے ہیں تاکہ سلیم الفطرت انسان ان واقعات کو مطالعہ کر لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ شیعہ و سنی کی کسی روایت سے رضامندی کا استدلال خلاف عقل و نقل ہے۔

(۱) مسئلہ رضامندی غیر یقینی ہے اور ناراضگی تادم مرگ یقینی ہے لہٰذا یقین کے مقابلہ میں شک اور وہم کو پیش کرنا درست نہیں ہے (۲) شیعہ کے ہاں بعقائد صریحہ ائمہ کی زبان سے ناراضگی تادم مرگ اور لعنت کے کلمات دربارہ شیخین مروی ہیں جیساکہ امام رضا علیہ السلام کا عقیدہ ہم نے لکھ دیا ہے۔ لہٰذا ان اعتقادات کے مقابلہ میں بحرانی کی غیر معروف روایات کا کوئی مقام نہیں ہے (۳) بقول شاہ صاحب اہل سنت کی کتابوں میں رضامندی مذکور نہیں ہے۔
(۴) بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت غضب اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے لہٰذا اس کے مقابلہ میں بیہقی کی مرسل روایت رضامندی مرجوع اور ساقط عن الاعتبار ہے۔ اصولِ حدیث اہل سنت کے لحاظ سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ مرسل بمقابلہ مسند ساقط عن الاحتجاج ہے (۵) رضامندی کی روایت اگر قابلِ تسلیم ہوتی تو کبار علماء متقدمین سخت اشکال کے قائل نہ ہوتے جیساکہ عنقریب ہم علماء اہل سنت کے بیانات درج کر کے ثابت کرینگے کہ اہل سنت قضیہ فدک کو مشکل قضایا میں شمار کرتے ہیں (۶) بحرانی کی روایت درحقیقت مرویہ اہل سنت ہے۔ معتزلی نے اس کی اسناد بیان کی ہیں۔ ان اسناد کا حال کتب شیعہ میں موجود نہیں ہے ہمارے لئے وہ بات حجت ہو سکتی ہے جس کی اسناد صحت کے ساتھ کسی معصوم تک پہنچے مگر بحرانی کی روایت کا یہ حال ہرگز نہیں ہے نیز یہ روایت مندرجہ شرح بحرانی اہل سنت کی متعدد روایات کا خلاصہ ہے جیساکہ اس روایت کے اخیر میں ابن میثم نے صاف تصریح کر دی ہے کہ اس قصہ میں خبط کثیر اور بحث طویل ہے لہٰذا دونوں روائتیں نقل کر دیں۔ اول شیعہ کی جس کی توثیق لفظ مشہور اور متفق علیہ سے کر دی۔ دوسری اہل سنت کی جیسا صیغہ مجہول سے ضعف بیان کر دیا ہے۔
(۷) اس روایت میں اثبات ہبہ موجود ہے اور علی و ام ایمن کی شہادتوں کا تذکرہ ہے

اگر حضرت مصنف تحقیق فدک اس روایت کو صحیح سمجھ کر پیش کرتے ہیں تو فدک ھبہ بحق بتولؑ تسلیم کرنا پڑیگا۔ ورنہ کسی روایت میں قطع و برید کر کے بطور حجت پیش کرنا خلاف اصول مناظرہ ہے۔

(۸) اس روایت میں عمر اور عبدالرحمٰن کا جناب سیدہ کے دعویٰ کی معاذاللہ تکذیب کرنا موجود ہے یعنی دعوے ہبہ پر ابوبکر کا کہنا کہ اے بی بی تو نے سچ کہا۔ علی وام ایمن نے بھی ٹھیک کہا۔ حدیث لانورث کی گواہی عمر و عبدالرحمٰن نے دی۔ اس پر ان کو بھی کہا کہ تم نے سچ کہا۔ دو متضاد بیان ہیں۔ جو شخص جناب سیدہ کی نعوذ باللہ تکذیب کرے اس کے متعلق شاہ صاحب ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

(۹) جناب سیدہ نے بطور اتمام حجت اس پر عہد لیا مگر ابوبکر اس پر بھی قائم نہ رہ سکا جیسا کہ اہل سنت کی کتاب ابوداؤد میں موجود ہے کہ ابوبکر نے اہل بیت کا خمس بھی بند کر دیا۔ حالانکہ قرآن میں حکم موجود ہے اور حضرت رسول کریمؐ اپنے اہل بیت کو خمس دیا کرتے تھے۔

(۱۰) بحرانی کی درج کردہ مجہول روایت اگر تسلیم کر لی بھی جائے تو حضرت مصنف کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ فرضیت بہا بذالک موجود ہے جس کا معنی رضامندی نہیں اگر فرضیت عنہ ہوتا تو اور روایت بھی اسناد کے لحاظ سے معروف اور صحیح ہوتی بسلسلہ سند کسی امامؑ تک پہنچتا تو البتہ قابل حجت ہو سکتی تھی۔ فرضیت بذالک سے خوشنودی کا استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ غضب کی ضد نہیں جس سے معارضہ تسلیم کر لیا جائے۔

عربی کی تمام لغتوں میں لکھا ہوا موجود ہے کہ جب رضیَ کا صلہ بذالک ہو تو اس کا معنی قناعت ہوا کرتا ہے مثلاً رضی الشیئ و رضی بہ و فیہ اختارہ و قنع بہ۔ یعنی رضی الشیئ کے معنے کسی چیز کو اختیار کرنا اور رضی بہ کے معنے ہیں اس پر قناعت کرنا۔ منتہی الارب ص۱۲۵ مطبوعہ لاہور، پر تحریر ہے۔ ورضی بہ قناعت کرد آں۔ یعنی اس پر قناعت کی۔ اب اس روایت کا مفہوم یہ ہوا کہ جناب سیدہ نے دعوے ھبہ فدک کیا۔ گواہ پیش کئے۔ ابوبکر و عمر نہ مانے۔ گواہی رد کر دی صرف کچھ غلہ وغیرہ دینے پر تیار ہوئے۔ فرضیت بذالک بی بی پاک نے اسی غلہ پر قناعت اور صبر کیا نہ کہ خوشنود ہو گئیں۔ اگر حضرت شاہ صاحب خواہ مخواہ رضامندی ہی دکھانا چاہتے ہیں تو رضیت عنہ یا رضیت علیہ دکھلائیں۔ جیسا کہ روایت مذکورہ اہل سنت مرویہ بیہقی ضعیف اور مرسل میں فرضیت عنہ یا قرآن حکیم میں رضی اللہ عنہم و رضو عنہ موجود ہے یا جیسا کہ ہم بخاری

و مسلم کی صحیح اور مستند روایت سے وجدت ابوبکر پیش کرتے ہیں۔

قارئین کرام پر اب تو واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ بی بی عالیہ نے قناعت کی یعنی اسی قدر غنیمت سمجھا جو کچھ انہوں نے دینے کا وعدہ کیا۔ مگر مرشدان اہل سنت نے وہ بھی نہ دیا۔ اس روایت سے بی بی پاک کا راضی ہو جانا کہاں ثابت ہوا۔ افسوس روایت بھی اہل سنت کی اور پھر مجہول الحال جس سے خوشنودی بتول کا استدلال کیا گیا ہے۔ حضرت مصنف کی ساری عمر کی علمی تحقیق دربارہ فدک صرف اسی روایت پر تھی جس کی حقیقت کا انکشاف اوپر کیا گیا ہے۔ ناظرین بنظر استحسان مطالعہ فرما کر خود ہی فیصلہ کر لیں۔

"حضرت امیرؑ نے جناب فاطمہؑ کی ہر وقت امداد کی"

تحریر فرماتے ہیں" کہ اگر اس رضامندی کی روایت پر ناراضگی کی روایت کو ترجیح دی جاوے تو حضرت امیر علیہ السلام کی شان اقدس پر حرف آتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جناب فاطمہ کی امداد کیوں نہ کی۔ (تحقیق فدک صفحہ ۹۶)"

تو اس امر کا جواب یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام سے جتنی امداد ہو سکتی تھی۔ اتنی ضرور کی صرف آپ کی سمجھ کا قصور ہے۔ دربار حاکم میں جتنے دعوے بی بی پاک نے کئے۔ حضرت علیؑ برابر قرآن و حدیث سے احتجاج کرتے رہے۔ زبان سے جتنا ہو سکا۔ اتنا کیا جس پر بی بی ناراض ہوئی۔ اس پر حضرت امیرؑ بھی ناراض رہے۔ آپ کے علماء اہل سنت نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت علیؑ کا ابوبکر کی بیعت نہ کرنا اسی وجہ سے تھا کہ حضرت فاطمہ ناراض ہو گئی علامہ ابن کثیر دمشقی نے البدایہ والنہایہ میں اس کی تصریح کر دی ہے اور سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ پر حضرت علی کے بیعت نہ کرنے کی وجہ ابوبکر اور جناب فاطمہ کا تنازعہ میراث ہی تحریر ہے۔

عدم قتال علی با ثلاثہ بموجب وصیت تھا

باقی رہا جنگ نہ کرنا حضرت امیر علیہ السلام کا تو وہ اپنے حقوق کی تلفی کی بنا پر اسلام کی ظاہری پوزیشن خراب نہیں کرنا چاہتے تھے انہیں اسلام کا درد تھا اور بموجب وصیت پیغمبرؐ حضرت علیؑ کو صبر کی تلقین بھی تھی۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۱ پر حضرت سرور کائنات کی وصیت کو ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔ دریا علی بعد از من تو مکروہات خواہند رسید باید کہ دل تنگ نشوی و صبر کنی۔

اگر مردماں دنیا را اختیار کنند تو آخرت را اختیار کنی۔ یعنی اے علی میرے بعد تجھے تکالیف پیش آئیں گی چاہیئے کہ دل تنگ نہ ہونا اور صبر کرنا۔ اگر لوگ دنیا کو اختیار کریں تو تو آخرت کو اختیار کرنا"
بموجب وصیت پیغمبر حضرت علیؑ کو اتنا ہی کرنا مطلوب تھا جو زبان سے دنیا کو کر دکھایا۔ اگر قصہ زہوتا تو واقعی یہ امور ناشائستہ اہل بیت کو پیش نہ آتے۔ خیبر و خندق کے معرکے فتح کرنے والی تلوار ذوالفقار کندنہ ہو گئی تھی۔ مگر یہ لوگ ما تشاء ون الا ان یشاء اللہ کے پابند تھے۔ مزید برآں وجوہات عدم قتال علی با ثلاثہ ملاحظہ ہو۔ فلک النجاۃ جلد ۱ ص۱۳۰ طبع ثانی۔

مصنف کا اقرار کہ روایت رضامندی کتب اہل سنت میں موجود نہیں۔

جواب چہارم کے تحت لکھتے ہیں کہ شیعہ کے ہاں تعدد روایات کے موقعہ پر ایک قاعدہ رکھا ہوا ہے کہ دعوما وافق القوم فان الرشد فی خلافہم یعنی چھوڑ دو اس روایت کو جو مخالفین کے موافق ہو۔ کیونکہ ہدایت اسی میں ہے۔ پھر اسی قاعدہ کے لحاظ سے ص۹۱ پر تحریر کرتے ہیں۔ کہ ناظرین کرام اس قاعدہ کی رو سے ناراضگی کی روایت کو ترک کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح کی ایک روایت صحاح ستہ اہل سنت میں موجود ہے اور رضامندی کی روایت کو قبول کر لینا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس قسم کی کوئی روایت اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے۔" تحقیق فدک ص۹۱ و ص۹۱۔
بیشک مذہب امامیہ میں قاعدہ مذکور صحیح ہے۔ کیونکہ زمانہ تقیہ میں ائمہ اطہار کو ہر قسم کی روایات بیان کرنی پڑتی تھیں۔ لہٰذا تعدد روایات کے وقت مسئلہ کا استنباط کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اس واسطے یہ قاعدہ مقرر ہوا۔ چونکہ مخالفین نے اہل مذہب کے خلاف اپنے مسلمات کی بنیاد رکھی ہوتی تھی۔ ان کے اکثر عقائد خلاف حق تھے لہٰذا جو ان کے خلاف ہوتا وہی مبنی برحق ہوتا۔ شیعہ کی کتابوں میں ناراضگی کی روایات بکثرت موجود ہیں اور ایک روایت رضامندی منقولہ شاہ صاحب بھی مرویہ اہل سنت درج ہے۔ اہل سنت کی کتابوں میں بھی دو قسم کی روایات موجود ہیں۔ ایک ناراضگی اور دوسری رضامندی والی مخالفین کے نزدیک چونکہ رضامندی زہراؑ مشہور ہے اور ہر وقت منابر و مساجد میں رضامندی زہراؑ کو بیان کرتے رہتے ہیں لہٰذا اس قاعدہ مذکور کے لحاظ سے جو اس کے خلاف روایت ہمارے ہاں موجود ہے۔ ہم اس کو قبول کریں گے۔ کیونکہ اسمیں رشد و ہدایت ہے۔ شاہ صاحب کا یہ کہنا

کہ اہل سنت کی کسی کتاب میں روایت رضامندی زہرا موجود نہیں ہے۔ یہ محض غلط ہے کیونکہ پچھلے صفحات میں ہم نے سیرت حلبیہ سے روایت رضامندی درج کر دی ہے۔ حالانکہ اس روایت کا شاہ جی کو اچھی طرح پتہ ہے جان بوجھکر قاعدہ مذکورہ سے استدلال کرنے کی خاطر اس روایت سے چشم پوشی کی ہے اور اگر واقعی شاہ صاحب کو اس روایت کا پتہ نہیں تو کیوں اتنی بڑی تصنیف کر ڈالی۔ جب اہل سنت کا گمان ہے کہ بی بی پاک راضی ہو گئی تھی تو اس عقیدہ کا دارومدار کس روایت پر ہے جبکہ صحاح ستہ اہلسنت میں روایت ناراضگی بھی موجود ہے۔ شیعہ کی روایات آپ کے لئے تو حجت نہیں۔ کتب اہلسنت پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جناب زہرا راضی نہیں ہوئی۔ آپ کا تمام تر دعوے خس و خاشاک پر مبنی ہے چنانچہ کبار علماء متقدمین اہل سنت اس سخت اشکال کے قائل ہیں کہ اس کا جواب مشکل ہے اور قضیۂ فدک کو مشکل ترین قضایا میں شمار کیا ہے۔ چلو شیعہ حضرات ایک منٹ کے لئے تسلیم کر لیتے ہیں کہ بی بی پاک راضی ہو گئی۔ مگر اہل سنت کیا جواب دینگے۔ جبکہ ان کے ہاں رضامندی کی کوئی روایت بقول مصنف موجود نہیں ہے۔ فتدبر یا تو مصنف تحقیق فدک ماشاءاللہ اپنے مذہب کے علمی ذخیرہ سے بالکل ناواقف ہیں یا پھر جان چھڑانے کے لئے اس روایت سے اغماض واجب سمجھا۔ حالانکہ مذہب اہل سنت میں لے دے کر صرف یہی ایک روایت رضامندگی موجود تھی۔ جس کے بل بوتے پر آج تک نقارۂ رضامندی بج رہا ہے۔ ورنہ اسکے علاوہ تو تمام مذہبی لٹریچر اہل سنت کا ناراضگی زہرا کا تادم مرگ ابوبکر پر گواہ ہے عنقریب ہم ان روایات کو درج کرینگے (لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا)

محققین اہل سنت کے تحقیقی بیانات دربارہ فدک

اب ہم ذیل میں بڑے بڑے علماء اہل سنت کی رائیں پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے واقعات فدک سے متاثر ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ناظرین کرام کو دیکھنے سے پتہ چل جائیگا۔ کہ فدک کی بحث کرتے ہوئے علماء اہل سنت کے قلم کیسے رک جاتے ہیں اور اس قضیہ کو مشکل ترین قضایا میں سے شمار کرتے ہیں۔ ورنہ اگر روایت رضامندی کتابوں میں صحیح موجود ہوتی تو یہ لوگ اشکال کے کیوں قائل ہوتے۔ رضامندی کو غضب کے معارضہ میں پیش کر کے مسئلہ حل

کر لیتے مگر یہ لوگ اہل علم تھے۔ انہوں نے علمی خیانت مناسب نہ سمجھی اور غضب کے قائل ہو گئے۔

شاہ عبدالحق دہلوی کا بیان

چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبع نولکشور جلد ۳ صفحہ ۲۲۵ باب الفئی میں فدک کی بحث کرنے کے بعد یوں رقمطراز ہیں: "مشکل ترین قضایا قضیۂ فاطمۃ الزہراست۔ زیراکہ اگر گوئیم کہ او جاہل بود بایں سنتے کہ ابوبکر نقل کردہ بعید است از فاطمہ و اگر الزام کنیم شاید اتفاق نیفتاد اور اسماع ایں حدیث از ابی بکر و شہادت سائر صحابہ برآں چرا قبول نکرد و در غضب آمد و اگر غضب او پیش از سماع حدیث بود چرا بر نگشت از غضب تا ایں کہ امتداد کشید و تا زندہ بود مہاجرت کرد ابوبکر را" ترجمہ۔ مشکل ترین قضایا میں سے جناب فاطمہؓ کا قضیۂ فدک مشکل ہے کیونکہ اگر ہم کہیں کہ جناب فاطمۃ الزہراؑ ابوبکر کی نقل کردہ حدیث لانورث سے جاہل تھیں تو یہ بھی امر بعید ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ شاید جناب بی بی پاکؑ کو اس حدیث کے سننے کا اتفاق نہیں ہوا ہوگا تو یہ اور مشکل بن جاتی ہے کہ بعد اس حدیث کے ابوبکر سے سننے کے اور تمام صحابہ کی گواہی کے قبول کیوں نہ کر لیا اور غضبناک ہو گئیں۔ اور اگر ناراض ہونا جناب فاطمہؑ کا اس حدیث کے سننے سے پہلے پہلے تھا تو غصہ سے واپس کیوں نہ ہوئیں۔ جناب کے غضب و غصہ نے اتنا طول کھینچا یہاں تک کہ فوت ہو گئیں۔"

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی رائے

رویائے صادقہ صفحہ ۱۹۱ طبع پنجم میں شمس العلماء حافظ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی سنی مترجم قرآن اپنی رائے دربارہ فدک یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

" جو شخص سب سے زیادہ پیغمبر صاحب کی وفات سے متاذی ہوا وہ جناب فاطمہؑ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب صلعم تھے اور باپ بھی کیسے باپ، دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر سے اٹھ جانا اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم ہونا نمک بر جراحت۔ ترکہ پدری باغ فدک کا دعوے کرنا اور مقدمہ کا ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم

صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مرجاتا۔ مگر ان کے صبر و ضبط ان کے ساتھ ہی تھے پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ ہی مہینہ کے اندر اندر انتقال فرما گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جنہوں نے رنج دیئے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازہ پہ آنے کی مناہی کر دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مانا کہ ان کا غصہ کسی قدر بے جا بھی تھا۔ (معاذ اللہ) تاہم ان کے باپ کے حقوق کیا چاہتے تھے۔ جناب فاطمہؑ کے دلِ افسردہ کو خوش کرنے کے لئے جناب علیؑ کو اگر وہ اہل بھی نہ تھے برائے نام خلافت دے دی ہوتی۔ اور آپ انتظام کیا ہوتا۔ خیر خلافت تو کون دیتا ہے مگر باغ فدک کے دینے میں کون سی قباحت تھی۔ حدیث نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ کے خلاف ہوتا تو گناہ جناب سیدہ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھائیں۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیت نبویؐ کو پیغمبر صاحبؐ کی وفات کے بعد ہی سے ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیئے تھا اس میں ضعف آگیا۔ اور وہ شدہ شدہ منجر ہوا۔ اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں

ابن ابی الحدید معتزلی کی رائے

علامہ ابن الحدید معتزلی اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ $\frac{19}{2}$ میں تحریر فرماتے ہیں یہ معتزلی بزرگ وہی ہے جس کو مصنف تحقیق فدک نے شیعہ لکھا ہے۔ کتاب کے گذشتہ صفحات میں ہم نے اس کو اہل سنت کی کتابوں سے سنی ثابت کیا ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں اصل متن کو چھوڑ کر ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ "میرے نزدیک یہ صحیح ہے کہ جناب زہرا ابوبکر و عمر پر غضبناک فوت ہوئیں اور انہوں نے یہ وصیت فرمائی کہ ابوبکر و عمر صاحبان میرے جنازہ پر نماز نہ پڑھیں۔ ہمارے اصحاب اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک شیخین یعنی ابوبکر و عمر کا گناہ بخشا جائے گا۔ اگرچہ ان دونوں کے لئے یہ

یہ مناسب تھا کہ قدر و منزلت جناب زہراؑ کی پاسداری کرتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اختلاف و فساد سے ڈر گئے اور جو ان کو زیادہ مناسب معلوم ہوا اس پر عمل کیا۔ ابن ابی الحدید کا سنی ہونا اس فقرہ سے ہی ظاہر ہے۔ کیسے لطیف پیرایہ میں ابوبکر و عمر کی خطا معاف کرتا ہے۔ کیا کوئی شیعہ ایسا لکھ سکتا ہے؟

محدّث ابن قتیبہ کا تفصیلی بیان

علامہ ابی محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری صاحب کتاب (المعارف) اپنی کتاب الامامة والسیاسة جلد ۱ صفحہ ۱۲ تا ۱۳ مطبوعہ مصر تحت عنوان "کیف کانت بیعة علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ" تحریر کرتے ہیں (مولانا مودودی امیر جماعت اسلامی نے کتاب امامة والسیاسة سے تاریخی واقعات اخذ کر کے اپنی کتاب رسائل و مسائل میں درج فرماتے ہیں۔ گویا اس کتاب کو ابن قتیبہ ہی کی تصنیفات میں سے شمار کیا ہے") صرف ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اصل عبارت کے لکھنے سے طول ہو جائے گا۔ "عمر نے ابوبکر کو کہا کہ ہم نے جناب فاطمہؑ کو ناراض کیا ہے۔ چلو جا کر راضی کریں۔ وہ دروازہ فاطمہؑ پر آئے اور دونوں کی اجازت مانگی۔ پس جناب فاطمہ نے اجازت نہ دی۔ اس کے بعد علیؑ کے پاس آ کر اجازت حاصل کی۔ اور اندر آ کر جناب فاطمہؑ کے پاس بیٹھ گئے۔ جناب زہراؑ نے اپنا منہ دیوار کی طرف کر دیا۔ ابوبکر و عمر نے سلام دیا۔ جناب فاطمہ نے سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ ابوبکر بولا! اے حبیبہ رسول! ہم کو رسول اللہ کی قرابت اپنی قرابت سے زیادہ عزیز ہے اور تو مجھے اپنی بیٹی عائشہ سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ ہم تیرے فضل اور شرف سے واقف ہیں اور ہم نے رسول اللہ صلعم کی میراث میں سے تیرے حق کو روک رکھا ہے۔ یہ محض اس واسطے کہ ہم نے تیرے پدر بزرگوار سے سنا تھا کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں۔ وہ صدقہ ہے۔

اس کے بعد جناب بی بی نے فرمایا کہ کیا تم دونوں نے رسول اللہ صلعم سے نہیں سنا تھا کہ رضامندی فاطمہ میری رضامندی اور غضب فاطمہ میرا غضب ہے جس نے فاطمہ میری بیٹی کو عزیز رکھا اس نے مجھے عزیز رکھا۔ جس نے اس کو تکلیف پہنچائی۔ اس نے مجھے تکلیف

دی ۔ ابوبکر و عمر دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے ایسا ہی تیرے باپ سے سنا تھا۔
جناب فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا کہ میں اللہ جل جلالہٗ اور ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تحقیق تم دونوں نے مجھے غضبناک کیا اور راضی نہیں کیا اور جب میں اپنے پدر بزرگوارؐ سے ملاقات کرونگی ۔ تو تم دونوں کی شکائیت کرونگی ۔ ابوبکر نے کہا کہ ہم اللہ و رسولؐ اور تیرے غصے سے اے فاطمہ پناہ مانگتے ہیں ۔ اسکے بعد ابوبکر نے رونا شروع کر دیا ۔ عنقریب تھا کہ اس کا نفس زائل ہو جاتا ۔ اور جناب بی بی پاک فرماتی رہیں کہ اللہ کی قسم میں ہر نماز کے بعد جس وقت کہ پڑھونگی ۔ اللہ کو پکاروں گی ۔ یعنی تمہارے لیئے بد دعا کروں گی ۔ پھر ابوبکر و عمر روتے ہوئے نکل گئے۔

مورخ ابن کثیر دمشقی کی تحقیق

عصر حاضر کے مفکر اعظم امیر جماعت اسلامی حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مفسر قرآن اپنی کتاب رسائل و مسائل کے ص۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ ابن کثیر دمشقی البدایہ والنہایہ میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ کے پاس خاطر سے چھ ماہ تک خانہ نشین رہے کیونکہ وہ تقسیم میراث کے معاملہ میں ابوبکر سے ناراض ہو گئی تھیں اور حضرت علیؑ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ نبی کریمؐ کی وفات سے جو مانع ان کے دل کو لگا ہے اس پر کسی ادنیٰ وجہ کے ملال کا بھی اضافہ ہو۔

عبارت بالا کی تصدیق سیرت حلبیہ علی بن برہان الدین شافعی جلد۳ ص۲۹۸ میں بھی ان الفاظ کے ساتھ درج ہے وقد جمع بعضہم بان علیا کرم اللہ وجہہ بایع اولاً ثم انقطع عن ابی بکر لما وقع بینہ وبین فاطمہؑ ۔ یعنی بعض نے اس طرح کہا ہے کہ پہلی دفعہ حضرت علیؑ نے بیعت کر لی تھی پھر اس وقت توڑ دی جس وقت کہ ابوبکر و جناب فاطمہؑ کے میراث کا تنازعہ ہوا) ان روایات بالا کی رو سے اگر حضرت علیؑ نے چھ ماہ بعد حضرت ابوبکر سے بیعت بھی کر لی تو یہ اہل سنت کا اپنا مزعومہ ہے تاہم ہمارے دعوی (یعنی جناب فاطمہ کا تا دم مرگ ناراض رہنا) کی تائید باحسن وجوہ ثابت ہے۔

شبلی نعمانی کا خیال

چودھویں صدی کا سب سے بڑا مورخ متعصب سنی المذہب سیاست عمریہ کا شارح اور ناشر علامہ شبلی نعمانی مصنف کتاب سیرۃ النبی اپنی کتاب الفاروق مطبوعہ مفید آگرہ ص۲۵۳ جلد۲ میں تحریر

کرتا ہے۔ اسی سلسلہ میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآرا رہا ہے۔ ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ باغ آنحضرت کی جائداد تھی۔ شبلی مذکور کی یہ خیرہ چشمی اور تجاہلِ عارفانہ ہے۔ ورنہ باغ فدک کا خالصتہً لرسول اللہ ہونا مسلمات اہل سنت سے ہے۔ اس چیز کو محض ایک فرقہ کا خیال کہکر ٹال دیا۔ حالانکہ فریقین کا اس امر پر اتفاق ہے کیونکہ اس پر چڑھائی نہیں ہوئی۔ بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرت کو سپرد کردی۔ اور اسی وجہ سے اس آیہ کے تحت میں داخل ہے وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر اور جب آنحضرت کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ جو قرآن میں مذکور ہے جاری ہوگا اور آنحضرت کے ورثاء اس کے مستحق ہوں گے لیکن حضرت عمر نے باوجود حضرت علیؑ کے طلب و تقاضا کے آلِ نبی کو محروم رکھا۔"

علامہ راشد الخیری کی رائے

علامہ راشد الخیری مصور غم مصنف "سیدہ کا لال" اپنی کتاب سیرۃ الزہراؑ صفحہ پر رقم طراز ہیں۔

" چونکہ رسول اللہ نے فدک کو اپنے واسطے مخصوص کرلیا تھا اور اپنے اہل وعیال کے واسطے اناج رکھ کر جو بچتا تھا وہ اُن مسافروں پر صرف فرما دیتے تھے جو اسلام کے سلسلہ میں آئے تھے۔ اس لئے لوگوں نے حضرت سیدہؑ سے کہا کہ " فدک رسول اللہ کی ذاتی ملکیت ہے اور اس کی جائز وارث آپ ہیں آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا وارث نہیں ہو سکتا۔ خلیفۂ اوّل نے سیدہ سے کہا کہ بنتِ رسول اللہ آپ کا دعویٰ میراث حق بجانب نہیں ہے کیونکہ انبیاء کا ورثہ نہیں ہوتا" بچارے اہل سنت جناب فاطمہ زہراؑ کو کیسا بھولا بھالا خیال کرتے ہیں۔ گویا ان کے خیالِ باطل میں بی بی کو طلب ورثہ کا خیال ہی نہیں تھا۔ لوگوں کے بھڑکانے سے ابوبکر کے پاس دعوے کردیا"

عصمت مآب خاتون کی نسبت ایسے خیال کرنا محض ابوبکر سے بے لوث محبت کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کو ہوش کرنا چاہیئے۔ یہ کیسی خیرہ چشمی ہے کہ بی بی کے دعویٰ کو حق بجانب نہ سمجھتے ہوئے رسالت کی شاہدہ خاتون پہ لاعلمی کا بہتان لگاکر رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والے مزعومہ

صدیق کی فرضی صداقت کو چار چاند لگا رہے ہیں۔

مفسر حقانی کی رائے

مفسر قرآن علامہ ابو محمد عبدالحق دہلوی اپنی تفسیر فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی جلد ہفتم ص۷ پر اہل اسلام کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے پہلا اختلاف خلافت قرار دیتے ہیں۔ اور دوسرے اختلاف کے ضمن میں یوں تحریر فرماتے ہیں "حضرت صدیق اکبر کی خلافت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔ جس میں حضرت فاطمۃ الزہرا مدعیہ تھیں اور خلافت مدعا علیہ دعویٰ یہ تھا۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائداد میں سے بموجب فرائض مجھے حصہ ملنا چاہیئے۔ دعوےٰ بہت درست تھا مگر خلافت کی طرف سے یہ جواب ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات میں اس جائداد کو وقف کر چکے تھے۔ پیغمبر اسلام کی یہ شان نہ تھی کہ وہ جائداد یا روپیہ پیسہ چھوڑ کر دنیا سے رحلت کریں۔ اس پر شہادت گذر گئی مگر جس قدر جائداد آنحضرتؐ نے اقارب کے مصارف میں لگادی تھی۔ خلافت نے اقارب کے خرچ و اخراجات بلحاظ قرابت پیغمبرؐ بدستور جاری رکھے یعنی منافعہ جاری رہے۔ تملیک عین نہ کی۔ بلکہ وہ سب خلافت کا مال تصور ہوا۔ اس پر اگر فاطمہ زہرا کو رنجیدگی ہوئی تو انسانی جبلت اور برادرانہ رنجش خیال ہو سکتی ہے"۔

علامہ وحید الزمان مترجم صحاح ستہ کی تحقیق

علامہ وحید الزمان امین الامت مترجم صحاح ستہ بخاری کے ترجمہ پارہ نمبر ۱۲ ص۶۲ کتاب الجہاد والسیر حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی اس پر مبنی تھی کہ ان کو اس حدیث کی خبر نہ تھی۔ وہ قرآن کی ظاہری آیتوں سے یہ خیال کرتی تھیں۔ کہ پیغمبروں کے لوگ وارث ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا ورث سلیمان داؤد اور فرمایا هب لی من لدنك ولیًّا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ حدیث شریف کی رو سے یہ وراثت علم اور نبوت کی ہوگی۔ نہ مال و دولت کی بعضوں نے کہا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی بوجہ نازک مزاجی اور صاحبزادگی کے

تھی اور خصوصاً ایسی حالت میں پدرِ بزرگوار کا سایہ ابھی ابھی اُٹھا تھا۔ اس کا صدمہ بے حد تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ مرتے دم تک انہوں نے ابوبکر سے بات نہیں کی۔ بعضوں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ترکہ کے مقدمہ میں اُنہوں نے مرتے تک گفتگو نہیں کی۔ حافظ نے کہا کہ یہ تاویل صحیح نہیں۔ نغضبت کا لفظ یہ کہتا ہے کہ انہوں نے ابوبکر صدیق سے بوجہ غصّہ کے پھر بات ہی نہیں کی۔

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی کا فیصلہ

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی جس کی جلالتِ علمی اور شہرتِ آفاقیہ اکناف عالم میں مشہور ہے۔ ہندوستان کا مایہ ناز سُنّی عالم اور سیاستِ عمریہ کا سب سے بڑا شارح ہے۔ اسی بخاری کی روایت سے متاثر ہو کر قضیۂ فدک کے اشکال کو حل نہیں کر سکا۔

چنانچہ اپنی کتاب قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص۲۲۹ مطبع مجتبائی دھلی میں تحریر فرماتا ہے۔ "می باید کہ اہل سنّت وشیعہ تفضیلہ ہمہ فکر حل ایں اشکال بکنند وآنچہ بخاطر ایں بندہ میگذرد آنست کہ انقباض زہرا رضی اللہ عنہا امر جبلّی بود" ترجمہ۔ یعنی اہلسنت اور شیعہ تفضیلیہ کو چاہیئے کہ مل کر قضیہ فدک کے اشکال کو حل کریں۔ اور جو کچھ میرے دل میں اس مسئلہ کی سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ ناراض ہونا جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک جبلّی بات تھی۔ یعنی معصومہ کی طبیعت ہی ایسی تھی۔

مُلّا معین محدث لاہوری کی رائے

مُلّا معین لاہوری شاگردِ رشید شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب دراسات اللبیب جناب فاطمہ علیہا السلام کی عصمت ثابت کرتے ہوئے حدیث لانورث کا جواب تریہ فرما کر بی بی پاک کا تا دم مرگ اپنے دعوے پر اصرار کرنا بروایت بخاری تسلیم کرتے ہیں۔ اور آں معصومہ کے ساتھ تمام اہلِ بیت کا اتفاق بھی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اذا الحدیث لیس نصًا فی مطاوب ابی بکر از لہما رضی اللہ عنہا عن

هذا الحديث اجوبة افردنا فيها واعتقد مع ذلك اصرارها على انها حتى وصلت الى ابيها صلوات الله عليه، وعليها كما يشهد به الظاهر حديث فى البخارى ولم تكن رضى الله عنها فى ذلك وحدها بل وافقها على ذلك كبار الصحابة على والحسن والحسين فقد استبان من هذا كله ان ثبوت الخلاف منهم لاينافى فى القول بعصمتهم ولم يثبت عندنا عن على ان رجع عن قوله كما رجع غيره من اكابر الصحابة ولا باقى الائمة الطاهرين انتهى ملخصًا۔ ترجمہ ۔ حدیث مطلوب ابوبکر یں نص نہیں ہے کیونکہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس حدیث کے متعلق کئی جواب ہیں جسکو ہم نے علیحدہ کتابی صورت میں لکھا ہے ۔ باوجود حدیث لا نورث کے بی بی پاک اپنے اصرار پر قائم رہی ۔ یہاں تک کہ اپنے پدر بزرگوار کے پاس چلی گئی یعنی فوت ہو گئی ۔ جیسا کہ بخاری کی ظاہر حدیث اس پر شاہد ہے ۔ نیز اس دعویٰ میں جناب بی بی پاک کو انفرادیت حاصل نہیں ۔ یعنی اکیلی نہیں بلکہ آپ کے ساتھ کبار صحابہ علی و حسنین علیہم السلام نے بھی موافقت کی ہے ۔ یعنی تمام اہل بیت کا اصرار اپنے دعویٰ پر مسلم ہے اور ان حضرات کے ساتھ ان کے خلاف کا قول منافی عصمت نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے کہ علیؑ و اولاد علی یعنی ائمہ طاہرین نے اپنے قول و اصرار سے رجوع کیا ہو ۔ جیسا کہ بعض صحابہ کا رجوع کرنا ثابت ہے ملاحظہ ہو ۔ دراسات اللبیب ص ۲۰۷ مطبع مفید لاہور مصنفہ ملا معین محدث لاہوری ۔ اس کے بعد مولف دراسات نے جملہ اعتراضات کا جواب دے کر لکھا ہے کہ ایسے کلام سے جو انسان میرے غیر سُنی ہونے کا اعتراض کرے تو اس تہمت کا گناہ اسی پر ہو گا اور اللہ تعالیٰ اس سے خصومت کرے گا ۔

عصرِ حاضر کے فاضل اہل حدیث مولانا محمد اسماعیل کا بیان :

ہمارے ایک مہربان دوست کے استفسار کے جواب میں جناب مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل و صدر علماء اہل حدیث پاکستان بمقام گوجرانوالہ

ناراضگیٔ فاطمہؓ علیہا السلام کے متعلق یوں فتوے ارشاد فرماتے ہیں۔ فتوے ہمارے پاس موجود ہے۔ صرف نقل پہ اکتفا کیا جاتا ہے۔

"اُمّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لانا فرض ہے اور آپ کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اس کے سوا کسی انسان کا راضی ہونا یا ناراض ہو جانا ایمان پہ اثرانداز نہیں ہو سکتا۔ حضرت فاطمہؓ سے مطالبہ کیا تھا۔ یہ مطالبہ شرعاً بے محل تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرتؐ کے ارشاد سے جواب دے دیا۔ اس پہ حضرت فاطمہؓ ناراض ہوئیں تو یہ ناراضگی بے محل ہے۔ صحیح بخاری صحیح ہے۔ اُمّت کا اس پر اتفاق ہے اور اجماع ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی کا تذکرہ بھی بخاری میں موجود ہے۔ یہ حضرت فاطمہؓ کی غلطی ہے۔ ہمارے نزدیک مسئلہ فدک میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ کیونکہ جو آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق ہوا وہ درست ہے جو اس کے خلاف ہے وہ غلط ہے میری نظر میں آنحضرتؐ کے بالمقابل حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ مجھے ایسی روایت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے جس سے حضرت فاطمہؓ کی رضا ثابت ہو۔

محمد اسماعیل از گوجرانوالہ ۲/۵/۵۶

فاضل اہلِ حدیث کی یہ خیرہ چشمی ہے۔ کہ ناراضگیٔ فاطمہؓ ایمان پر اثرانداز نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ اسی بخاری میں حدیث موجود ہے کہ "الفاطمة بضعة منی من اذاھا فقد اذانی" یعنی فاطمہؓ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو تکلیف دی۔ اس نے مجھے ناراض کیا۔ لہٰذا اس حدیث کی بنا پر ناراضگی فاطمہ علیہا السلام ناراضگیٔ رسولؐ ہے امام اہلحدیث کو ہوش کرنا چاہیئے۔

❊

بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث فدک

اب ہم ذیل میں بخاری و مسلم کی حدیث دربارۂ فدک لکھ کر ناظرین پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اہل اسلام کے اندر ان ہی دو کتابوں کی حدیث فدک پر مسئلہ فدک اور ناراضگی تا دم مرگ جناب زہراؑ کی دارومدار ہے۔ ہم جن علمائے اہل سنت کی شہادتیں دربارہ فدک قبل ازیں تحریر کر آئے ہیں۔ ان تمام نے اسی بخاری و مسلم کی حدیثوں پر اعتماد کرتے ہوئے مسئلہ فدک کو مشکل قضایا میں سے شمار کیا ہے۔ یہی روایت مندرجہ بخاری و مسلم اہل سنت کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ اس روایت نے اہل سنت کے حواس باختہ کر دیئے ہیں کبھی تو ابوبکر کو حق پر جانتے ہیں اور کبھی جناب فاطمۃ الزہراؑ کے متعلق بدگمانی کرتے ہیں اور کئی بزرگ تو اس مقام پر آ کر بالکل خاموش ہو جاتے ہیں بعض حضرات ناراضگی زہراؑ کو امر جبلی اور تقاضائے بشریت قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور میں تو اب اس حدیث کی سند پر قدح شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ مصنف تحقیق فدک نے اس حدیث کے رواۃ میں ابن شہاب زہری کو شیعیت کے الزام میں گرفتار کر کے عدم اعتمادی کا اعلان کر دیا ہے۔ حالانکہ کتاب تحقیق فدک کے صفحہ ۱۲۳ پر سب رواۃ بخاری کو ثقہ۔ عادل اور ضابط بھی تحریر کیا ہے۔

بخاری کے الفاظ | عن ابی شہاب قال اخبرنی عروۃ ابن الزبیر ان عائشۃ ام المومنین اخبرتہ ان فاطمۃ بنت رسول اللہ سالت ابابکر الصدیق بعد وفات رسول اللہ ان یقسم میراثھا مما ترک رسول اللہ مما افاء اللہ علیہ فقال لھا ابوبکر ان رسول اللہ قال لا نورث ما ترکنا ہ صدقۃ فغضبت فاطمۃ بنت رسول اللہ فھجرت ابابکر فلم تزل مھاجرتہ حتی توفیت۔ ترجمہ۔ ابن شہاب نے کہا۔ مجھ سے عروہ ابن زبیر نے بیان کیا اس سے ام المومنین عائشہ نے بیان کیا کہ جناب فاطمہؑ بنت رسول اللہ نے بعد وفات رسول ابوبکر سے سوال کیا کہ رسول اللہ کی متروکہ وراثت تقسیم کر دے۔ جو رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ فیٔ عطا کی تھی۔ ابوبکر نے جناب فاطمہؑ سے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ ہم ورثہ نہیں چھوڑتے جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ جناب فاطمہؑ ابوبکر پر غضبناک ہو گئیں اور ابوبکر سے ترک کلام کیا اور یہ ترک گفتگو

ہمیشہ رہا۔ یہاں تک کہ فوت ہوگئیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲، کتاب الخمس)

صحیح مسلم کے الفاظ

اب ہم صحیح مسلم معہ شرح نووی جلد ۲ صہ۹۱ سے حدیث مذکورہ کو بالفاظ دیگر مع شئی زاید درج کرکے ناظرین کے سامنے حقیقت پیش کرتے ہیں کہ اللہ پاک نے اظہار حق کا مخالف کی زبان سے کس طرح اقرار کرایا ہے :-

عن عائشة ان فاطمه ارسلت الى ابی بکر تسالہ عن میراثها من النبی صلعم مما افاء الله تعالى على رسوله من المدینة والفدك وما بقی من الخمس خیبر فقال ابو بکر ان رسول الله قال لا نورث ما ترکناه صدقة انما یاکل آل محمد من هذا المال وانی والله لا اغیر شیئاً من صدقة رسول الله عن حالها التی کانت علیها فی عهد رسول الله ولاعملن فیها بما عمل به رسول الله فابی ابو بکر ان یدفع الى فاطمه منها شیئاً فوجدت فاطمه على ابی بکر فی ذلك فهجرته فلم تکلمه حتى توفیت وعاشت بعد النبی ستة اشهر فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلاً ولم یوذن بها ابا بکر وصلی علیها وکان لعلی من الناس وجه حیواة فاطمة فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس فالتمس مصالحة ابی بکر ومبایعته ولم یکن یبایع تلك الاشهر فارسل الى ابی بکر ان ائتنا ولا یاتینا معك احد کراهة محضر عمر۔ فقال عمر والله لا تدخل وحدك ۔ الخ

فارسی ترجمہ از براہین قاطعہ

حدیث بالا مذکورہ الفاظ متن کے ساتھ بخاری میں بھی موجود ہے اور انہی الفاظ کیساتھ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا فارسی کے مقصد ۲ صہ۲۹ پر درج کی ہے۔ اب حدیث بالا کا ترجمہ فارسی علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ کے ترجمہ فارسی براہین قاطعہ کے صہ۲ سے نقل کرنیکے بعد اردو ترجمہ بھی درج کیا جائیگا۔

صاحب براہین قاطعہ نے بخاری کے الفاظ کا ترجمہ کیا ہے مسلم و بخاری کے الفاظ بالکل ایک ہی ہیں سوائے قلیل کمی بیشی کے۔ "روایت کرد بخاری از عائشہ کہ حضرت فاطمہؑ کسے را نزد ابوبکر فرستاد و طلب میراث خود از اموالِ مدینہ و فدک و باقی خمس خیبر کہ از آنحضرتؐ ماندہ بود کرد و ابوبکر در جواب آں گفت کہ رسول اللہؐ گفتہ بود انا معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقہ یعنی ما میراث نمے گیریم و ما میراث بردہ نمیشویم آنچیز را کہ ما گذاشتہ ایم۔ پس آں صدقہ است۔ جز ایں نیست کہ آل محمدؐ ازیں مال یعنی مال خدا تعالیٰ میخورند و زیادہ از خوردن ایشاں روا نیست و بخدا ئے سوگند مراکہ تغیر صدقہ رسول اللہؐ از آں حالتی کہ در عہد رسول اللہ بود نمیکنم

وبطریقے کہ رسول اللہ صلعم دراں عمل میکرد عمل خواہیم کرد وچوں ابوبکر اباکرد ازاں کہ چیزے ازآں اموال بفاطمہ دہد فاطمہ رضی اللہ عنہا غضب کرد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بر ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کرد وتکلم نکرد تا زمانیکہ حضرت فاطمۃ الزہرا[۲] حیات بود بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در مدت حیات فاطمۃ الزہرا بعیت نکردہ بود ولیکن او را عزتے وجاہے بود بواسطہ حیات حضرت خیر النساء نزد مردماں وچوں حضرت فاطمہ وفات یافت حضرت علی از روئے مردماں انکار نمودہ وعزلت اختیار نمود وکسے با او آمد شد نکرد ودریں اشارات متابعت مصالحت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کردہ شخصے را باو فرستاد کہ بمنزل شما تشریف بیاورد وباتو کسے دیگر نباشد وغرض ایں بود کہ عمر حاضر نباشد

ترجمہ :- حدیث مسلم وبخاری ودیباچہ قاطعہ فارسی ہرسہ عبارات کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے :- عائشہ سے روایت ہے کہ فاطمہ زہرا نے ابوبکر کیطرف آدمی بھیجا اور سوال کیا اپنے باپ کی میراث کا مدینہ فدک وخمس خیبر کے متعلق ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے مگر آل محمد اس مال سے بقدر کفائت کھا سکتے ہیں ۔ میں خدا کی قسم صدقہ رسول میں سے کسی چیز کو تبدیل نہیں کرونگا جس حالت میں کہ عہد رسول میں ہوتا تھا ۔ اور میں ضرور وہی عمل کرونگا جس طرح رسول اللہ کرتے تھے پس ابوبکر نے انکار کیا کہ کوئی چیز بھی اس مال سے جناب فاطمہ[ع] کو دے پس غضبناک ہوگئیں فاطمۃ الزہرا[ع] ۔ ابوبکر پر اس امر میں پس چھوڑ دیا اور کلام تک نہ کیا حتیٰ کہ وفات پاگئیں اور بعد نبی کریم کے شش سال زندہ رہیں جب وفات ہوئی تو جناب فاطمہ[ع] کے شوہر بزرگوار علی[ع] نے ان کو رات کے وقت دفن کیا اور ابوبکر کو اطلاع تک نہ دی اور علی[ع] نے نماز جنازہ پڑھی جناب زہرا[ع] کی وفات کے بعد لوگوں کے رخ علی[ع] کیطرف سے پھر گئے زندگی جناب فاطمہ[ع] میں لوگوں کے نزدیک کچھ نہ کچھ علی[ع] کی قدر و منزلت تھی ۔ پس اس کے بعد علی نے ابوبکر سے صلح کر لی اور بیعت بھی کر لی ۔ ان چھ ماہ میں علی علیہ السلام نے قطعاً ابوبکر کی بیعت نہیں کی ۔ ابوبکر کی طرف آدمی نہ آنہ کیا اور اپنے ہاں طلب کیا اور کہا ابوبکر کو تیرے ساتھ کوئی اور دوسرا آدمی نہ آئے کیونکہ حضرت علی[ع] عمر کے حاضر ہونے سے کراہت کرتے تھے (

شیخ دہلوی کا ترجمہ فارسی

شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صد ۴۲۲ نولکشور پر صحیح بخاری کے الفاظ کا یوں ترجمہ کیا ہے :-

پس گفت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتہ است لا نورث ما ترکناہ صدقہ پس درغضب آمد فاطمہ پس ہجراں کرد ابوبکر را پس ہمیشہ بود ہجراں کنندہ مر او را تا آنکہ وفات یافت ۔ ترجمہ ۔ ابوبکر نے

کہا کہ رسول اللہ نے کہا تھا کہ جو ہم چھوڑیں صدقہ ہوتا ہے۔ پس جناب فاطمۃ الزہراؑ غضبناک ہو گئیں اور ترک کلام ہوا یہاں تک کہ فوت ہو گئیں۔

یہی بزرگ وار شارح مشکوٰۃ اپنی کتاب مدارج النبوۃ جلد ۲ ص۴۴۵ نولکشور پر تحریر فرماتے ہیں۔ ترجمہ کہتے ہیں کہ جناب فاطمہ دلگیر ہو گئیں اس حکم کو سن کر اور غضب کیا ابوبکر پر اور تا دم مرگ اسی حالت پر فوت ہوئیں پس یہ غضب کیا تھا اگر جھگڑا کیا جائے کہ یہ حدیث جناب فاطمہ کو نہ پہنچی ہو گی تو بعد پہنچنے اور سننے کے اس کو قبول کیوں نہ کیا کہتے ہیں کہ رنجیدہ ہونا زہراؑ کا طبیعت کے حکم میں تھا۔

فدک کے حوالہ جات

واقعہ فدک ما سوائے صحیحین کے حسب ذیل کتب اہل سنت میں بھی ہے بطوالت کا خطرہ ہے ورنہ تمام کتابوں کی اصل عبارتیں پیش کی جاتیں۔ تحقیق کا طالب خود زحمت گوارا کر کے ملاحظہ کر لے۔

(۱) تاریخ الامم والملوک ابو جعفر ابن جریر طبری (۲) مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ بمبئی جلد اول ص۱۰ تا ص۱۶ (۳) ینابیع المودۃ علامہ شیخ سلیمان قندوزی ص۱۱۹ (۴) تاریخ خمیس علامہ حسین دیار بکری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص۱۹۳۔
(۵) براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۴۲ (۶) صواعق محرقہ مطبوعہ میمنیہ مصر ص۲۱ (۷) معارج النبوۃ معین کاشفی نولکشور ص۲۳۱ باب دہم رکن چہارم (۸) شرح مواقف علامہ ابو العلی نولکشور ص۷۳۵ (۹) شرح ابن ابی الحدید معتزلی جلد دوم ص (۱۰) کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ مصر ص۱۲ تا ص۱۳ (۱۱) وفاء الوفا سمہوری جلد ۲ ص۱۶۰
(۱۲) مدارج النبوۃ عبدالحق محدث دہلوی جلد ۲ ص۴۴۵ (۱۳) تحفہ اثنا عشریہ۔ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ دہلوی مقصد ۲ ص۲۹

سوائے ان کتابوں کے اہل سنت کی ہر معتبر کتاب از قسم تاریخ تفسیر میں یہ واقعہ کم و بیش پایا جاتا ہے۔ بخاری و مسلم نے اس روایت فدک کو بلکہ تمام صحاح ستہ والوں نے اپنی اپنی کتابوں میں کئی کئی عنوانوں کے تحت ذکر کیا ہے یعنی مشہور اور متواتر حدیث ہے کہ ہر زمانہ میں فریقین کا اہل علم طبقہ اس پر بحث و مباحثہ کرتا چلا آیا ہے۔

حدیث لا نورث کی پوزیشن

قبل اس کے کہ ہم اس روایت فدک کے رواۃ کی توثیق اور اعتبار پر مصنف تحقیق فدک کی جرح و تعدیل کے جواب میں کچھ تحریر کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مندرجہ متن بخاری و مسلم نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقہ (جس نے حقوق اہل بیت کو پائمال کر دیا ہے) کی پوزیشن اور اصلی حقیقت روایتاً اور درایتاً ناظرین کے سامنے پیش کریں تاکہ حقیقت کے چہرہ سے اس حدیث کا مصنوعی غازہ اتر جائے اور اپنے اصلی خدو خال کے ساتھ منصۂ شہود پر آ جائے ناظرین پر واضح ہو کہ کارکنان سقیفہ نے اپنی پوری وزارت کے مشورہ سے اس حدیث کو بنایا کہ حبیبۂ رسول کے حقوق کو غصب کر کے خدا و رسول کو غضبناک کیا ہے۔ اب ہم بچند وجوہ اسکی تردید حسب توفیق ایزدی ذیل میں درج کرتے ہیں۔

جوابِ اوّل (۱) سب سے پہلے حدیث مندرجہ بخاری (نحن معاشر الانبیاء لانورث ما ترکناہ صدقہ) کا راوی صرف مدعا علیہ ابوبکر ہی ہے۔ اہل بیت وصحابہ میں سے کسی ایک نے اس کو روایت نہیں کیا۔ لہٰذا مدعا علیہ کا اپنے دعویٰ کی تائید میں ایسے امر کو پیش کرنا جس کی وارثانِ رسول کو خبر تک نہیں قابلِ حجت نہیں ہو سکتا۔ حدیث بخاری ومسلم میں جو یہ الفاظ مرقوم ہیں۔ کہ جب ابوبکر نے حدیث نقل کی۔ تو علیؑ و عباسؓ و فاطمہؑ و دیگر اصحاب نے کہا کہ ہاں سنا ہے یہ اہلِ سنت کا اپنا مزعومہ ہے۔ کیونکہ اگر یہ حضرات تصدیق کرتے۔ تو قطعاً فرمانِ رسولؐ کو پسِ پشت ڈال کر نارا ض نہ ہوتے۔ اور آیات سے استدلال کر کے اس کو نہ جھٹلاتے۔ حضراتِ اہلِ بیت کا اس حدیث کو قبول نہ کرنا اس امر کی بیّن دلیل ہے۔ کہ یہ حدیث محض اہل بیت کو محروم کرنے کیلئے وضع کی گئی ہے۔ اس حقیقت کا پہلو اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے، اور مخفی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جبکہ خود مدعا علیہ کی دختر اور رسولؐ کی زوجہ بمعہ دیگر ازواج کے حضرت عثمان کو وکیل کر کے طلبِ ورثہ کیلئے دربارِ خلافت میں بھیجتی ہیں حضرت عثمان کا وکیل ہونا اور ازواج کا وراثت طلب کرنا ملاحظہ ہو شعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صـ ۴۲۳

تقریرِ بالا سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ وازواج و اہل بیت کو اس حدیث کا علم نہیں تھا بعد میں ابوبکر کے بیان کرنے پر جن صحابہ اور ازواج نے سن کر خاموشی اور تصدیق کی۔ یہ محض مدعا علیہ (ابوبکر) کی سیاست کو کامیاب کرنے یا احتشامِ سلطنت سے مرعوب ہونے کے سبب سے کہا کیونکہ حکومتِ وقت کا مقابلہ کرنا ہر آدمی کیلئے آسان نہیں تھا نیز کسی نے یہ نہیں کہا۔ کہ ہم نے رسولؐ اللہ سے ایسا سنا ہے۔ اور ابوبکر سے الگ ہو کر کہیں روایت کیا ہو۔ درحقیقت اس حدیث کا شریعتِ رسول میں کوئی مقام نہیں مسئلہ وراثت ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو دین میں خاص اہمیت حاصل ہے اور خاص کر مسئلہ وراثتِ انبیاء تو ایک عظیم الشان مسئلہ تھا اس مسئلہ کو تو درجۂ تواتر تک مشہور بین المسلمین ہونا تھا۔ اگر یہ خبر متواتر بھی ہوتی۔ تب بھی قطعیاتِ قرآنیہ کے مقابلہ میں اس کی کچھ وقعت نہیں تھی۔ حدیثِ رسول قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ یہ اہلِ سنت کا مسلمہ اصول ہے۔ قرآنِ پاک میں جا بجا وراثتِ انبیاء کا اثبات بظاہر موجود ہے صرف ابوبکر کے بیان کرنے سے یہ خبر اخبارِ احاد میں شمار ہوگی۔ جو موجبِ ظن ہے۔ اور تواترات کے مقابلہ میں ہرگز صحت نہیں۔ جیسا کہ علامہ قوشجی نے شرح تجرید صـ ۳۸۲ میں حدیثِ لانورث کو خبرِ واحد تحریر کر کے موجبِ ظن لکھا ہے۔

ہاں اگر تمام صحابہ و فقہائے اہلِ سنت مل کر حکمِ قرآنی کو منسوخ کر دیں۔ تو ان کا اپنا عقیدہ جیسا کہ اصول کرخی صـ مطبوعہ دیوبند پر اجماعِ صحابہ کو ناسخِ قرآن تحریر کیا گیا ہے۔

دوسرا جواب: حدیث مذکورکے بعض نسخوں میں لا نورث ولا نورث دو الفاظ آئے ہیں۔ جیسا کہ مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق دہلوی جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ و اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۵ و براہین قاطعہ ترجمہ فارسی صواعق محرقہ صفحہ ۲۱ پر یہ حدیث بایں الفاظ مرقوم ہے "نحن معاشر الانبیاء لا نورث ولا نورث ما ترکنا ہ صدقۃ"

(ترجمہ) ہم گروہ انبیاء نہ تو کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی ہم کسی کو وارث بناتے ہیں۔ جو چیز ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ حدیث مذکورہ کے لفظ لا نورث سے خود بخود اس حدیث کا موضوع ہونا ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ خود جناب پیغمبر اسلام نے ام ایمن کنیز اور مکہ معظمہ کے مکانات سکنی اپنے پدر بزرگوار حضرت عبداللہ سے بطور وراثت ہی حاصل کئے تھے۔ شاہ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۹۶ پر لکھا ہے کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔ کہ وہ دوسری تلوار تھی۔ جو آنحضرت کو اپنے باپ کی میراث سے پہنچی تھی" حدیث کے ان الفاظ کے ہوتے ہوئے حضرات اہل تسنن وکارکنان سقیفہ کا نصف دعویٰ باطل ہو گیا۔ اور باقی نصف خود بخود جاتا رہا۔

تیسرا جواب۔ مزید لطف کی بات یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ حضرت آدمؑ سے لیکر جناب خاتمؐ تک انبیائے کرام کی وراثت کی نفی کر رہے ہیں۔ تمام دنیا حضرت آدم کی اولاد ہے۔ اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ اور خلاف قرآن یہ عقیدہ قائم کر لیا جائے۔ کہ نہ ہی حضرت آدم علیہ السلام زمین کے وارث تھے۔ اور نہ ہی ان کی اولاد اپنے باپ کی بحیثیت اپنے والد بزرگوار کے نبی ہونے کے وارث قرار پائی۔ تو ساری دنیا حرام کھا رہی ہے۔ کیونکہ ساری دنیا خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان انبیاء کی ہی اولاد ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت ساری دنیا تباہ ہو گئی۔ سوائے اولاد نوح اور چند ایک مخلصین کے۔ لہٰذا بعد طوفان ساری زمین اولاد نوحؑ اور ان کے متبعین کے قبضہ میں چلی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود بھی نبی تھے۔ ان کے دو بیٹے حضرت اسحٰق و حضرت اسمٰعیل علیہم السلام بھی نبی تھے۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحٰقؑ کو بیت المقدس سپرد کیا۔ اور حضرت اسمٰعیل کو بیت الحرام کا وارث قرار دیا۔ حضرت اسحٰق اور ان کی اولاد حضرت یعقوب و حضرت یوسف اور ان کے دوسرے بھائی باوجود اولاد انبیاء ہونے کے زمین کے مالک ہوئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد تمام اہل قریش مکہ کی اراضیات پر قابض ہوئی۔ حضرت ابوبکر کا قبیلہ بنو تیم اور حضرت عمر کا خاندان بنو عدی اور حضرت عثمان کا خاندان بنو امیہ تمام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اگر حدیث لا نورث ولا نورث کو صحیح تسلیم کر لیا

جائے۔ تو یہ تینوں خاندان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی حیثیت سے اپنی جدی وراثت سے محروم قرار پاتے ہیں۔ یہ تاریخی مسلمہ ہے۔ کہ یہ تینوں خاندان اراضیات کے مالک تھے اور حدیث لانورث کے نشر کنندگان انہی اراضیات کے مالک ہوتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ تمام بزرگ اکل حرام کے مرتکب ہوئے۔ خود اپنی بنائی ہوئی حدیث کے مطابق ظالم قرار پائے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو قبلہ شاہ صاحب کو حدیث لانورث کے باطل ہونیکا اعلان کر دینا چاہئے۔ اور قرآن کے مقابلہ میں ایسی موضوع حدیث سے تخصیص کرنا چھوڑ دیں۔

چوتھا جواب حدیث لانورث مرویہ ابوبکر کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ترکہ رسول مقبول صدقہ ہوتا ہے جو فقراء و مساکین امت کا حق ہے حضرت ابوبکر نے حسب خیال مصنف تحقیق فدک فدک کی آمدنی کو اہل بیت پر خرچ کیوں کیا۔ جبکہ صدقہ اہل بیت پر حرام تھا۔ اگر صدقہ سمجھ کر دیا۔ تو فعل حرام کیا۔ اور یہ ظلم ہے۔ اس بنا پر ظالم قابل خلافت نہیں ہوتا۔ ایسی صدقہ کی چیز کو حضرت فاطمہ علیہا السلام نے طلب کیوں کیا۔ اور ابوبکر کے ہاتھ سے صدقہ کی چیز حاصل کیوں کی۔ کیا حضرت فاطمۃ علیہا السلام نعوذ باللہ اس مسئلہ سے بھی ناواقف تھیں۔ کہ صدقہ اہل بیت پر حرام ہے۔ سبحان اللہ علماء اہل سنت تو مسئلہ وراثت انبیاء کو بھی جانیں۔ اور تحریم صدقہ کے مسئلہ سے بھی واقف ہوں۔ اور بانی شریعت کی دختر ان تمام مسائل کو نہ سمجھے۔ اہل سنت کے ہاں اہل بیت رسول نہ تو وراثت مالی کے وارث ہوئے۔ اور نہ ہی علم کا ورثہ ہاتھ آیا۔ حضرت شاہ صاحب نے تو جناب سیدہ کی مخالفت میں حد ختم کر دی۔ نیز اگر اس حدیث کے مطابق متروکہ رسول صدقہ قرار پاتا ہے۔ تو لازمی بات ہے۔ کہ حجرات نبوی جو ازواج رسول کے قبضہ میں تھے۔ صدقہ قرار پائے۔ لہٰذا چاہئے تھا۔ کہ حضرات شیخین اپنی بنات مکرمات کو سب سے پہلے آنحضرتؐ کے مکانوں سے نکال دیتے۔ اگر حضرت شاہ صاحب فرمائیں۔ کہ حجرات نبوی ازواج پر وقف خاص تھے۔ اور اس حدیث میں صدقہ بمعنی وقف آیا ہے۔ تو ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر وقف ہی تسلیم کر لیا جائے تب بھی مقصد آپکا پورا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہی فدک جناب دختر رسول کے نام جناب رسولؐ نے اپنی زندگی میں وقف خاص کر دیا تھا۔ جیسا کہ ہم معارج النبوۃ اور فتاوی عزیزیہ سے فدک بحق زہراؑ وقف قبل ازیں تحریر کر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرما لیا جائے۔

پانچواں جواب: بفرض محال اگر اس حدیث کو صحیح بموجب اعتقاد اہل سنت تسلیم کر بھی لیا جائے۔

تو لازمی بات ہے کہ حدیث فدک معہ لفظ غضبت راوی کی ساری قبول کرنا پڑیگی۔ کیونکہ ایک ہی روایت اور ایک ہی راوی کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اس روایت کے نصف حصہ کو قبول کرتے ہوئے قرآن کو منسوخ کر دیا جائے۔ اور باقی حصہ کو غلط خیال کیا جائے۔ حدیث لانورث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ جناب زہرا علیہا السلام کا ناراض ہو جانا بھی اسی روایت کا ٹکڑا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث لانورث کا متن اور راویوں کی زبان سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ غضبت والی حدیث کو نہ بھی قبول کیا جائے۔ تب بھی اہل سنت کا دعویٰ حدیث لانورث کا صحیح ہو سکتا ہے۔ ہم جواباً عرض کرتے ہیں۔ کہ بے شک لفظ غضبت کو قبول نہ کریں۔ مگر حدیث لانورث کا جہاں بھی تذکرہ ہو گا۔ لازمی ہے۔ کہ باب فدک میں ہو۔ اس کے سوا اس حدیث کے بیان کرنے کا کوئی اور محل ہی نہیں۔ جناب زہرا علیہا السلام کا پدری وراثت کا مطالبہ کرنا اور ابو بکر کا حدیث لانورث کے ذریعہ انکار کرنا ہی تمہارے دعویٰ کی بین دلیل ہے۔ چاہے ناراضگی مذکور ہو یا نہ ہو۔ درایتاً صرف مطالبہ بھی ناراضگی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ جب ایک انسان اپنے جائز حقوق کا کسی سے مطالبہ کرے۔ تو نہ ملنے پر وہ رضا مند نہیں ہو سکتا۔ جناب بی بی عالیہ کے مطالبہ ارث نے واضح کر دیا۔ کہ حدیث لانورث موضوع ہے۔ کیونکہ جناب زہرا و علی اگر صحیح خیال کرتے تو ابو بکر سے وراثت رسول کا مطالبہ ہی نہ کرتے۔

چھٹا جواب۔ بعض ناواقف انسان اپنے مرشد دوم کے اعتقاد کے مطابق حسبنا کتاب اللہ کہہ کر جان چھڑاتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بخاری وغیرہ احادیث کو نہیں مانتے۔ صرف ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ چلو ہم بھی اپنے بھائیوں کے اعتقاد کے مطابق قرآن کریم کی روشنی میں مسئلہ وراثت انبیاء کو پرکھتے ہیں۔ حدیث لانورث کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کافی کی حدیث ان الانبیا لم یورثو دیناراً ولا درھما کو بھی چند منٹ کے لئے اس بحث میں ذکر نہیں کرتے۔ ہم پہلے میراث انبیاء کے بیان میں پانچ آیات قرآنی نقل کر چکے ہیں۔ جن میں وراثت کا عمومی قاعدہ خداوند عالم نے بیان فرمایا ہے۔ اور کسی آیت کے ذریعہ خداوند ذو الجلال نے وراثت کے عموم سے انبیاء کی عدم وراثت کو مخصوص نہیں فرمایا۔ اگر حضرت مصنف تحقیق فدک کے پاس کوئی آیت ہو تو پیش کریں۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ حضرات اہل تسنن کے پاس عدم وراثت انبیا کی کوئی محکم دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر کوئی آیت ایسی ہوتی۔ تو حضرت ابو بکر جناب زہرا علیہا السلام

کے جواب میں ضرور پیش کرتا جو تمام علماء اہل سنت سے زیادہ عالم قرآن تھا۔ حسبنا کتاب اللہ کہنے والے میدان میں آکر کیوں عدم وراثت انبیاء پر قرآنی نص پیش نہیں کرتے۔ اور اگر خواہ مخواہ حدیث سے ہی تخصیص کرنا مطلوب ہے۔ تو از راہ کرم کوئی متواتر اور مشہور حدیث پیش کریں۔ جس کو صحابہ و اہل بیت رسول نے قبول کیا ہو۔ حدیث لانورث تو بچند وجوہ مذکورہ موضوع اور باطل ہے۔ اور حدیث مندرجہ کافی شریف کا وہ مفہوم نہیں جس کو آپ اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کریں۔

ساتواں جواب۔ اگر حدیث لانورث کو صحیح تسلیم کر ہی لیا جائے۔ تو عدم وراثت کا استدلال پھر بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر وہی مفہوم مراد لیا جائے جو حضرات اہل سنت خیال کرتے ہیں۔ تو احادیث متواترہ اور قرآن کا معارضہ ہو گا۔ لہٰذا مطابق قرآن اور احادیث مشہورہ ما ترکناہ صدقۃ کا مفہوم یہ ہو گا۔ کہ ہم گروہ انبیا جس چیز کو صدقہ یا وقف قرار دیں اس میں قاعدہ وراثت جاری نہیں ہو گا۔ جناب زہرا علیہا السلام نے اسی چیز کا مطالبہ کیا۔ جو وقف یا صدقہ نہیں تھا۔ جیسا کہ اراضی فدک وغیرہ۔ افسوس کہ حکومت نے فدک وغیرہ کو بھی وقف قرار دیا اور بی بی عالیہ کو محروم کر دیا۔

بخاری و مسلم کی توثیق حضرت مولینا چوکیروی نے بخاری و مسلم کی روایت غضبت پر فضول بحث کر کے اجماع امت سنیہ کے خلاف کیا ہے۔ اور اس دلدل سے نکلنے کی کوشش کی۔ مگر پھر بھی نہ نکل سکے۔ کسی مقام پر روات بخاری پر جرح کی۔ کہیں لفظ غضبت کو زوائد میں سے شمار کیا۔ قبل اس کے ہم مصنف صاحب کے اعتراضات اور ہفوات کا جواب تحریر کریں۔ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ناظرین کی خدمت میں بخاری و مسلم کی علو شان جو محدثین اہل سنت کی نظر میں ہے۔ پیش کی جائے۔ جس سے بخوبی پتہ چل جائے گا۔ کہ اہل سنت کے دین کی دارومدار انہی کتابوں پر ہے اور انہی کتابوں کو قرآن کے بعد اصح الکتب خیال کیا جاتا ہے۔ جب یہ ثابت ہو جائے۔ کہ واقعی ایسا ہی ہے۔ تو پھر جمہور علماء اہل سنت کے خلاف کسی مخبوط الحواس انسان کا بخاری و مسلم پر تنقید کرنا باب بدعات میں ایک نئی بدعت کا ایجاد کرنا ہے۔

بخاری و مسلم پر اُمت کا اتفاق ہے امام مسلم شرح نووی کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ علماء ماہرین و جماہیر محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے بعد مسلم و بخاری سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں۔ اور امت نے اس کو قبول کر لیا ہے۔ اور یہی

مذہب مختار ہے"۔ صواعق محرقہ فصل اول صہ۵ پر صحیحین کی نسبت لکھا ہے ھما اصح الکتب بعد القرآن باجماع یعنی بخاری و مسلم قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ جن پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اور اسی طرح تدریب الراوی سیوطی صہ۲۵ پر لکھا ہے۔ کشف الظنون للفاضل چلپی ج ۱ صہ۲۶ پر لکھا ہے ان السلف والخلف قد اتفقوا علیٰ ان اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری ثم صحیح المسلم۔ یعنی متقدمین اور متاخرین کا اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ قرآن کے بعد بخاری و مسلم سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث پر مزید غور کی حاجت نہیں

صہ۷ مقدمہ نووی میں مذکور ہے:۔ یجب العمل بہ مطلقاً لا یحتاج الی النظر فیہ یعنی بخاری و مسلم کی حدیث پر امت سنیہ کو عمل کرنا واجب ہے۔ اس پر مزید غور کی حاجت نہیں ہے۔ نیل الاوطار جلد ۱ صہ۱۲ پر ہے" ان ما کان من الا فی الصحیحین او فی احدھما جاز الاحتجاج بہ من دون البحث لانھما التزما الصحۃ وتلقت الامۃ ما فیھما بالقبول"۔ یعنی جو کچھ بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کتاب میں موجود ہے بغیر کسی تنقید اور جرح کے اس سے احتجاج جائز ہے۔ کیونکہ تمام امت (سنیہ) نے ان کی صحت پر التزام کیا ہے۔ اور جو کچھ ان میں پایا جاتا ہے۔ اس کو امت نے قبول کر لیا ہے۔

صحاح ستہ پر اہل سنت کے دین کی دارومدار ہے

مولوی احتشام الدین مراد آبادی نے نصیحۃ الشیعہ جلد ۳ صہ۶۸ پر لکھا ہے۔

"محدثین نے حدیثوں کو خوب پرکھا اور صحیح حدیثوں کی دو کتابیں تالیف کیں۔ اور ان کے بعد سنن اربعہ کا درجہ ہے۔ اور انہی کتابوں پر اہل سنت کے دین کی دارومدار ہے اسی قسم کی کتاب موطا بھی ہے۔ حدیث حسن بھی صحیح کی طرح حجت اور واجب العمل ہوتی ہے۔ اور جس حدیث کو حدیث کے حافظوں میں سے کسی نے صحیح کہا ہو۔ بلا تامل اس پر عمل کر سکتے ہیں"۔ انوار اللغتہ پارہ ۴ صہ۲۲ میں مولوی وحید الزمان لکھتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی احادیث پر علما کا اجماع ہے۔ اور یہ سب صحیح ہیں۔

احادیث بخاری خدا کے مشورہ سے تحریر ہوئیں

شاہ عبد الحق محدث دہلوی مقدمہ شرح مشکوٰۃ فارسی صہ۸ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

امام بخاری نے کہا کہ میں نے اپنی کتاب صحیح میں ایسی کوئی حدیث درج نہیں کی جو صحیح نہ ہو۔ حالانکہ بعض احادیث جو صحیح بھی تھیں۔ میں نے ان کو ترک کر دیا ہے۔ اور میں نے یہ کتاب مسجد الحرام میں بیٹھ کر لکھی ہے۔ نیز میں نے اپنی کتاب میں ایسی کوئی حدیث تحریر نہیں کی جس کے لکھتے وقت خداوند عالم سے استخارہ یعنی مشورہ نہ لیا ہو۔ اور آبِ زمزم سے غسل اور وضو اور دو رکعت نماز ادا کر کے تحریر نہ کیا ہو۔ جعلتہ حجۃ بینی وبین اللہ یعنی اس کتاب کو میں نے اپنے اور اللہ کے درمیان حجت قرار دیا ہے۔ اور جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے۔ اس کی صحت حدِ یقین کو پہنچ چکی ہے۔" بعض علماء نے لکھا ہے کہ بخاری نے کتاب لکھ کر خانہ کعبہ کی چھت پر رکھ دی۔ اور اللہ سے دعا مانگی کہ یا اللہ جو کچھ اس میں غلط ہے۔ اس کو ضائع کر دے۔ چنانچہ پورا ایک سال پڑی رہی۔ سال کے بعد جب بخاری نے دیکھا۔ تو تمام احادیث اسی طرح موجود تھیں۔ اور لفظ غضبت ہو بہو درج تھا۔

کتاب بخاری مصدقہ رسولؐ ہے

عبدالحق محدث دہلوی اشعتہ اللمعات کے مقدمہ ص۱۱ پہ تحریر کرتا ہے" ابو زید مروزی کہتا ہے۔ میں نے جناب رسالتمآب کو رکن اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان خواب میں دیکھا۔ فرمایا آنحضرتؐ نے کہ اے ابوزید تو میری کتاب کو کیوں نہیں پڑھتا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کی کتاب کونسی ہے۔ فرمایا کہ جو کتاب امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے تحریر کی ہے۔ بعض اکابر علماء سے منقول ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا۔ امام بخاری جنابِ رسولؐ مقبول کے پیچھے چلتا تھا۔ اور اسی جگہ قدم رکھتا جس جگہ حضور رکھتے۔ اسی بنا پر علماء نے کہا ہے۔ کہ صحیح بخاری تمام کتابوں پر مقدم ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی درثمین فی مبشرات النبی الامین ص۸۶۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔ اور وہ اپنے مشائخ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں بغرض طلب اجازت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا۔ اور آنحضرتؐ سے پوچھا کہ جو کچھ بخاری نے روایت کیا ہے۔ سب صحیح ہیں؟ میں اس کو روایت کیا کروں۔ فرمایا حضورؐ نے بے شک روایت کیا کرو۔ پھر شاہ ولی اللہ اپنے دوسرے مشائخ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اس نے رسول اللہ صلعم سے بخاری و مسلم دونوں کے لئے اجازت طلب کی۔ کہ ان کی مرویہ احادیث سب صحیح ہیں۔ حکم ملا۔ ہاں بیان کیا کرو۔ انتہیٰ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ کے اسی ص۱۱ پر پھر تحریر کرتا ہے" امام بخاری احادیث کو جنابِ رسالتمآب کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ اور جس روایت پر اسے یقین حاصل ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ سے اجازت حاصل

کرکے تحریر کرتا۔

مولیٰنا چوکیروی کی توثیق بخاری کے متعلق

حضرت مصنف تحقیق فدک خود بخاری کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں "امام بخاری کی کتاب کے صحیح ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کے اندر جس قدر راوی ہیں۔ وہ ثقہ ہیں۔ عادل ہیں۔ ضابطہ ہیں۔ کوئی ان میں وضاع نہیں۔ اور نہ کوئی ان میں کذاب ہے" ملاحظہ ہو تحقیق فدک صفحہ ۱۰۱

میرے خیال میں مذہب اہل سنت کا کوئی ذی فہم اور سلیم الفطرت انسان بخاری کی اتنی توثیقات کے مطالعہ کرنے کے بعد جرح و تنقید نہیں کریگا۔ اور نہ ہی حدیث غضبت کے قبول کرنے میں اسے کوئی عذر مانع ہوگا۔

اب ہم ذیل میں مصنف تحقیق فدک کی جرح و تنقید کا جواب بتوفیق ایزدی پیش کرتے ہیں۔

مصنف تحقیق فدک کی جرح علی البخاری

اعتراض۔ تحریر فرماتے ہیں کہ "واقعی صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ اور بخاری کے ہاں اس کے تمام راوی ثقہ۔ عادل۔ ضابطہ ہیں۔ مگر باوجود اس کے ناراضگی کے الفاظ کسی راوی کی غلط فہمی کے سبب سے روایت میں داخل ہو گئے۔ اور بخاری نے اپنی کتاب میں ویسا ہی درج کر دیا" تحقیق فدک صفحہ ۱۰۳

جواب:۔ جناب والا! کافی شریف کی توثیق کے سلسلہ میں تو آپنے فرمایا تھا۔ کہ جب کافی شریف حضرت امام صاحب العصر والزمان کے سامنے پیش ہوئی تھی۔ تو کیوں نہ کافی کی حدیث ان الانبیاء لم یورثو دینارا ولا درہما کے اخراج کے متعلق حکم صادر فرمایا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کے نزدیک حدیث کافی صحیح اور درست ہے شیعہ علماء نے تو اس حدیث کو درست تسلیم کرلیا۔ اور اس کے معانی مطابق قرآن و حدیث رسول کئے۔ لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ وہی اصول اور الزام جو آپ نے شیعہ علماء کے لئے وضع کیا تھا۔ اپنے اوپر بھی چسپاں کر بیٹھے۔

بصد ادب گذارش ہے۔ کہ بخاری کی تصدیقات کو مدنظر رکھتے ہوئے جب امام بخاری نے حدیث فدک معہ لفظ غضبت کتاب میں درج کی ہوگی۔ تو ضرور آب زمزم سے وضو اور غسل کرکے اور دو رکعت نماز بھی ادا کرکے لکھی ہوگی۔ نیز خداوند عالم سے مشورہ بھی ضرور کیا ہوگا۔ جناب رسالتمآب سے بھی تصدیق کروالی ہوگی۔ اب آپ ارشاد فرمائیں کہ جب کسی راوی کی غلط فہمی سے۔ بیچارہ امام بخاری حدیث مذکورہ درج کر بیٹھا تھا۔ تو کیوں نہ جناب رب العزت نے بوقت استخارہ بذریعہ الہام امام بخاری کو

متنبہ کر دیا کہ حدیث فدک میں لفظ غضبت زائد ہے۔ اور یہ ابن شہاب زہری کی زیادت ہے۔ جناب فاطمہ علیہا السلام ابوبکر پر ناراض نہیں ہوئی تھیں۔ حاکم بدہن اگر خداوند عالم کو خیال نہیں رہا تھا۔ تو حضرت رسالت پناہؐ پر فریضہ عائد ہوتا تھا۔ کہ امام بخاری کو بروقت حکم دیتے کہ میری دختر میرے یار غار پر ناراض نہیں ہوئی۔ لہٰذا لفظ غضبت کو روایت نہ کیا جائے۔ حالانکہ منصب رسالت کے لحاظ سے آنحضرتؐ پر یہ حکم دینا واجب تھا کیونکہ اسی لفظ غضبت کی وجہ سے امت میں کسی ایک فرقہ کی گمراہی لازم آتی تھی۔ میرے خیال میں ایسی حدیث سے جس پر خلاق عالم عالم نے پورا ایک سال غور و خوض کیا ہو۔ اور معصوم عن الخطا پیغمبرؐ کی بھی مصدقہ ہو انکار کرنا ہدایت خداوندی سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ سوائے جہال کے اور کوئی انسان ایسے شدید جرائم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

مولینا جو کیروی کی ایک اور تقریر کا جواب

سوال :- ناظرین کرام! حدیث فدک ان کتابوں میں چودہ مقاموں پر مذکور ہے۔ چودہ میں سے صرف چار مقام ایسے ہیں جہاں ناراضگی مذکور ہے۔ باقی دس مقام ناراضگی سے خالی ہیں۔ یہ حدیث اصل میں تین صحابہ سے مروی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ۔ ابوطفیل اور ابوہریرہؓ ان تینوں میں صرف حضرت عائشہ کی روایت میں ناراضگی موجود ہے۔ حضرت ابوہریرہ اور ابوالطفیل کی روایات ناراضگی سے خالی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ سے عروہ بن زبیر کے واسطہ سے ابن شہاب زہری روایت کرتے ہیں کبھی ناراضگی کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کبھی ناراضگی کا نام نہیں لیتے۔ جیسا کہ اوپر کی تفصیل کو غور سے دیکھنے کے بعد واضح ہے۔ اب ہم کو سوچنا چاہیئے کہ جن دس مقاموں پر ناراضگی کے ذکر کو ترک کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ تھوڑا سا تامل کرنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ جن صاحبان نے ناراضگی کے فقرہ کو ترک کیا ہے۔ انہوں نے عمداً ترک کیا ہے۔ اور اس واسطے ترک کیا۔ کہ اس زیادتی کو قابل قبول نہیں سمجھے۔" ملاحظہ ہو تحقیق فدک ص۱۱

جواب اول۔ جناب والا شان۔ آپ نے بفضل خداوندی خود تسلیم کر لیا ہے۔ کہ ناراضگی بنت رسولؐ کتب صحاح ستہ میں چار مقام پر پائی جاتی ہے۔ ہمارے لئے تو صرف ایک مقام پر بھی ناراضگی کا ہونا کافی تھا۔ باقی دس مقامات پر ناراضگی کے لفظ کا نہ ہونا رضامندی کی دلیل نہیں۔ مقابلہ وہ دس مقامات اجمالی حیثیت

سے ہیں۔ اور ناراضگی والے چار مقامات اس اجمال کی تفصیل ہیں۔ مثال کے طور پر خداوند عالم نے ابلیس کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر کر دیا ہے۔ چند مقامات میں ابلیس پر لعنت کے کلمات درج ہیں اور کئی مقام پر لعن مذکور نہیں۔ کیا کوئی عقلمند اور با ایمان انسان استدلال کر سکتا ہے کہ خداوند عالم ابلیس پر ناراض نہیں ہوا۔ اور اس پر لعنت نہیں کی گئی۔

جواب دوم۔ نیز یہ امر اہل بیت کے طبقہ محدثین سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ امام بخاری نے ایک ہی حدیث کو مختلف عنوانوں کے ماتحت درج کیا ہے۔ جس مضمون کے سلسلہ میں اس کو ضرورت محسوس ہوئی وہاں دوبارہ اسی حدیث کو نقل کر دیا۔ جیسا کہ حدیث قرطاس سات مقام پر موجود ہے۔ بخاری کا اندراج حدیث کے سلسلہ میں یہ مسلک ہے کہ حدیث کو ایک مقام پر مفصل بیان کر دیتا ہے۔ اور باقی مقامات پر اسی حدیث کو درج کرنے میں اختصار سے کام لیتا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث فدک کو کتاب الجہاد اور کتاب المغازی میں دو مقامات پر درج کر کے لفظ غضبت بھی تحریر کر دیا ہے۔ اور باقی مقامات پر اختصار سے کام لیا ہے۔ اگر امام بخاری لفظ غضبت کو خلاف واقع خیال کرتا۔ تو ضرور بضرور باقی مقامات کی طرح ناراضگی کا ذکر نہ کرتا۔

جواب سوم۔ ام المومنین حضرت عائشہ کی روایت میں جناب فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی کا ذکر ہونا اور باقی صحابہ کی روایات میں ناراضگی کا نہ ہونا بھی ہمارے دعوے کی دلیل محکم اور حجت قاطع ہے۔ کیونکہ قضیۂ فدک جن دو ہستیوں کے درمیان ہوا۔ ان میں سے حضرت ابوبکر مدعاعلیہ کی حضرت عائشہ دختر تھیں۔ اور مدعیہ کی سوتیلی ماں۔ نیز جس رسولؐ کی وراثت کا جھگڑا تھا۔ خود اُسی کی زوجہ بھی تھیں۔ ان تمام بزرگواروں کے باہمی تعلقات کا اس محترمہ خاتون کو اچھی طرح علم تھا۔ کیونکہ ایک گھر کے واقعات کا علم جتنا گھر والوں کو ہوتا ہے۔ اتنا غیر کو نہیں ہوتا۔ ماں۔ باپ اور بھائی بہنوں کے تعلقات اسی گھر کے اندر رہنے والوں کو اچھی طرح پتہ ہوتے ہیں۔ غیر کی نسبت گھر والے کی خبر زیادہ معتبر ہوا کرتی ہے۔ قضیۂ فدک ایک دفعہ تمام مسلمانوں کے مجمع میں پیش ہوا حضرت ابوبکر کے انکار کی بنا پر حضرت فاطمہؑ ناراض ہو کر واپس چلی گئیں چھ ماہ تک خانہ نشین ہو کر اور اسی غم میں گھل گھل کر دار دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ غیر لوگ تو جا کر بی بی پاک سے بار بار نہیں استفسار کر سکتے تھے۔ کہ اے بی بی عالیہ کیا آپ واقعی ناراض ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت عائشہ کے پاس ہر وقت

انہی واقعات پر گفتگو ہوتی تھی مستورات کے ذریعہ حضرت عائشہ کو پتہ چل سکتا تھا حضرت فاطمہ علیہا السلام کا وصیت کرنا کہ حضرت عائشہ میرے غسل و کفن میں حصہ نہ لے۔ اور نہ میرے گھر آئے بھی دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام حضرت عائشہ پر بھی ناراض فوت ہوئیں۔ ملاحظہ ہو شرح مشکوٰۃ فارسی شیخ دہلوی جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ حضرت عائشہ نے ایک تو ترک گفتگو سے اور دوسرے اس بات سے کہ حضرت فاطمۃ محجوبہ بھی ناراض ہیں، یقین کر لیا۔ کہ دختر رسولؐ میرے پدر بزرگوار پر بھی ناراض فوت ہو رہی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا موجب وصیت جناب زہراؑ ابوبکر کو جنازہ کی اطلاع تک نہ دینا بھی ہمارے سلسلہ جوابات کی ایک اہم کڑی ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے عیاں ہے۔ مزید لطف کی بات یہ ہے کہ عروہ بن زبیر بھی جس کو حضرت عائشہ روایت کر رہی ہے، اسی گھر کا فرد ہے، اور ام المومنین کا قریبی رشتہ دار ہے۔ مندرجہ بالا تقریر سے واضح ہو گیا۔ کہ حضرت عائشہ کا ناراضگی کو ذکر کرنا زیادہ قابل وثوق ہے بہ نسبت باقی صحابہ کے کیونکہ وہ بیچارے احتشام سلطنت کی وجہ سے آزادانہ ایسے واقعات کو بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر کر بھی سکتے ہوں تو انہیں خاندان رسولؐ کے واقعات کا اتنا علم نہیں تھا۔ جتنا خود زوجۂ رسولؐ اور دختر ابوبکر ام المومنین حضرت عائشہ کو تھا۔ خدا جانے حضرت شاہ صاحب روزمرّہ کے واقعات کو کیسے فراموش کر جاتے ہیں۔

جواب چہارم۔ باقی رہا آپ کا یہ لکھنا کہ دس مقامات جہاں ناراضگی مذکور نہیں وہاں محدثین اہل سنت نے ناراضگی کو عمداً روایت نہیں کیا۔ کیونکہ عقل کے خلاف سمجھا۔ جناب والا آپ تو ہر اس روایت کو عقل کے خلاف سمجھتے ہو۔ جو حقوق اہل بیت کی تائید کرے۔ محدثین اہل سنت کا جان بوجھ کر لفظ غضبت کو دس مقامات پر روایت نہ کرنا آپ کی تحقیق پر پانی پھیر دیتا ہے۔ کیونکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان راویوں نے صرف حقوق اہل بیت پر پردہ ڈالنے کی خاطر اور ابوبکر کی پوزیشن کو صاف کرنے کے لئے روایت میں خیانت کی ہے۔ حالانکہ کسی روایت میں عمداً ایک لفظ کا زیادہ یا کم کرنا عدل اور پرہیزگاری کے خلاف ہے۔ جن راویوں نے دس مقامات پر ناراضگی کو جان بوجھ کر ترک کیا وہ عادل اور ثقہ نہ رہے۔ اور اگر یہ عادل اور ضابط ہیں۔ تو ناراضگی والے چار مقامات کے راوی ثقہ۔ ضابطہ اور صادق نہ رہے۔ کیونکہ انہوں نے لفظ ناراضگی خلاف واقع زیادہ کر دیا ہے۔ اور آپ تسلیم بھی کر چکے ہیں۔ کہ بخاری کے تمام راوی عادل ضابطہ۔ ثقہ ہیں۔ کوئی ان میں کذاب اور وضاع نہیں ہیں۔ جناب والا! بخاری کے رواۃ پر جرح و تنقید

کرنا اہل سنت کے شان کے شایاں نہیں اگر علماء شیعہ جرح کریں تو انہیں حق ہے۔ کیونکہ ان کے ائمہ سے کوئی روایت اس میں درج نہیں ہے۔

مولانا چکبروی کا تیشہ اپنے ہی پاؤں پر

تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میری اس توجیہ سے معلوم ہو گیا۔ کہ جن دس مقامات پر ناراضگی متروک ہے وہ سب رضامندی کے مقام ہیں۔ اور یہ محدثین اگر رضامندی کے قائل نہ ہوتے۔ تو ضرور ناراضگی تحریر کر جاتے پس جو لوگ کہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں میں رضامندی کی روایت نہیں پائی جاتی۔ وہ تدبر سے کام نہیں لیتے۔ تحقیق فدک صفحہ ۱۱۱

جواب :- جناب عالی: سب سے پہلے تو آپ نے تدبر اور فراست سے کام نہیں لیا۔ اور خود اپنا تیشہ جس سے بیچارے شیعوں کو مارنا چاہتے تھے۔ اپنے ہی پاؤں پر دے مارا۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۹۸ پر آنجناب نے خود تسلیم کیا ہے۔ کہ رضامندی کی روایت کتب اہل سنت میں موجود نہیں ہے۔ سبحان اللہ مرید بھی اپنے پیروں کی طرح رنگ بدلتے نظر آتے ہیں۔ کبھی تو کہتے ہیں کہ روایت رضامندی کتب اہل سنت میں موجود نہیں ہے۔ اور پھر اسی ساعت میں رضامندی کی پوری دس روایات اہل عقل کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگر کچھ عقل ہو۔ تو اس سے کام لینا چاہئے۔ مشہور ہے کہ شیخ سعدی نے فرمایا تھا ایک سیر علم کے لئے دہ سیر عقل چاہئے۔

الحمد للہ حق کا ظاہر کرنا خدا کا ہی کام ہے۔ اگرچہ منکر حق کراہت ہی کرتے ہیں۔

نور خدا ہے آپ کی حرکت پہ خندہ زن　　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

"ابن شہاب زہری"

مصنف تحقیق فدک نے حدیث غضبیت مندرجہ بخاری پر تنقید اور جرح کرتے ہوئے ابن شہاب زہری جو اہل سنت کے ہاں امام الکل اور پہلا جامع حدیث ہے۔ کو شیعہ کہہ کر جان چھڑانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی ساری زندگی کی علمی تحقیق صرف ابن شہاب زہری کی شیعت پر مبنی ہے۔ اور درحقیقت ان کے خیال میں کتاب تحقیق فدک کی روح فقط زہری مذکور کا شیعہ ہونا ہی ہے۔ اپنے اس دعوی کی تائید میں مصنف صاحب نے ایک شیعہ عالم کا قول پیش کیا ہے۔

سوال ۳: ابن شہاب زہری کی مدح و قدح میں ہمارے علمائے شیعہ کے اقوال مختلف ہیں۔ صاحب ردھا نے تفصیل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ کہ وہ ابتداء میں تو سنی علماء میں سے تھا۔ اور شیطانی پارٹی کے ہمنشینوں میں سے۔ پھر یوں ہوا کہ اس کے علم اور فہم نے اسے کھلے ہوئے حق کی طرف راہنمائی کی۔ اور زندگی کے آخری حصوں میں اسے ان لوگوں میں سے بنا دیا ہو کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اور آپ کی خدمت سے فیض حاصل کرنے والے تھے تحقیق فدک ص ۱۱۱ اس کے بعد ص ۱۱۳ پر چند ایک حوالہ جات دیکر تحریر کیا ہے۔ کہ زہری مذکور کافی شریف کے رواۃ میں سے ہے لہٰذا زہری شیعہ تھا۔ اور شیعہ کی روایت یا زیادت ہمارے لئے حجت نہیں،،

جواب اول۔ سب سے پہلے تو کسی انسان کا انفرادی قول مذہب کے معاملہ میں حجت نہیں ہو سکتا جب تک کسی روایت کا سلسلہ صحت کے ساتھ معصوم ہادی تک نہ پہنچے۔ اگر شاہ صاحب ائمہ اہل بیت میں سے کسی امام کا فرمان نقل کرتے۔ کہ زہری ہمارا شیعہ تھا۔ تو ضرور ہمارے لئے حجت ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ ہم سلسلہ اسناد کو اہل سنت کے پیشواؤں تک پہنچاتے ہیں۔ نیز عبارت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ زہری کی تشیعت کے متعلق علماء شیعہ کا اختلاف ہے۔ اتفاق ہرگز نہیں اور اختلاف میں احتمال کا پایا جانا لازمی ہے حسب قول مشہورہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جب کسی امر میں احتمال واقع ہو جائے۔ تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ اور یہی اصول مناظرہ ہے۔ لہٰذا یہ قول حجت نہ رہا۔

جواب دوئم۔ قول مذکورہ بالا سے شاہ صاحب کا استدلال ہے۔ کہ زہری چونکہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت عالیہ میں آیا جایا کرتا تھا لہٰذا مجلس امام سے وہ شیعہ اہل بیت ہو گیا۔ سبحان اللہ! یہ استدلال کر کے تو حضرت صاحب نے سنیت کی ناک کاٹ ڈالی۔ اور اپنے تمام مذہب کا ستیاناس کر دیا۔ کیونکہ اس استدلال سے تو اہل بیت کا شیعہ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ امام زین العابدین شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے ابن شہاب زہری نے مذہب شیعہ قبول کر لیا۔ تو یہ ہمارے مذہب شیعہ کی صداقت کا بین ثبوت ہے۔ جب یہ ثابت ہو جائے۔ کہ اہل بیت شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ تو پھر ان کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مذہب حق پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مطابق حدیث "انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا ابدا" (مشکوۃ) ترجمہ میں تم

میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری اہل بیت۔ اگر تم نے ان دونوں کی پیروی کی تو گمراہ نہیں ہو گے"۔ مذہب و مسلک اہل بیت ہی صحیح ہو گا۔ اور سنی مذہب کی اساس باطل پر ہو گی۔

جواب سوئم۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام مذہباً اہل سنت والجماعت تھے۔ تو کون عقلمند خیال کر سکتا ہے۔ کہ ایک سنی عالم سنی امام کے پاس جا کر شیعہ ہو جائے۔ اگر ابن شہاب کو خواہ مخواہ شیعہ ہی ثابت کرنا ہے۔ تو لازمی بات ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بھی شیعہ سمجھنا پڑے گا۔ جیسا کہ مورخین اہل سنت میں سے ابن اثیر جزری نے جامع الاصول میں حضرت امام رضا علیہ السلام کو بھی مجدد مذہب شیعہ امامیہ تسلیم کیا ہے۔

جواب چہارم۔ شیخ عباس قمی رحمۃ اللہ علیہ شیعہ عالم کی عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ زہری مذکور آخری ایام زندگی میں امامؑ کے پاس آ کر شیعہ ہو گیا تھا۔ چلو ہم تسلیم کر لیتے ہیں۔ کہ وہ شیعہ ہو گیا ہو گا۔ لیکن آپ یہ ارشاد فرمادیں۔ کہ حدیث فدک اس نے شیعہ ہونے کے بعد روایت کی ہے یا جبکہ وہ ابھی سنی المذہب تھا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ زہری اس حدیث کو سنی ہونے کے زمانہ میں بیان کرے۔ اگر آپ یہ ثابت کریں کہ یہ حدیث اس وقت بیان کی گئی ہے۔ جبکہ وہ شیعہ ہو گیا تھا۔ تو ہم تسلیم کر لیں گے۔ نیز حسب بیان صاحب تذکرۃ الحفاظ زہری اہل سنت کے ذخیرۂ احادیث میں دو ہزار دو صد احادیث کا راوی ہے۔ اگر آپ اس کو شیعۂ اہل بیت خیال کرتے ہوئے حدیث فدک کو قبول نہیں کرتے ہو۔ تو ضروری ہے۔ کہ اس کی باقی مرویات سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جس کی وجہ سے آپ کو نقصان عظیم ہو گا۔

جواب پنجم۔ حضرت محمد ابن یعقوب کلینیؒ کا زہری سے روایات لینا اور آپ کا اسی وجہ سے زہری مذکور کی شیعیت کا استدلال کرنا تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور اور اصول حدیث سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ ہمارے محدثین امامیہ نے اہل بیت کے مخالف صحابہ و تابعین سے روایات کو اخذ کیا ہے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ حالانکہ یہ بزرگ حضرت امیر علیہ السلام کا مخالف اور معاویہ کا طرف دار صحابی تھا۔ ایسے مخالف صحابہ اور تابعین کی روایات پر ہمارے کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں ہے۔ ان روایات سے صرف ہمارے مسلمات کی تائید ہوتی ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے۔ کہ ان مخالفین سے روایات کیوں لی گئیں۔ تو ہم کہیں گے کہ آپ کے محدثین نے مرجیہ اور خوارج مروان وغیرہ سے کیوں روایات حاصل کیں۔

جبکہ آپ کے مسلک کے خلاف وہ عقیدہ رکھتے تھے۔ نیز جو روایت شیعہ کتب میں سنی راوی سے منقول ہوا اور اس کی تائید شیعہ رواۃ سے نہ ملتی ہو۔ تو اس پر شیعہ علماء جرح کر کے تحریر کر دیتے ہیں۔ کہ یہ روایت عامہ سے منقول ہے۔ اور ضعیف و ناقابلِ قبول ہے۔

جوابِ ششم۔ آپ کا یہ تحریر کرنا کہ زہری تقیہ باز تھا۔ اس وجہ سے محدثین اہلِ سنت کو اس کا پتہ نہ چلا۔ بھائی جان! تقیہ پر اعتراض کرنا خدا اور رسول کی تعلیمات سے انکار کرنا ہے۔ تقیہ تو ایک ایسی نعمت ہے۔ جس کی وجہ سے دین و جان محفوظ رہ سکتا ہے۔ آپ کے امام بخاری نے خود تسلیم کیا ہے۔ کہ "التقیۃ الی یوم القیامۃ" یعنی تقیہ قیامت تک جاری ہے۔ نیز آپ کے پیر و مرشد عبد العزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ ص۳۶۸ میں آیہ مبارکہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان سے استدلال کیا ہے۔ کہ تقیہ جائز ہے۔ اور صاف طور پر اقرار کر لیا ہے۔" باید دانست کہ تقیہ در اصل مشروع است بدلیل آیات قرآنی،، یعنی جاننا چاہیئے کہ تقیہ شریعت میں جائز ہے۔" آئندہ آپ تقیہ پر اعتراض نہ کریں۔ عجیب بات تو یہ ہے۔ کہ زہری مذکور کی شیعت تو بوجہ تقیہ آپ کے محدثین کو معلوم نہ ہوئی۔ اور بہ سبب فدک کے راویوں کا شیعہ ہونا معلوم ہو گیا۔ کتبِ اہلِ سنت میں فن رجال کے ناقدین نے ہزارہا راویوں کو شیعہ لکھ مارا ہے۔ جیسا کہ ابھی ابھی ہم تحریر کریں گے۔ حالانکہ جس زمانہ میں زہری تھا۔ بنو امیہ اور بنو عباس وغیرہ کی حکومت تھی۔ موقعہ محل کے مطابق تمام اصحاب ائمہ تقیہ کرتے تھے۔ باوجود ان کے تقیہ کرنے کے علماء اہلِ سنت پر ان کی شیعت واضح ہو گئی۔ مگر بیچارہ زہری مذکور ایسے گہرے تقیہ میں گرفتار تھا کہ آج تک سوائے مولینا جو کیروی کے کسی سنی محدث اور مورخ کو ان کی شیعت کا علم نہ ہوا۔ قارئین کرام کو غور کرنا چاہیئے۔

تابعین کے زمانہ میں شیعت

اب ہم ذیل میں ناظرین پر واضح کرتے ہیں۔ کہ جس زمانہ میں امام زہری تھا۔ اس زمانہ میں شیعت اہلِ سنت کی نظر میں کیا تھی۔ اور ایسی شیعت کو اہلِ سنت قادح صحت روایات خیال کرتے ہیں یا نہیں۔ موجودہ زمانہ کی شیعت اگرچہ اہلِ سنت نامقبول خیال کرتے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں شیعہ اسی کو خیال کیا جاتا تھا جو صرف امیر علیہ السلام کو افضل خیال کرتا۔ اور اصحاب ثلاثہ کی خلافت کا بھی قائل ہوتا۔ اور اصولِ حدیث اہلِ سنت میں یہ امر طے ہو چکا ہے۔ کہ ایسے شیعوں سے روایات لی جائیں اور ان کو عادل اور ثقہ خیال کیا جائے۔ چنانچہ زہری مذکور بھی

ایسا ہی شیعہ ہے۔ کیونکہ یہ بخاری کے رجال میں سے ہے اور مصنف تحقیق فدک نے رجال بخاری کو ثقہ عادل اور ضابطہ تسلیم کر لیا ہے۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری کے مقدمہ میں تحریر ہے۔ کہ "والتشیع محبۃ علی دستقل یمہ علی الصحابہ" یعنی تابعین کے زمانہ میں شیعت اس چیز کا نام ہے۔ کہ حضرت علی کو باقی صحابہ سے افضل خیال کیا جائے

زمانہ تابعین کے شیعہ سنی المذہب تھے

شاہ عبدالعزیز دہلوی تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۱۱ پر تحریر کرتا ہے، "باید دانست کہ شیعۂ اولیٰ کہ فرقہ سنیہ وتفضیلیہ درزمان سابق بشیعہ ملقب بودند۔ چوں غلاۃ ورو افض وزیدیاں واسماعیلیہ بایں لقب خود را ملقب کردند۔ ومصدر قبائح شدند در اعتقادے وعمل گردیدند۔ فوفاعن التباس الحق بالباطل فرقہ سنیہ وتفضیلیہ ایں لقب را برخود نہ پسندیدند وخود را اہل سنت والجماعت ملقب کردند۔ حالا واضح شد کہ آنچہ در کتب تاریخ قدیمہ واقع مے شود کہ فلاں من الشیعہ او من الشیعتہ علی حالانکہ اداز رؤسائے اہل سنت والجماعت است۔ (ترجمہ) جاننا چاہئے کہ پہلے شیعہ (جو زمانہ تابعین میں تھے۔) سنی اور تفضیلی تھے۔ اور اپنے آپ کو شیعہ کہلواتے تھے۔ جب غالیوں۔ رافضیوں۔ اسماعیلیوں اور زیدیوں نے اپنا لقب شیعہ اختیار کر لیا۔ اور ان لوگوں سے عمل و اعتقاد میں برائیاں ظاہر ہوئیں۔ تو حق کے باطل میں مل جانے کے خوف سے سنیہ وتفضیلیہ فرقوں نے اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھ لیا۔ اب واضح ہو گیا۔ کہ تاریخ کی پرانی کتابوں میں جن لوگوں کو شیعہ لکھا گیا ہے۔ وہ دراصل اہل سنت کے سردار تھے۔

ناظرین حضرات! شاہ عبدالعزیز کے بیان کے مطابق دو امور کا انکشاف ہو گیا۔ ایک تو یہ ثابت ہو گیا۔ کہ لفظ اہل سنت والجماعت تابعین کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ زمانہ رسول اور صحابہ میں لفظ اہل سنت کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ اور لفظ شیعہ قدیم ہے۔ قرن اول میں تمام مسلمان اپنے آپ کو شیعہ کہلواتے تھے۔ درحقیقت مذہب شیعہ کی صداقت کی یہ بین دلیل ہے۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی۔ کہ زمانۂ تابعین کے شیعوں کے عقاید وہی تھے۔ جو آجکل سنی المذہب لوگوں کے ہیں۔ لہٰذا حقائق بالا سے ثابت ہوا۔ کہ امام زہری شیعہ تھا۔ تو اسی قسم کا شیعہ تھا۔ اور اصحاب ثلاثہ کی خلافت کا قائل تھا۔ کیونکہ وہ مشہور تابعی ہے۔ جیسا کہ شاہ عبدالحق دہلوی نے شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۵۵۹

پر ابن شہاب زہری کو مشہور تابعی تحریر کیا ہے۔ اگر زہری مذکور کے وہ عقائد ہوتے جو آجکل شیعہ امامیہ مذہب کے ہیں۔ تو اس کو غالی یا رافضی لکھا جاتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کسی انسان کا مطلق شیعہ ہونا اصول حدیث کے لحاظ سے موجب طعن نہیں ہے۔

بخاری کے شیعہ راوی ناظرین کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ فقط کسی راوی کا شیعہ ہونا کسی روایت کے ضعف کا سبب نہیں ہے۔ حالانکہ بخاری میں اسی زہری جیسے کئی راوی شیعہ ہیں۔ مثلاً اسمٰعیل ابن ابان۔ خالد بن مخلد۔ سعید ابن عمر۔ جریر بن عبد الحمید وغیرہ اگر ان تمام راویوں کو شیعہ خیال کرتے ہوئے ان کی روایات سے اعراض کیا جائے۔ تو حسب بیان صاحب منتہی الکلام صحابہ وتابعین کا ایک جم غفیر متروک الروایت ہوگا۔ برخلاف اس کے بغض امیر المومنین قادح صحت روایات ہے۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز دہلوی تحفہ ص۱۶۵ پر لکھتے ہیں۔ "نزد اہل سنت بغض اہل بیت وامیر المومنین از قوادح صحت روایات است۔ گو صاحب آں صادق القول وصالح العمل باشد"۔ یعنی حضرت امیر المومنین اور اہل بیت کا بغض روایات کی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ خواہ یہ خارجی لوگ نیک عمل والے اور سچے بھی ہوں۔ باوجود اس کے کہ اہل خوارج کی روایات اہل سنت کے نزدیک مقبول نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی بخاری نے اہل خوارج سے روایت لی ہے۔ اور اہل سنت حضرات ان کو بسر وچشم منظور کرتے ہیں۔

بخاری کے خارجی راوی ذیل میں کتاب سلطان الفقہ المعروف فتاوی نظامیہ جلد اوّل ص۸ سے ان خارجی راویوں کا نام لکھا جاتا ہے۔ جن سے امام بخاری نے روایات لی ہیں۔ اور حسب بیان مصنف تحقیق فدک وہ عادل اور ثقہ بھی ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے۔ کہ حضرت شاہ صاحب خوارج اور نواصب کی روایات کو تو قبول کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی روایات قبول نہیں کرتے جو اہل بیت کے ساتھ محبت کے الزام میں منسوب الی الشیعہ ہیں۔ بخاری کے خارجی راوی چند ایک درج ذیل ہیں۔ اسحاق بن سوید حضرت علیؑ پر حملہ کرتا تھا۔ حصین بن الواطی۔ قیس ابن حازم۔ عکرمہ مولی ابن عباس۔ ولید بن کثیر۔ عمران بن حطان جو قاتل امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ثنا خوان ہے۔ یہ ہیں وہ راوی جو شاہ صاحب کے نزدیک عادل اور ثقہ ہیں۔ حالانکہ شاہ عبد العزیز کے نزدیک ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

مطلق تشیع موجب جرح نہیں ۔ ہدایت السائل مؤلفہ سید صدیق حسن ص۱۹۶ میں حافظ

ذہبی سے منقول ہے۔ کہ تشیع تین قسم پر ہے۔ پہلی قسم تشیع بلا غلو اور مخفی نہیں کہ تشیع بلا غلو ہر مومن کی لازمی صفت ہے۔ ورنہ اس کا ایمان کامل نہیں۔ اور اس قول سے معلوم ہوا کہ یہ بات جو مطلق تشیع کو بدعت سمجھا جاتا ہے۔ صحیح نہیں اور مطلق تشیع سے راوی پر اعتراض کرنا باطل ہے۔ اور جو قابل اعتراض بدعت ہے۔ وہ تشیع میں غلو کرنا ہے۔ لیکن کفر تک پھر بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور جمہور کے نزدیک ایسا شخص جو معتقد تشیع یا غلو ہو۔ بالاتفاق مردود نہیں بلکہ مقبول ہے۔ پس مطلق تشیع مضر نہیں۔ اور مطلق خارجیت مضر ہے۔ (جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا ہے) پھر اسی کتاب ہدایت السائل میں مرقوم ہے۔ کہ اس حدیث کے حسن کہنے سے یہ نکلتا ہے۔ کہ بعض ائمہ حدیث کا ان راویوں پر طعن تشیع قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ بخاری نے اپنی کتاب میں ایک ایسی جماعت سے روایت کی ہے۔ جن پر تشیع کا طعن کیا گیا ہے۔ اور بخاری کا ان لوگوں سے روایت لینا دلیل ہے اس امر کی کہ فقط تشیع کا طعن بخاری کے نزدیک موجب جرح نہیں۔ اور ایسے لوگوں کو بخاری عادل اور ثقہ خیال کرتا ہے۔

مولوی عبدالشکور لکھنوی اپنے رسالہ الرابع من المائتین ص۱۳ پر لکھتا ہے۔ بعض شیعہ راویوں کی روایات ان کی شیعت کے معلوم ہونے کے بعد بھی ہماری کتابوں میں اس وجہ سے آگئیں۔ کہ اصول حدیث میں یہ بات طے ہو چکی تھی۔ کہ اہل بدعت کی روایات لے لی جائیں۔ بشرطیکہ ان کی بدعت کفر تک نہ پہنچی ہو۔ پھر ص۱۴ پر لکھتا ہے۔ کہ اسی اصول کی وجہ سے امام بخاری نے بھی اپنی کتاب صحیح میں بہت سے شیعوں سے روایات لی ہیں۔ اگرچہ وہ اپنی خداداد فراست ایمانی سے اور صداقت و مہارت کاملہ کی وجہ سے ایک بڑی حد تک ان کے دھوکہ اور فریب سے محفوظ رہے۔" مولوی عبدالشکور کے بیان کے مطابق امام بخاری شیعوں کے دھوکہ سے محفوظ رہا۔ اور جن شیعوں سے اس نے روایات لی ہیں۔ وہ ایسے شیعہ نہ تھے۔ جو دھوکہ باز تھے۔ لہذا ثابت ہوا کہ امام زہری نے جو لفظ ناراضگی روایت کیا ہے۔ وہ زائد نہیں ہے اگر امام بخاری اس کو زیادت خیال کرتا۔ تو اپنی کتاب میں درج نہ کرتا۔

بخاری میں تبرائی شیعوں سے کوئی روایت نہیں

مولوی احتشام الدین مرادآبادی اپنی کتاب نصیحۃ الشیعہ جلد ۳ ص۱۵۴ پر تحریر کرتا ہے:" کہ بخاری و مسلم میں جو حدیثیں شیعوں سے لی گئیں ہیں۔ وہ اسی قسم کے شیعوں سے ہیں۔ تبرائی شیعوں سے ہرگز کوئی حدیث بخاری و مسلم میں موجود نہیں ہے۔"

میرے خیال میں اب تو جناب مصنف صاحب پر واضح ہو گیا ہو گا۔ کہ امام زہری تبرائی شیعہ نہ تھا۔ جو موجب جرح ہو۔ کیونکہ وہ بخاری کا راوی ہے۔ اور بخاری کے راوی اہل سنت کے مقبول اور محبوب ہیں۔ حسب بیان صاحب تحفہ پہلے سارے سنی ایسے ہی شیعہ تھے۔ جیسا کہ زہری تھا۔ یہ بات واضح ہے۔ کہ ہمارے نزدیک شیعہ اثنا عشریہ ہو سکتا ہے۔ جو دشمنان اہل بیت سے تبرا کرے۔

بڑے بڑے بزرگ شیعہ تھے مگر ثقہ بھی

شاہ عبد العزیز دہلوی نے تحفہ صفحہ ۲۵ اور صفحہ ۶۵ پر امام ابو حنیفہ اور ابن عباس صحابی کو شیعہ مخلصین میں سے لکھا ہے۔ حالانکہ ابو حنیفہ اہل سنت کا امام ہے۔ اور ابن عباس امام المفسرین اہل سنت ہے۔ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں۔ کہ "سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال و ثوق اور وسعت علم کے قائل ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے۔ کہ میں دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔ بعض محدثین نے لکھا ہے۔ کہ یہ شیعوں کے لئے احادیث وضع کرتا تھا۔ لیکن ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔ کہ جھوٹی بدظنی ہے۔ بلکہ ابن جریر طبری بہت بڑے ائمہ معتمدین اسلام میں سے ہے۔ علامہ ذہبی نے اس موقعہ پر لکھا ہے۔ کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا۔ لیکن مضر نہیں۔ تمام مستند تاریخیں انہی کی کتاب سے ماخوذ ہیں"۔ پھر شبلی نعمانی صاحب صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں "عبد الرزاق بن ہمام کا شمار ثقات محدثین میں ہے۔ مزاج میں کسی قدر تشیع تھا۔ ابن معین کہتے ہیں۔ کہ اگر عبد الرزاق مرتد بھی ہو جائیں تب بھی ہم ان سے روایت حدیث ترک نہیں کر سکتے"۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں بذیل تذکرہ ابان ابن تغلب صاف لکھ دیا ہے۔ "انہ شیعی لکنہ صدوق وصدقہ لنا وبدعتہ لہ" یعنی ابان مذکور شیعہ ہے مگر سچا ہے۔ اس کی سچائی ہمارے لئے اور اس کی بدعت اس کے لئے ہے۔ بقول احمد وابن معین وابی حاتم ابان کو ثقہ کہا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد لکھا ہے۔ کہ تشیع تو تابعین وتبع تابعین میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ سب اہل دین اور سچے پرہیزگار تھے۔ اگر ان کی حدیث مردود ہو۔ تو احادیث نبویہ کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائیگا۔ اور یہ ظاہر فساد ہے۔ جن جن حضرات کو اہل سنت نے شیعہ سمجھا ہے۔ اور ثقہ بھی خیال کیا ہے۔ ان کی نسبت اگر مزید اطمینان مطلوب ہو۔ تو ملاحظہ ہو فلک النجات جلد ا صفحہ ۱۲۔ مذکورہ بالا حضرات پیشوایان اہل سنت اگر شیعہ بھی ہیں اور ثقہ بھی تو بیچارہ زہری ایسا ہی شیعہ

ہونے کے باوجود کبھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ حضرات ناظرین کو چاہئے۔ کہ مصنف تحقیق فدک کے استدلال اور مندرجہ بالاحقائق اہل سنت کا موازنہ کریں۔ اب ہم ذیل میں بفضل خداوندی علماء اہل سنت کے حوالہ نقل کر کے ثابت کرتے ہیں کہ آج تک سوائے مصنف صاحب کے کسی انسان نے زہری کو شیعہ نہیں کہا برخلاف اس کے اس کو امام الکل پہلا جامع حدیث اور امام مالک کا استاد خیال کرتے ہیں۔

توثیقاتِ امام زہری از کتب اہل سنت

ناقد رجال حافظ ذہبی کا بیان

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل ص۱۰۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "زہری بہترین حافظ ہے اور اس کا نام ابوبکر محمد ابن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب ہے۔ خاندان قریشی زہری ہے، مدینے میں رہنے والا اور اہل سنت کا امام ہے ۵۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور اس نے عبد اللہ ابن عمر اور سہل بن سعد۔ انس بن مالک۔ محمود بن ربیع۔ سعید ابن المسیب اور ابی امامہ بن سہل سے حدیثیں بیان کی ہیں۔ صغار صحابہ اور کبار تابعین کے طبقہ میں اس کا شمار ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا۔ کہ زمانہ ماضیہ کا زہری سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ امام مالک نے کہا۔ کہ اب ابن شہاب ہی دنیا میں ایسا ہے، جس کی مثال نہیں پائی جاتی۔ ابو صالح نے لیث سے روایت کیا کہ میں نے زہری سے زیادہ جامع علوم نہیں دیکھا۔ پھر یہی ذہبی میزان الاعتدال جلد ۳ ص۱۳۶ پر لکھتا ہے۔ کہ زہری حافظ اور حجت فی الحدیث ہے۔" یاد رکھنا چاہئے۔ کہ حافظ اہل سنت کے محدثین کی اصطلاح میں وہ ہوتا ہے جس کو کم از کم ایک لاکھ احادیث باسناد یاد ہوں۔

امام نووی شارح مسلم کا بیان

امام نووی شرح صحیح مسلم کے ص۹ پر لکھتا ہے۔ "اور ابن شہاب وہ امام مشہور اور جلیل القدر تابعی ہے۔ اس کا نام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی ابوبکر قرشی زہری ہے۔ مدینے کا رہنے والا تھا۔ شام میں سکونت رکھتا تھا۔ اس نے تقریباً دس صحابہ کو پایا۔ اس کی زیادہ روایات تابعین سے مروی ہیں۔ اور کئی تابعین نے بھی اس سے روایت کی ہے۔ اور اس کے حالات علم۔ حفظ۔ صیانت۔ اتقان۔ اور تحصیل علم میں جان فروشی اور عبادت اور پرہیزگاری

تقویٰ وکرم اور زہد فی الدنیا وغیرہ امور خیر کے انواع سے اس قدر زیادہ ہیں۔ کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور اتنے مشہور ہیں کہ مزید شہرت کی ضرورت نہیں۔

مصنف مشکوٰۃ کا بیان

صاحب مشکوٰۃ اپنے رسالہ اکمال فی اسماء الرجال میں زہری کے متعلق یوں تحریر کرتا ہے۔ زہری جو زہرہ بن کلاب کی طرف منسوب ہیں۔ ان لوگوں میں سے ہیں۔ جو اپنے نسب میں مشہور و معروف ہیں۔ یہ ابوبکر محمد ہیں۔ جو بیٹے ہیں عبداللہ کے وہ آگے بیٹے ہیں شہاب کے۔ یہ فقہا و محدثین اور چوٹی کے علماء تابعین میں سے ایک ہیں۔ مدینہ منورہ میں جمیع علوم شرعیہ کے ہر ایک قسم کے فنون میں ان کو خاص شہرت حاصل تھی۔ اور ایک جماعت صحابہ سے انہوں نے سنا ہے۔ اور بہت لوگوں نے ان سے روایت کیا ہے۔ جن میں سے حضرت قتادہ اور مالک ابن انس جیسے بزرگ بھی ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ کہ ان سے بڑھ کر سنت رسول کو جاننے والا عالم میں کوئی نہیں۔ حضرت مکحول سے پوچھا گیا۔ کہ آپ نے سب سے زیادہ کس کو عالم دیکھا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ ابن شہاب زہری تین بار انہوں نے ایسا ہی کہا۔ ۱۲۴ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

امام زہری اصح الاسانید ہے

حضرات اہل سنت کے طبقہ محدثین میں امام زہری اصح الاسانید ہے۔ یعنی زہری کی روایات سب سے زیادہ صحیح السند ہیں۔ شرح نخبۃ الفکر ص۲۶ اور شرح الفیہ عراقی ص۲۲ پر تحریر ہے کہ "پس بلند مرتبہ اسنادوں میں سے وہ سند ہے۔ جس پر بعض ائمہ نے اصح الاسانید کا اطلاق کیا ہے۔ جیسے امام زہری وغیرہ امام احمد بن حنبل اور اسحٰق ابن راہویہ اس بات کی طرف گئے ہیں۔ کہ سب سے زیادہ صحیح سند وہ ہوتی ہے جسے ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری روایت کریں۔ نیز شبلی نعمانی الفاروق جلد ۲ ص۱۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں" یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں۔ اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زر کہتے ہیں۔ اوّل وہ حدیث جس کی روایت کے سلسلہ میں امام مالک۔ نافع۔ ابن عمر ہوں۔ دوسری وہ حدیث جس کے سلسلے میں زہری۔ سالم ابن عمر ہوں۔ ائمہ حدیث اہل سنت نے زہری کو اصح الاسانید شمار کیا ہے۔ مگر مولانا مونگیری صاحب اس کو مجروح خیال کرتے ہیں۔ اصح الاسانید کا اگر یہ حال ہے۔ تو اس سے نچلے طبقہ کی اسناد کا خدا جانے کیا حال ہوگا۔

ابن تیمیہ کا بیان کہ زہری اہل بیت سے اعلم ہے

دنیا کا سب سے بڑا متعصب سنی اور مناظر اہل سنت علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنۃ مطبوعہ مصر جلد ا صـ۲۳ پر زہری کے متعلق یوں تحریر کرتا ہے۔ فالزھری اعلم باحادیث النبی واحوالہ اقوالہ باتفاق اھل العلم عن ابی جعفر محمد ابن علی علیہ السلام وکان معاصرالہ یعنی زہری مذکور نبی کے احوال واقوال اور احادیث کے جاننے میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے زیادہ عالم ہے۔ اور ان کا ہم زمانہ ہے۔" نیز ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغۃ حدیدی جلد ا صـ۳۷۱ میں تصریح کرتا ہے۔ کہ امام زہری حضرت علیؑ کے مخالفین میں سے تھا۔" سبحان اللہ حضرات اہل سنت مخالفین اہل بیت کو ہی زیادہ عالم جانتے ہیں۔ حضرت زہراؑ کے مقابلہ میں ابوبکر کو عالم خیال کیا۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام کے مقابلہ میں زہری کو اعلم خیال کرتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی کا بیان

عصر حاضر کے نامور مؤرخ علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرۃ النبی جلد ا صـ۲۱ مطبوعہ اعظم گڑھ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ اسی زمانہ (عمر بن العزیز کے وقت) میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی۔ جیسا کہ سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے یہ اس فن کی پہلی تصنیف ہے۔ امام زہری اس زمانہ کے اعلم العماء تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انہوں نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں۔ کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے۔ جوان۔ بڈھے۔ عورت۔ مرد جو مل جاتا۔ یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جاکر آنحضرت صلعم کے حالات اور اقوال دریافت کرتے اور قلمبند کرتے۔ اور وہ نسباً قریشی تھے۔ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بہت سے صحابہ کرام کو دیکھا تھا۔ ۸۲ھ میں عبدالملک بن مروان (جو دشمن اہل بیت اور قاتل شیعہ تھا) کے دربار میں گئے۔ اس نے بہت قدر و منزلت کی۔ کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین (امویہ) کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مقربین خاص میں داخل تھے ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔ پھر صـ۲۲ پر لکھا کہ زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی۔ اور یہی دو شخص ہیں۔ جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ موسیٰ بن عقبیٰ اور محمد بن اسحاق انتہیٰ من عینہ

اہل سنت کے مرکز ہدایت دیوبند کا فتویٰ

اخبار صداقت مجریہ ۲۰ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۲ پر زہری کے متعلق ایک تفصیلی بیان درج ہے۔ جو کسی طالب تحقیق نے دار العلوم دیوبند سے بطور استفتا منگوایا ہے۔ درج ذیل ہے۔" کتب رجال میں جہاں کہیں محمد بن مسلم بن شہاب زہری کا ترجمہ منقول ہے۔ ان کے احوال میں شیعہ ہونا منقول نہیں ہے۔ تذکرہ الحفاظ ذہبی۔ مراۃ الجنان یافعی۔ تہذیب التہذیب ابن حجر۔ خلاصۃ التہذیب للخزرجی۔ تقریب التہذیب۔ مقدمہ فتح الباری۔ شرح مقدمہ مسلم۔ ارشاد الساری۔ فتح الباری۔ عمدۃ القاری وغیرہا کتب رجال وشروح احادیث میں ان کا ترجمہ مختصر ومطول موجود ہے۔ ان کتابوں میں کہیں بھی ان کے شیعہ ہونے کا اشارہ تک نہیں۔ اگر وہ شیعہ ہوتے تو ضرور اس کا تذکرہ ہوتا۔ خصوصاً فتح الباری کے مقدمہ میں لازمی طور پر حافظ ابن حجر اس کا ذکر کرتے۔ کیونکہ مقدمہ کی کئی فصلیں اسی بحث پر کی گئی ہیں ع یہ بات نامہ بر کی بنائی ہوئی سی ہے۔

فاضل اہل حدیث کا فتویٰ

مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل اہل حدیث و ناظم اعلیٰ جمیعت اہل حدیث پاکستان گوجرانوالہ تحریر فرماتے ہیں۔ ائمہ اہل سنت رافضی اور شیعہ میں فرق سمجھتے ہیں شیعہ کا مطلب ان دنوں میں صرف اہل بیت سے محبت اور ترجیح آجکل رفض ہے۔ تشیع نہیں۔ زہری نہ شیعہ تھے نہ رافضی۔ آپ کا دوست عالم تو ضرور ہو گا۔ مگر عقل سے محروم معلوم ہوتا ہے۔ (یہ خطاب مصنف تحقیق فدک سے ہے) امام زہری تابعی ہیں۔ عمر بن عبد العزیز اموی کے ہم زمانہ ہیں۔ ان کی حکومت میں ان کے حکم سے علمی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ بنو امیہ کی حکومت میں شیعہ اور پھر حکومت کا ملازم اور قابل اعتماد یہ کیسے ممکن ہے۔" تصدیق فدک صفحہ ۲۰۱

فاضل اہلحدیث کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ شیعت فقط محبت اہل بیت کا نام ہے۔ اور زہری کا رافضی ہونا تو اپنے مقام پر رہا۔ اہل بیت کی محبت بھی اس میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ وہ دشمنان اہل بیت کا پروردہ اور مقرب خاص تھا۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ وہ حضرت علی سے محبت رکھے۔ اسی واسطے تو زہری کو شیعہ کہنے والے کو فاضل اہلحدیث نے محروم از عقل قرار دیا ہے۔

مولوی خیر محمد پرنسپل خیر المدارس ملتان کا فتویٰ

۔ ابن شہاب زہری محدث کا اصلی

نام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب ہے۔ ان کے حافظ اور حجت اور جلالت شان پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ ان پر شیعہ ہونے کا الزام شیطانی وسوسہ ہے" تصدیق فدک ص۲۰

مفتی احمد علی لاہوری کا خیال الحمد للہ! ساری عمر علم سے ہی شغف رہا ہے۔ میرے کان میں آج ۷۷ سالہ عمر تک یہ آواز نہیں پہنچی۔ کہ ابن شہاب زہری اہل تشیع تھے۔ تصدیق فدک ص۲۰

اہل بصیرت کے سامنے گذارش ہے کہ ہم نے بفضل خداوندی ابن شہاب زہری کی سنیت پر اہل سنت کے شواہد نقل کرکے اور درایتاً بھی بحث کرکے کافی سے زیادہ روشنی ڈالی ہے۔ بخاری کی توثیق کے سلسلہ میں ہم نے ثابت کیا ہے، کہ رواۃ بخاری کی تعدیل پر امت سنیہ کا ہر زمانہ میں اجماع چلا آیا ہے۔ لہذا کسی انسان کی جرح تعدیل پر مقدم نہ ہوگی۔ بلکہ آج کسی انسان کا صحت احادیث بخاری سے انکار کرنا مطابق فتویٰ دار العلوم دیوبند اپنی گمراہی پر پردہ ڈالنے کی خاطر ہے۔ ملاحظہ ہو اخبار صداقت ۱۰ فروری ۱۹۵۶ء۔ تمام امت سنیہ کے خلاف مولانا بھو کیروی نے زہری کو شیعہ لکھ مارا۔ گویا شاہ صاحب کے خیال میں ائمہ اہل سنت کا اہل بیت سے ایسا بائیکاٹ تھا۔ کہ وہ ملنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ بقول ایک شیعہ عالم کے زہری امام کے پاس گیا۔ اور شاہ صاحب نے اس کو شیعہ لکھ دیا۔ ہماری تو دعا ہے۔ کہ خداوند عالم آنجناب کو صراط مستقیم پر لائے۔

حضرت فاطمہؑ جناب امیرؑ پر بھی ناراض ہوئیں؟

سوال :- اب ہم کتب معتبرہ شیعہ سے مختلف واقعات نقل کرتے ہیں۔ جن سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی ناراضگی ثابت ہوگی۔ اور دیکھیں گے۔ کہ شیعہ علمائے کرام اور امامیہ مجتہدان عظام کے دربار گوہر بار سے کیا جواب برآمد ہوتا ہے" بعد ازاں مصنف نے پانچ واقعات کتب شیعہ سے نقل کئے ہیں۔ پہلا واقعہ ناسخ التواریخ جلد چہارم سے بسند ابوہریرہ جس کے اخیر میں صاف فرمان رسول موجود ہے۔ کہ میں کیوں خوش نہ ہوں۔ حالانکہ میں نے ان دو ہستیوں میں صلح کرا دی ہے۔ جو تمام زمین وآسمان والوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ دوسرا واقعہ علل الشرائع سے نقل کیا ہے۔ اس کے اخیر میں بھی جناب رسول کا علی و بتول میں صلح کرانا موجود ہے۔ تیسرے واقعہ

اور چوتھے واقعہ میں بھی حضرت رسول کا فریقین کو آپس میں رضامند کرنا موجود ہے۔ پانچواں واقعہ جناب رسالت مآب کی وفات کے بعد کا ہے۔ ملاحظہ ہو تحقیق فدک ص۱۱۷ تا ص۱۳۵۔

جواب اوّل :- حضرت قبلہ شاہ صاحب نے اپنے خیال کے مطابق استدلال بڑا پرسازاور جسٹس کر دیا ہے۔ اور اپنی ساری علمی تحقیقات کا جوہر نکال کر حضرت خلیفہ اوّل کے قدوم میمنت لزوم میں عقیدت کے طور پر پیش کر کے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ مزید لطف تو یہ ہے کہ اس استدلال مذکورہ کے جواب کے لئے شیعہ علماء کرام اور مجتہدین عظام کو چیلنج دیا گیا ہے افسوس! کہ حضرت مصنف کو یہ علم نہ تھا۔ بمصداق "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کہ میرا ہی بھائی جو شیعہ علماء کرام کا ادنیٰ خدمت گذار ہے۔ میری ضیافت طبع اور جواب کے لئے موجود ہے۔ سب سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ ان مذکورہ خمسہ واقعات میں فریقین (علیؑ و بتولؑ) کی ناراضگی ذہنی طور پر ہوئی۔ یا ان دو میں سے ایک بزرگ مرتے دم تک ناراض رہا۔ جیسا کہ حضرت بتولؑ ابو بکر پر مرتے دم تک غضبناک رہیں (بخاری) اگر واقعی ایسا ہے تو بیشک مصنف تحقیق فدک کا استدلال قوی اور قابل بحث ہے۔ مگر ان واقعات میں کوئی ایسا فقرہ بالفظ نہیں ہے جس سے ناراضگی تا دم مرگ ثابت ہو۔ برخلاف اس کے پہلے چار واقعات میں خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فریقین میں صلح و صفائی کرا دی۔ جیسا کہ اوپر ہم نے حوالہ جات دے کر ثابت کیا ہے۔ جب صلح و صفائی ہو گئی۔ اور تکدر کا نام و نشان نہ رہا۔ حضرت امیر علیہ السلام نے جناب فاطمہؑ کو رضامند کر لیا۔ تو بموجب فرمان رسول "رضاء فاطمہ رضائی" یعنی حضرت فاطمہؑ کی رضا میری رضا ہے (تحقیق فدک ص۱۲۶) حضرت علی علیہ السلام نے خدا و رسول کو بھی راضی کر لیا۔ لہٰذا ان دو معصومین کے واقعات کا قیاس ابو بکر سے متعلقہ ناراضگی پر کرنا عقلمندی نہیں ہے۔

جواب دوم :- اگر واقعات مذکورہ خمسہ کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو حضرت علیؑ و بتولؑ کی ذہنی کدورت خانگی معاملات اور نزدیکی تعلقات پر مبنی ہے۔ ان واقعات میں کسی ایک فریق کے حقوق کو پامال نہیں کیا گیا ہے۔ جس کی بنا پر ایک فریق غصب حقوق کی وجہ سے دوسرے پر ناراض ہوا ہو۔ برخلاف اس کے ابو بکر کے ساتھ جناب علیؑ و بتولؑ کا تنازع خلافت و وراثت کا تھا جو ان بزرگواروں کا جائز حق بموجب نص قرآن تھا۔ حضرت ابو بکر کا ان چیزوں

کے ساتھ دو رکا لگاؤ بھی نہیں تھا۔ مگر ابوبکر نے واجب الادا حقوق کو واپس نہ کیا جس پر جناب بی بی عالیہ اور تمام افراد اہل بیت مرتے دم تک ناراض رہے۔ ہاں اگر بی بی عالیہ اپنی زندگی ہی میں کسی وجہ سے ابوبکر پر راضی ہو جاتیں۔ تو ہم ضرور بی بی پاک کی پیروی کرتے اور حضرت ابوبکر وغیرہ کا لحاظ بدل وجان کرتے۔ مگر افسوس کہ بخاری و مسلم ببانگ دہل پکار رہی ہیں کہ بی بی عالیہ نے ان حضرات کو اپنے جنازہ پر آنے سے بھی روک دیا۔

جواب سوم :- ایسی ناراضگی کے واقعات جس طرح کہ اہل بیت نبوی کے ہیں خود پیغمبر اسلام اور ازواج کے درمیان بھی ظہور پذیر ہوئے۔ اہل سنت کی کتابوں میں افک عائشہ کا واقعہ موجود ہے حضرت رسول نے کچھ عرصہ حضرت عائشہ سے تعلقات بوجہ ناراضگی منقطع کر لئے۔ مگر جب خداوند عالم نے بذریعہ وحی بقول اہل سنت حضرت عائشہ کو بے گناہ ثابت کیا۔ تو جناب سرور کائنات فوراً رضامند ہو گئے۔ کیا کوئی عقلمند تصور کر سکتا ہے۔ کہ حضرت رسولؐ اور حضرت عائشہ کی باہمی ناراضگی حضرت ابوبکر و حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا جیسی ناراضگی ہے اگر عائشہ و جناب رسولؐ کی ناراضگی کو خلاق عالم نے بذریعہ وحی متبدل برضامندی کر دیا تو علیؑ و بتولؑ کی وقتی رنجش کو جناب رسولؐ نے صلح و صفائی میں تبدیل کر دیا۔ جیسا کہ واقعات خمسہ سے ظاہر ہے۔ آپ ارشاد فرمائیں۔ کہ حضرت ابوبکر اور دختر رسولؐ کی ناراضگی کو کس نے دور کیا۔ نیز مصنف تحقیق فدک نے لکھا ہے۔ کہ ان واقعات سے حضرت فاطمہ علیہا السلام کے علم ما کان و ما یکون کی نفی ہو گئی اور اصول مذہب شیعہ تباہ ہو گیا۔ سبحان اللہ! افک عائشہ کے معاملہ میں تو کچھ عرصہ جناب پیغمبر اسلام کے ناراض رہنے سے علم رسولؐ کی نفی نہ ہوئی۔ اور دختر رسولؐ پر اعتراض کر دیا علم ما کان کا درحقیقت شاہ صاحب کو پتہ ہی نہیں۔ مذہب شیعہ کا تو یہ اعتقاد ہے کہ جو کچھ ذات رب العالمین اپنے مصطفیٰ بندوں کو جتلائے بس وہی انہیں معلوم ہوتا ہے۔

جواب چہارم :- خداوند عالم نے جناب سرور کائنات اور آل محمد کو جہاں احکام شریعت کی تبلیغ کے لئے دنیا میں بھیجا تھا۔ وہاں اپنی امت کو تدبیر منزل اور سیاست مدن کے اصولوں سے بھی نمونہ پیش کر کے ہدایت کرنا مطلوب تھی۔ اگر اس قسم کے واقعات پیش نہ آتے تو امت کے

افراد کہہ سکتے تھے کہ ہمارے سامنے تدبیر منزل اور تزویجی تعلقات کے احکام تو موجود ہیں۔ مگر بانیان شریعت کا عملی نمونہ موجود نہیں۔ لہذا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کا تعلق اخلاق انسانی، تدبیر منزل، سیاست مدن کے اصولوں کے ساتھ ہو اور اہل بیت رسول نے اس کا عملی نمونہ پیش کر کے امت کو عملی درس نہ دیا ہو۔

میرا مقصد تقریر بالا سے صرف یہ ہے کہ واقعات خمسہ کا رونما صرف تعلیم امت کیلئے تھا اگر آپ یہ اعتراض کریں۔ کہ تعلیم امت اور درس اخلاق دینا مقصود تھا۔ تو جناب فاطمہؑ ابوبکر پر تادم مرگ ناراض کیوں ہوئیں۔ ابوبکر تو ایک مسلمان اور صحابی رسولؐ تھا۔ اگر اس سے غلطی ہو گئی تھی تو کیا ہوا۔ جناب زہراؑ کو چاہیئے تھا غصہ نہ رکھتیں اور راضی ہو جاتیں۔ حالانکہ قرآن میں والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس جیسا صریح حکم بھی موجود تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان واقعات کا تعلق صرف اہل بیت کی ذات کے ساتھ ہوتا اور فقط اقتصادی نقصان ہی ہوتا۔ تو ضرور غصہ پی جاتے اور معاف بھی کر دیتے۔ کیونکہ ان حضرات کی سیرت اس امر پر شاہد ہے مگر فدک وخلافت کا غصب ہونا دین کے ضائع ہونے اور مسلمانوں کی گمراہی کا سبب تھا جیسا کہ امت سدا فرقوں میں منقسم ہو کر گمراہ ہو چکی ہے۔ فدک تھا تو مالی نقصان ہی مگر اس کا تعلق خلافت کے ساتھ گہرا تھا۔ اگر جناب زہراؑ فدک کو معاف کر دیتیں اور خاموش ہو جاتیں تو صحت خلافت پر دستخط ہو جاتے۔ یہ دین کا سب سے بڑا نقصان تھا۔ لہذا ان حضرات نے اپنے حقوق کا اظہار کر کے اور غضبناک ہو کے واضح کر دیا کہ بانیان دین کو غضبناک کرنیوالے کبھی دینی رہبر نہیں ہو سکتے۔ اگر اہل بیت نبوی کارکنان سقیفہ پر ناراض نہ ہوتے تو آج دنیا یہی خیال کرتی کہ اہل بیت کا دینی قیادت میں کوئی حق ہی نہ تھا۔ اگر حق ہوتا تو ضرور احتجاج کرتے لہذا یہ ناراضگی والکاظمین الغیظ کے خلاف ہرگز نہیں۔ جہاں دینی نقصان نہیں تھا۔ وہاں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی موت پر صبر کر کے اپنی گھریلو کنیز کو معاف کر دیا۔ اور آزاد بھی کر دیا۔

تحقیق فدک کے پہلے چار واقعات تو خود زمانہ رسالت مآب سے متعلق تھے۔ لہذا ان واقعات میں تو خود پیغمبر نے صلح وصفائی کرا دی۔ اور فریقین کی رضامندی ہو گئی۔ حالانکہ ان واقعات

میں کسی فریق کا کوئی شرعی قصور بھی نہیں تھا - جو ان حضرات کی عصمت کے منافی ہوتا۔

جواب پنجم: نگاہ نبوت مستقبل کے پردہ میں دیکھ رہی تھی کہ میرا کلمہ پڑھنے والے عنقریب میری اکلوتی بیٹی کو ناراض کرینگے - اور راضی نہیں کرینگے - لہذا جلاء العیون کی روایت جو تحقیق فدک کے چوتھے واقعہ میں مصنف نے لکھی ہے اس میں صاف طور پر لکھا ہے - کہ جب علی و فاطمہ میں ناراضگی ہوئی تو سرور کائنات نے ابوبکر و عمر و طلحہ وغیرہ کو بلا بھیجا جب وہ آ گئے تو ان کی موجودگی میں حضرت علی علیہ السلام کو فرمایا "اے علی تو نہیں جانتا کہ فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے جو اس کو دکھ دیتا ہے وہ مجھے تکلیف دیتا اور جو شخص میری وفات کے بعد اس کو دکھ دیتا ہے اس نے گویا میری زندگی میں مجھے دکھ دیا"

اے ناظرین حضرات ذرا خیال فرما دیں کہ معاملہ ہو اپنے گھر کا یعنی بیٹی اور داماد ان کو رضا مند کرنے کے سلسلہ میں کسی غیر کو اپنے پاس بلانے کا مطلب کیا ہے - اور یہ فرمانا کہ جو اس کو میری وفات کے بعد تکلیف دیگا - اس نے گویا میری زندگی میں تکلیف دی کیا حضرت کا یہ فقرہ مبنی بر حکمت نہیں تھا - کیا ان الفاظ سے حضرت علیؑ کو تہدید کرنا مقصود تھی یا جماعت صحابہ کو؟ اگر حضرت علی کو کہنا مقصد تھا تو جماعت صحابہ کو بلا کر ان الفاظ کا سنانا قرین قیاس نہیں یہی واقعہ زہرا نے ابوبکر و عمر کو یاد دلایا جبکہ وہ رضا مند کرنے کے لئے بعد وفات رسول آئے تھے - اور فرمایا کہ کیا تم نے یہ الفاظ میرے بابا سے نہیں سنے تھے - کہ الفاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی (امامۃ والسیاسۃ صفحہ ۱۴) یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا - ابوبکر و عمر نے کہا کہ ہاں سنا ہے - جناب دختر رسولؐ نے ارشاد فرمایا - کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے - اور راضی نہیں کیا - میں اپنے بابا کے پاس شکایت کرونگی" نیز اسی واقعہ میں صاف موجود ہے - کہ جب پیغمبرؐ نے صحابہ کو بلا کر خطاب حضرت علی سے فرمایا - تو ابوبکر و عمر نے ایک دوسرے سے کہا - کہ پیغمبرؐ کا یہ فعل یعنی ہم کو بلانا مصلحت سے خالی نہیں - کیا عقلمند انسان اسی واقعہ سے اندازہ نہیں کر سکتا - یہ ساری تفصیل جلاء العیون میں موجود ہے -

ناظرین کرام ان واقعات سے حضرت سرور کائنات کا اپنے صحابہ پر اپنی دختر کی ناراضگی کی

اہمیت کا اظہار تھا۔ اور یہ مقصد تھا کہ جب میں اپنے داماد کے متعلق ذہنی رنجش برداشت نہیں کر سکتا حالانکہ وہ بے قصور بھی ہے۔ اور معصوم عن الخطا بھی ہے۔ تو میں ایسے لوگوں کی نسبت کب برداشت کر سکتا ہوں جنہوں نے میری بیٹی کو کنارہ قبر تک رلایا ہے۔

جوابِ ششم:۔ تیسرا واقعہ علل الشرائع سے بسند ابی ذر غفاری لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک کنیز کو اپنے پاس رکھا جس کی وجہ سے حضرت زہراؑ کو ملال پیدا ہوا۔ اور شکایتاً اپنے بابا کے پاس تشریف لے گئیں۔ مگر رسول پاکؐ نے فرمایا کہ جاؤ اور علیؑ کو کہو کہ میں نے تیری کا رضا کو اختیار کیا ہے۔ اس پر جناب علی علیہ السلام نے رضاء فاطمہؑ کی خاطر کنیز کو راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ اور رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسولؐ نے فرمایا۔ کہ اللہ پاک فرماتا ہے کہ اے علیؑ! خدا تجھے جنت عطا کرتا ہے رضاء فاطمہ و آزادی کنیز کے صلہ میں۔ پس جس کو جی چاہے داخلِ جنت کر دو۔

حضرات انصاف فرمائیں۔ ایک شخص جناب زہراؑ کو ناراض کرنے کے بعد راضی کر کے جنت کا مالک بنتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک شخص جناب زہراؑ کو ناراض کرکے اور راضی نہ کر کے خدا و رسولؐ کی ناراضگی اپنے سر پر لئے ہوئے عذاب الیم کا مستحق ہوتا ہے کیا ان دونوں میں سے کسی ایک کی متعلقہ ناراضگی کو دوسرے سے متعلقہ ناراضگی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کیا ان دونوں ناراضگیوں کی حیثیت ایک جیسی ہو سکتی ہے۔ مگر مصنف تحقیق فدک کا ہی یہ حصہ ہے کہ ان دونوں قسم کی ناراضگیوں کو ایک جیسا خیال کرتے ہیں۔

جوابِ ہفتم:۔ احتجاج طبرسی مطبوعہ نجف اشرف ص۶۵ سے پانچواں واقعہ یوں نقل کیا ہے یعنی جب خاتونِ معظمہ ارضِ فدک کے غصب ہونے پر غاصبانِ حقوق سے ناراض ہوئیں تو حضرت علی علیہ السلام کو یوں فرمایا۔ یا ابن ابی طالب اشتملت شملۃ الجنین و قعدت حجرۃ الظنین۔ یعنی اے پسر ابو طالب چادر کے اندر چھپ گئے ہو جیسا کہ رحم کے اندر بچہ چھپا ہوا ہوتا ہے اور لوگوں سے چھپ گئے ہو جیسا کہ متہم انسان چھپ جاتا ہے۔

حضرات! یہ ناراضگی اور واقعہ بالکل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے مشابہت رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے اور اپنے پیچھے حضرت ہارون کو خلیفہ بنا گئے تھے۔

اس عرصہ میں سامری نے امتِ موسیٰ کو حضرت ہارون سے باغی کر کے گوسالہ پرستی شروع کرادی اور تمام لوگوں نے حضرت ہارون سے اعراض کیا۔ جب حضرت موسیٰ واپس تشریف لائے۔ دیکھا کہ امت سامری کی قیادت میں اصلی پیشوا کو چھوڑ کر بچھڑا پوج رہی ہے۔ پس غضب کی حالت میں حضرت ہارون کے پاس آئے۔ اور اظہار ناراضگی حضرت ہارون کے پاس نکالا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ اچھی طرح جانتے تھے کہ امت کی اس حرکت کا گناہ ہارون کے ذمہ نہیں ہے۔ بلکہ سامری کی حرکت ہے۔ مگر ظاہری طاقت وغیرہ نہ ہونے کی بنا پر سامری اور سامری والوں کو کچھ نہ کہا۔ اور اظہار تاسف اپنے بھائی کے ساتھ کیا۔ اسی طرح حضرت فاطمہ غضبناک تو غاصبانِ فدک پر ہوئی تھیں مگر وہاں ان پر غضب کے اظہار کرنے کے باوجود بھی اتنا شدید غصہ رہا کہ اس کے تاثرات حضرت علی پر بھی ظاہر کرنے پڑے۔ حضرت علی علیہ السلام کی مجبوریوں کو جناب فاطمہ اچھی طرح سمجھتی تھیں جس وقت پیغمبر اسلام وفات وقت حضرت علیؑ کو تلقین صبر کر رہے تھے حضرت فاطمہؓ موجود تھیں انہیں اچھی طرح علم تھا کہ ذوالفقار حیدری بوجہ حکم رسول بند ہے اسی طرح حضرت موسیٰ کو بھی اچھی طرح علم تھا۔ کہ حضرت ہارون کا قصور نہیں ہے کیونکہ حضرت ہارون پر انہیں اعتماد تھا۔ اسی واسطے جو آیا حضرت ہارون نے کہا تھا کہ یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا ان یقتلوننی (یعنی اے میرے ماں جائے تیری قوم نے مجھے ضعیف خیال کیا اور عنقریب تھا کہ مجھے قتل بھی کر دیتی۔ یہی بعینہٖ الفاظ حضرت علی علیہ السلام نے بھی فرمائے تھے جس وقت کہ مخالفین بیعت کرانے کے سلسلے میں لے گئے تھے۔ (امامۃ والسیاست)

جواب ہشتم:۔ پہلے چار واقعات جو زمانہ رسالت مآب سے متعلق ہیں انکے متعلق علماء شیعہ نے اپنی تحقیق کی ہے۔ کہ وہ غلط ہیں یہ محض اموی خاندان کے نمک خواروں کی قلمکاریاں ہیں صرف اہل بیت نبوی کے حسن معاشرت کو داغدار کرنے کے لئے ایسے واقعات وضع کیے گئے ہیں۔ چنانچہ خود صاحب علل الشرائع ان واقعات کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں "میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اور نہ میرا یہ اعتقاد ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام اور حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام میں کوئی کلام ایسا واقع ہوا ہو جس میں جناب رسالت مآب کو اصلاح کی ضرورت پڑی ہو۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ سید الوصیین اور جناب سیدہ سیدۃ النساء العالمین تھیں اور یہ ان دو بزرگواروں کے

کے اخلاق سے بعید ہے یہ دونوں معصوم اخلاق جناب رسولِ خدا صلعم کے مقتدی اور مماسی تھے۔
(ملاحظہ ہو سیرۃ الزہرا فوق بلگرامی صلی ۱۲۹) سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے قصد مناکحت دختر ابی جہل کا واقعہ بھی اپنی کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ میں موضوع لکھا ہے۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے بھی اس واقعہ کو ابوہریرہ کی مفتریات میں سے شمار کیا ہے۔ سید مرتضیٰ نے اس روایت کا راوی حسین کرابیسی لکھا ہے۔ جو سخت دشمن اہلِ بیت تھا۔ جناب سید مرتضیٰ علیہ الرحمۃ نے یہ استدلال قائم کیا ہے کہ اگر یہ واقعہ درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو بانیانِ شریعت کی پوزیشن نعوذ باللہ صاف نہیں رہتی۔ کیونکہ مطابق شریعت جناب علی علیہ السلام کو جائز نکاحوں کی اجازت بھی۔ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جناب علی علیہ السلام کو تنبیہہ کرنا اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کی جانبداری کرنا حضرت علی علیہ السلام کو جائز حقوق سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔

ایسے واقعات جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مجمع الحسنات سے بعید ہیں کیونکہ آپ مجسمہ اور پیکر اخلاق تھے۔ نیز ہادی امت بھی تھے۔ اگر اپنے گھر کے معاملہ میں اپنی بیٹی کے متعلق ایسا خیال ظاہر کریں۔ اور علی رؤس الاشہاد اس مناکحت سے تنفر فرمائیں تو کئی اس قسم کے واقعات سے آنجناب پر بھی مخالفین اعتراض کر سکتے ہیں جن سے آپکی ذات والاصفات بالکل مبرا و منزّہ ہے۔

نیز ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ نے بھی کتاب جلاء العیون میں تزویج فاطمہ کے بیان میں لکھکر ابن بابونہ کا اعتقاد لکھا ہے۔ کہ یہ روایت جو کنیت ابوتراب کے سلسلہ میں بیان کی جاتی ہے غیر معتبر ہے کیونکہ علی سید اوصیا ہے۔ اور فاطمہؑ سیدہ زنان ہے۔ ان کے درمیان منازعہ و مناقشہ روا نہیں ہے۔ (جلاء العیون صلی ۶۲ فارسی)

جیسا کہ ہم سابقہ جوابات کے سلسلہ میں تحریر کر چکے ہیں۔ کہ اگر ان واقعات کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے۔ پھر بھی ہم کو ان بزرگانِ دین و مقربانِ رب العالمین کے معاملات میں تفکر نہیں کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ واقعات لامتناہی مصالح پر مبنی ہوں۔ اور پیغمبر اسلام کا ایسے واقعات کے موقعہ پر اپنے اہلِ بیت کی جلالت شان کو واضح کرنا مقصود ہو جیسا کہ ابوبکر و عمر و طلحہ وغیرہ

کو بلا کر حضرت علی علیہ السلام کو تنبیہہ فرمائی تھی۔

مصنف تحقیق فدک اور علماء اہل سنت کی خدمت میں گذارش

مصنف تحقیق فدک نے لکھا ہے کہ مصنف فلک النجاۃ نے صرف ایک واقعہ کا جواب دیا ہے باقی چار واقعات کا جواب نہیں دیا۔ شاہ صاحب کی خواہش کے مطابق حسب مقدور مصنف فلک النجاۃ کی نیابت میں ہم نے ان چار واقعات کا بھی جواب تحریر کر دیا ہے۔ ناظرین کو ان معاملات پر غور کرنا چاہیئے۔ اور دونوں قسم کی ناراضگیوں کا موازنہ کرنا چاہیئے جب یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ فلاں انسان فلاں سے راضی ہو گیا۔ تو ایسی ناراضگی کا قیاس ایسی ناراضگی سے کرنا جو وفات تک منتج ہو۔ دانشمندی نہیں۔ یہ صرف مولانا چوکیروی کا ہی مسلک ہے کہ غیر معصومین کی حمایت میں اپنے جدامجد کے حسن معاشرت کو داغدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں پتا ہو ان بداندیشوں کا جو ایسے سراپا اخلاق الٰہی اور نورانی پیکروں میں محض تعصب، نفسانیت اور خود غرضی اور اس تعصب کے اشتعال طبع کی وجہ سے کہ ان حضرات اور عوام الناس کے طرز معاشرت اور طور اطوار میں کسی نہ کسی طرح مساوات قائم ہو۔ باہمی اختلاف۔ نفاق رنجش اور کشش ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس کے متعلق چند بے سروپا واقعات افسانہ وار بیان کرتے ہیں جن کو نہ کوئی شخص جناب امیر کے اخلاق و آداب سے یقین کر سکتا ہے اور نہ جناب فاطمہ زہرا کی عزت دانی اور مرتبہ شناسی سے امید رکھ سکتا ہے۔

نیز ان واقعات کو استدلال کے طور پر بخاری کی روایت کے سلسلہ میں جو انسان پیش کریگا۔ ایک تو اس پر ناصبیت اور خارجیت کا غلبہ ہوگا۔ دوسرا علمی حلقوں میں اس کا بیٹھنا اہل علم کے لئے توہین ہوگی۔ مصنف تحقیق فدک و علماء اہل سنت کو چاہیئے۔ کہ بخاری کی روایت کا کوئی حل تلاش کریں۔ اس قسم کی فرسودہ تاویلات سے آپ کی باطنی عداوت اہل بیت کا کا اظہار ہوگا ؂

⁂

بَابْ سوم

توثیق ہبہ فدک

حضرات! مصنف تحقیق فدک نے ص۱۳۵ تک وراثت انبیاء کے مسئلہ اور دعویٰ زہراؑ متعلق بوراثت پدری پر بعید از عقل اعتراضات کئے ہیں اور بڑے زور کے ساتھ اپنے دعاوی کی تائید میں کتب شیعہ سے عبارتیں نقل کرکے عوام کالانعام کو دھوکا دیکر چاہِ ضلالت میں گرانے کی کوشش کی ہے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی وہ سیاست نواصب میں اور استدلال کرنے لگ گئے علوم اہل بیت سے عبارتوں کی قطع و برید کرکے جدّہ سادات کے دعاوی ارث پر تعریض کی گئی۔ شاہ صاحب کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگرخواہ مخواہ مخالفین اہل بیت کی نمک خواری کا حق ادا کرنا ہی تھا۔ تو صرف یہی کہدیتے کہ جناب ابوبکر سے فدک کے معاملہ میں ان سے فروگزاشت ہوگئی تو کیا ہوا۔ آخر انسان ہی تھے غلطی ہو سکتی ہے۔ وہ کوئی معصوم عن الخطا تو تھے نہیں بہرحال ہماری دادی بزرگوار کا دعویٰ ضرور سچا تھا۔ مگر حضرت شاہ صاحب نے تو اپنا زر اور مستعار عقل بھی تمام کا تمام مخالفت زہراؑ و تائید مزعومات ولایت اہل سقیفہ میں خرچ کر دیا۔ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ! کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

قبل اس کے کہ ہم ہبہ فدک کے ابطال پر شاہ صاحب کے قائم کردہ استدلالات کا جواب دیں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کرام کی خدمت میں حقیقت ہبہ فدک مسلّمات اہل سنت و کتب حدیث و سیر و تواریخ سے پیش کریں۔ حسب بیان ابن الحدید معتزلی ملکۂ کائنات نے دربار سقیفہ میں تین قسم کے دعوے پیش کئے۔ دعویٰ وراثت۔ دعویٰ ہبہ۔ اور تیسرا دعویٰ وصیت۔ ان میں سے پہلے دو مشہور و معروف مسلم بین الفریقین ہیں مگر تیسرا دعویٰ وصیت اتنا مشہور نہیں ہے اور نہ ہی اس پر ہم کو کچھ بحث کرنے کی ضرورت ہے۔ دعویٰ وراثت کی تردید کے متعلق تو دکلائے اہل حکومت کو کچھ فرضی دلائل دستیاب ہوگئے جن کی بنا پر تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی جناب زہراؑ نے مطالبہ ارث کیا اور نہ ملنے پر غضبناک ہوئیں مگر ہبہ فدک کے متعلق کتابوں میں ایسی صراحت موجود تھی جسکی تردید

نہ ہوسکتی تھی لہٰذا اس کا اصل ہی سے انکار کر دیا۔ کہ یہ دعویٰ ہوا ہی نہیں۔ پھر بھی بعض اہلسنت کے مورخین و محدثین نے تسلیم کر ہی لیا مگر عدم عطائیگی فدک کی توجیہہ و تاویل یہ بیان کی۔ کہ جناب دخترِ رسول کے دعویٰ ہبہ پر حاکم وقت کی طرف سے طلب کردہ شہادت کا نصاب پورا نہیں تھا۔ اسلئے حضرت خلیفہ اول خلاف شرع رسول بنتِ رسول کے حق میں فیصلہ کرنے سے معذور تھا۔

نصابِ شہادت پورا نہ تھا:۔ ہمارے اس بیان بالا کی تائید میں علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ مطبع میمنۃ مصر صفحہ ۳۱ پر تحریر کرتا ہے

"اخرج الحافظ عمر ابن شیبہ ان زیداً ھذا الامام جلیل قیل لہ ان ابا بکر انتزع من فاطمہ فلک فقال انہ رحیماً وکان یکرہ ان یغیر شیئاً ترکہ رسول اللہ فاتتہ فاطمۃ فقالت لہ ان رسول اللہ اعطانی فدك فقال ھل لكِ بینۃ فشھد لھا علی و ام ایمن فقال لھا فرجل و امراۃ تستحقیھا ثم قال زید واللہ لورجع الامر فیھا الی لقضیت بقضاء ابی بکرؓ" ترجمہ:۔ حافظ عمر ابن شیبہ نے بیان کیا کہ تحقیق زید امام جلیل القدر تھا اس کی خدمت میں کہا گیا۔ کہ ابوبکر نے فدک جناب فاطمہ سے چھین لیا۔ زید نے کہا۔ کہ ابوبکر نہایت رحمدل تھا۔ وہ مناسب نہیں خیال کرتا تھا کہ کسی چیز میں تغیر و تبدل کرے جو چیز کہ رسول نے چھوڑی ہو جناب فاطمہؑ ابوبکر کے پاس آئیں کہ یہ فدک مجھے اپنے پدر بزرگوار نے بطور ہبہ عطا فرما دیا تھا۔ بس پر ابوبکر نے کہا۔ کہ اے فاطمہؑ! کیا تمہارے پاس اس امر کی کوئی دلیل بھی ہے! اس پر حضرت علی علیہ السلام و اُمِ ایمن کنیز اہلبیت نے گواہی دی۔ جس پر ابوبکر نے کہا۔ کہ اے مدعیہ کیا تو ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی پر حقدار ہوسکتی ہے؟

زید امام نے کہا کہ اگر یہ مقدمہ میرے ہاں پیش ہوتا تو میں ایسے ہی فیصلہ کرتا جیسا کہ ابوبکر نے کیا ہے۔ روایت بالا سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جناب فاطمہؑ کا نصاب شہادت پورا نہیں تھا ورنہ حضرت ابوبکر کو دینے میں کوئی عذر مانع نہیں تھا۔ یہی روایت ان ہی الفاظ کے ساتھ سیرت حلبیہ جلد ۳ ص ۳۹۹ پر بھی موجود ہے۔ سبحان اللہ! رسالت کی شاہدہ خاتون پر مسلمان کذب کا بہتان لگا کر شہادت طلب کر رہے ہیں۔ خاندان رسول سے کیسی گستاخی

احسان فراموشی اور خیرہ چشمی کا مظاہرہ ہو رہا ہے جس معظمہ کی صداقت و عصمت کی شہادت خود خدا و رسولؐ نے دیدی ہو پھر ایسے فرد سے تصدیق دعویٰ کی خاطر شہادت طلب کرنا قرآن خدا و رسولؐ کو جھٹلانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے خدا کی شان وہاں آز کو پُر کرنے کے لئے کارکنانِ سقیفہ نے کیسا آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور محسن کے حقوق کو پس پشت ڈال دیا۔ حالانکہ بروقت حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر کو تنبیہ کر دیا تھا کہ اے ابوبکر اگر کوئی تجھے آکر کہہ دے کہ جناب فاطمہ نے چوری کی ہے تو کیا کرے گا۔ کہنے لگا کہ میں ہاتھ کاٹوں گا۔ حضرت امیر نے کہا۔ کہ اگر تو نے ایسا کیا تو خدا اور رسولؐ کی شہادت کی تردید کر دیگا کیونکہ عصمت فاطمہ پر کلام الٰہی شاہد ہے وہ تو چوری کر ہی نہیں سکتی۔ (حق الیقین) مگر ابوبکر دعویٰ ہبہ فاطمہ کے جواب میں حسب بیان امام فخر الدین رازی لکنی لا اعرف صحت قولک (یعنی اے بی بی! میں تمہارے قول کی صحت پر اعتماد نہیں رکھتا) تفسیر کبیر جلد ۸ ص۱۲۵ کہتا رہا۔ صاحب سیرت حلبیہ نے جلد ۳ ص۳۹۹ پر روایت مذکورہ صواعق محرقہ پر قدرے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ روافض کا اعتراض ہے کہ جناب زہراؑ بنص انما یرید اللہ معصوم تھیں لہذا ابوبکر کو چاہیے تھا کہ عصمت خاتون معظمہ پر اعتماد کرتا۔ اور شہادت طلب کر کے اپنا دینی نقصان نہ کرتا۔ اور حدیث الفاطمۃ بضعۃ منی سے عصمت فاطمہ کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ استدلال مذکورہ کے جواب میں صاحب سیرت حلبیہ کا بیان ہے کہ آیت مذکورہ میں ازواج نبی بھی شامل ہیں اور وہ بالاتفاق معصوم نہیں لہذا جناب زہراؑ بھی معصوم نہ ہوئیں۔ صاحب سیرت حلبیہ کے بیان کے مطابق چونکہ جناب زہرا معصوم نہ تھی لہذا ابوبکر کا شہادت طلب کرنا موجب اعتراض نہیں ہے۔

مولانا چکڑالوی نے عصمت بتولؑ کو تسلیم کر لیا ہے:

ہم اپنی کتاب میں سیرت حلبیہ کا جواب نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ مصنف تحقیق فدک کا جواب لکھنا مطلوب ہے۔ مصنف تحقیق فدک نے عصمت زہراؑ کو فضائل فاطمہ علیہا السلام میں تسلیم کیا ہے۔ لہذا حضرت شاہ صاحب پر یہ قول حجت ہو سکتا ہے کہ جب آپ بی بی پاک کو معصوم خیال کرتے ہیں تو پھر مخالف معصومہ کو باطل کیوں نہیں قرار دیتے حضرت علی علیہ السلام کی شہادت بھی بڑے پتے کی شہادت تھی کیونکہ یہ بزرگوار خاتم المرسلین کے مصدق اول تھے اور معصوم بھی تھے۔ ان کی گواہی کو تو اس لئے رد کیا کہ یہ اپنی زوجہ کے حق میں مبالغہ

کرینگے۔ اورام ایمن جیسی کنیز خانہ اہل بیت میں رہنے والی مبشر بالجنۃ خاتون کی گواہی ایک عورت سمجھ کر قبول نہ ہوتی۔ بعض روایات میں رباح غلام اور حسنین شریفین اور دختران جناب زہرا کا شہادت دینا بھی لکھا ہے چونکہ ان بزرگواروں کی شہادات دعویٰ دختر رسولؐ کو زیادہ آجاگر کرنیوالی تھیں لہذا بعض اہل سنت نے ان شہادتوں سے انکار کردیا۔ اگر ہم بیانات بالا کی تائید میں کتب شیعہ کی عبارتیں پیش کریں تو شاید پڑھنے والے حضرات شیعہ رواۃ کی نسبت اہلبیت کے حق میں مبالغہ خیال کریں۔ مگر ہم نے تو جو کچھ اپنے استدلالات کی تائید میں قبل ازیں کتاب میں درج کیا ہے۔ اور درج کرنے کا خیال ہے۔ مسلمات اہل سنت سے ہی لکھا ہے اور لکھیں گے۔

توثیق ہبہ فدک از شواہد اہل سنت:- ذیل میں ہم ہبہ فدک کے متعلق نہایت تفصیل کے ساتھ اہل سنت کی کتابوں سے روایات لکھکر ناظرین کیلئے سامان اطمینان پیدا کرنیکی کوشش کرتے ہیں توجہ فرماویں۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب الملل والنحل میں امت کے چھٹے اختلاف کے تحت تحریر کرتے ہیں "الخلاف السادس فی امر فدك والتوارث عن النبی ودعوی فاطمه ارثته تارة وتملیکا اخری حتی دفعت عن ذالك" یعنی چھٹا اختلاف فدک اور وراثت نبوی کا تھا جناب زہرا کا ایک بار دعوی وراثت کے طور پر کرنا اور دوسرا بطور تملیک۔ یہانتک کہ ان دونوں چیزوں سے محروم کیا گیا۔ لباب النقول برحاشیہ جلالین طبع مصر جلد ۲ ص ۱۹ پر یوں لکھا ہے۔ کہ اخرج الطبرانی وغیرہ عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت وآت ذاالقربی حقه دعا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فاطمة فاعطاها فدك۔

کنزل العمال جلد ۲ ص ۱۵۸ مطبع معارف نظامیہ حیدرآباد دکن پر تحریر ہے کہ عن ابی سعید لما نزلت وآت ذاالقربی حقه قال النبیؐ یا فاطمه لك فدك۔ تفسیر درمنثور جلد ۴ ص ۱۷۷ پر بھی روایت بالا موجود ہے۔ روایت بالا کا ترجمہ یہ ہے کہ جب آیت وآت ذاالقربی حقہ (یعنی اے پیغمبر اپنے قریبیوں کا حق دیدو) نازل ہوئی تو جناب رسالت مآب نے جناب فاطمہ کو بلا کر فدک دیدیا۔ نیز تفسیر درمنثور جلد ۴ ص ۱۷۷ مذکور میں روایت بالا علاوہ

ابی سعید کے بروایت ابن مردویہ اور ابن عباس سے بھی مروی ہے قال لما نزلت وآت ذی القربی حقہ اقطع رسول اللہ فاطمۃ فدکًا (یعنی جب آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ تو جناب رسولؐ نے فدک جناب فاطمہ کو بطور جاگیر دیدیا۔ شرح مواقف ص۷۳۵۔ صواعق محرقہ ص۲۱ وبراہین فاطمہ فارسی ص۵۲/۵۸ اور مستدرک حاکم ص۱۸۷ پر بھی مضمون بالا یعنی فدک، ہبہ بحق زہرا موجود ہے)

ابوبکر کا کہنا کہ اے فاطمہ تیرے قول پر اعتبار نہیں:۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر جلد ۸ ص۳۸۶ تحت آیت نے لکھا ہے کہ فلما مات رسول اللہ صلعم ادعت فاطمۃ علیہا السلام انہ کان نحلها ذلك فقال انت اعز الناس علّی فقرًا او احبهم الی غنی لکنی لا اعرف صحۃ قولك ولا یجوز ان احکم بذالک فشهد لها ام ایمن ومولیٰ رسول اللہ صلعم (جب رسول اللہ فوت ہو گئے جناب فاطمہ نے دعویٰ کیا کہ فدک رسول اللہ نے ان کو بخش دیا ہوا ہے ابوبکر نے کہا کہ تو مجھے فقراء و اغنیاء سب سے عزیز تر ہے لیکن تیری بات کی صحت پر اعتبار نہیں۔ اور نہ میرے لئے جائز ہے۔ کہ میں اس طرح حکم لکھوں پس اس کے لئے ام ایمن اور رسولؐ اللہ کے ایک غلام نے گواہی دی۔

حضرت فاطمہؑ نے نوشتۂ رسولؐ پیش کیا:۔ معارج النبوۃ ملا معین رکن چہارم ص۳۱۱ طبع نولکشور پر اس طرح لکھا ہے۔ پیغمبر فاطمہ را بخواند و برائے او حجت نوشت و آں وثیقہ بود کہ بعد از جناب رسول پیش ابوبکر صدیق آورد و گفت ایں کتاب رسول خدا است برائے من و حسنین نوشتہ است۔ ترجمہ:۔ پیغمبر نے فاطمہ زہرا کو بلایا اور اس کے لئے ایک حجت لکھی اور یہ وہی وثیقہ تھا جو جناب زہراؑ بعد وفات رسولؐ ابوبکر کے سامنے لائی تھیں۔ اور کہا کہ یہ رسولِ خدا کا وثیقہ ہے جو میرے اور حسنین کیلئے لکھا ہوا ہے۔ یہی مضمون بالا حبیب السیر اور روضۃ الصفا جلد ۲ ص۱۶۰ مطبوعہ نولکشور پر بھی موجود ہے۔

معارج النبوۃ کوئی معمولی کتاب نہ خیال کریں اس کتاب کی تصدیق شاہ عبد العزیز دہلوی نے عجالۂ نافعہ میں کی ہے۔ اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں اس کتاب سے روایات نقل کی ہیں۔

ہبۂ فدک پر علیؑ نے بھی شہادت دی:۔ کتاب فتوح البلدان للامام بلاذری مطبوعہ

مصر طبع اول صفحہ ۳۸ پر منقول ہے کہ عن مالک بن جعونہ عن ابیہ قال قالت فاطمۃ لابی بکر ان رسول اللہ جعل لی فدک فاعطانی ایاھا وشھد لھا علی ابن ابیطالب فسألھا شاھدًا اٰخر فشھدت لھا ام ایمن فقال قد علمت یا بنت رسول اللہ انہ لایجوز الا شھادۃ رجلین او رجل و امرأتین ـــ الی لآخر۔ ترجمہ مالک بن جعونہ اپنے باپ سے بیان کرتا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ابوبکر سے فرمایا۔ کہ رسول اللہ نے فدک مجھے عطا کیا ہوا تھا۔ اس پر علیؑ نے گواہی دی پھر دوسری شہادت طلب ہوئی تو ام ایمن نے گواہی دی۔ پھر ابوبکر نے کہا کہ اے بی بی تو جانتی ہے کہ دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر دینا جائز نہیں ہے۔

ہبہ فدک کی روایت بہت صحیح ہے :-

معجم البلدان مؤلفہ یاقوت حموی جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ میں روایت کہ ہبہ فدک کو اصح روایات میں شمار کیا گیا ہے اس کے بعد لکھا ہے صرف ترجمہ فدک خالص رسولؐ اللہ کا تھا اس میں ایک فوارہ دار چشمہ تھا اور ایک نخلستان، یہ وہی فدک ہے کہ جس کے متعلق جناب زہراؑ نے ابوبکر کے پاس دعویٰ کیا تھا کہ رسولؐ اللہ نے مجھے ہبہ کر دیا ہوا ہے ابوبکر نے کہا کہ میں اس پر شہادت لینا چاہتا ہوں اس کا بڑا قصہ ہے۔ پھر عہد عمر میں حضرت علی و عباس کا تنازعہ ذکر کر کے لکھا ہے۔ کہ حضرت علی فرماتے تھے۔ تحقیق نبی نے اپنی زندگی میں فدک جناب زہرا کے لئے ہبہ کر دیا ہوا ہے۔

ناظرین حضرات! اوپر میں جتنی روایات و شہادات متعلقہ فدک نقل کی گئی ہیں سب اہل سنت کی کتابوں سے نقل کی گئی ہیں۔ اصل کتابوں کو ملاحظہ فرما لیا جاوے۔

اراضی فدک کے متعلق اہل سنت کے دو مشہور خلیفوں کا عمل :-

اب ہم ذیل میں اہل سنت حضرات کے دو مشہور اور بڑے پرہیزگار خلیفوں کی کارروائی دربارہ فدک پیش کرتے ہیں جس سے بخوبی واضح ہو جائیگا۔ کہ ان دو بزرگوں نے ہبہ فدک کو صحیح تسلیم کر کے اولاد جناب فاطمہ علیہا السلام پر واپس کر دیا۔ ان دو شہادتوں سے تمام بھید کھل جائیگا۔ اللہ کے فضل سے ہمارے دعویٰ

کی تائید بھی ہو گی اور عمل خلیفہ اول کی تردید بھی۔ نیز روایات کی جانچ پڑتال کا گورکھ دھندا بھی ختم ہو جائیگا کہ روایات ہبہ فدک کے راوی شیعہ ہیں یا سُنی وغیرہ جیسا کہ تحقیق فدک کے مصنف نے ان راویوں کو بھی شیعہ لکھا ہے۔ ان واقعات کے دیکھنے کے بعد صرف دو راستے رہ جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان دو خلیفوں کی کارروائی کو صحیح سمجھ کر ابوبکر کی کارروائی غلط سمجھی جاوے یا پھر ان دو خلیفوں یعنی عمر بن عبدالعزیز مروانی اور مامون عباسی کو شیعہ سمجھکر ان کی کارروائی کو قابل اعتبار نہ سمجھا جاوے۔ اگر عمر بن عبدالعزیز کو شیعہ اہل بیت خیال کیا گیا۔ تو اہل سنت کی تمام تر خلافت راشدہ کا شطر جاتا رہیگا۔ اور حدیث ائمہ اثنا عشر مندرجہ مسلم کا مفہوم پورا نہیں ہوگا۔ بارہواں خلیفہ پھر کوئی اور مروانی خصلت اور یزیدی طینت کا وضع کرنا پڑیگا۔

عمر بن عبدالعزیز کا عمل:۔ علامہ یاقوت حموی اپنی کتاب معجم البلدان جلد ۶ باب الفاء والدال کے تحت لکھتا ہے کہ "فلمّا ولی عمر ابن عبد العزیز الخلافۃ کتب الی عاملہ بالمدینۃ یامرہ برد فدك الی ولد فاطمۃ فکانت فی ایدیھم فی ایام عمر بن عبد العزیز" ترجمہ جب عمر بن عبدالعزیز خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے اپنے عامل مدینہ کو لکھا اور حکم دیا کہ فدک اولاد فاطمہ کو واپس کر دے اور وہ اس پر مالکانہ قابض رہیں پس ایام عمر بن عبدالعزیز میں فدک اولاد فاطمہ کے ہاتھ میں رہا۔

مامون الرشید عباسی کا عمل:۔ مامون مذکور نے جو حکم اپنے دفتروں اور محرروں کے پاس تحریر کرایا اور عاملین کو لکھا اس کے الفاظ کو کتاب فتوح البلدان للامام احمد بن یحییٰ بن جابر البغدادی الشہیر بالبلاذری مطبوعہ مصر طبع اول ص ۳۹ سے نقل کیا جاتا ہے۔ "فدکان رسول اللہ اعطی فاطمۃ بنت رسول اللہ وفدك وتصدق بھا علیھا وکان ذالك امرًا ظاھرًا معروفًا لاخلاف فیہ بین آل رسول اللہ ولم تزل تدعی منہ ماھو اولیٰ بہ من صدق علیہ فرأی امیر المومنین ان یردھا الی ورثتھا ویسلّمھا الیھم تقربًا الی اللہ باقامتہ حدود عدلہ والی رسول اللہ بتنفیذ امرہ وصدقتہ" یعنی خلیفہ مامون کا قول اور حکم یہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ کو فدک ہبہ کر دیا ہوا تھا اور ان پر تصدق کر دیا تھا۔ یہ امر ظاہر اور مشہور و معروف تھا۔ کہ آل رسولؐ کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف

ظاہر نہیں ہوا۔ اور ہمیشہ جوان میں مستحق چلا آیا ہے وہ اظہار اپنے دعویٰ کا کرتا چلا آیا ہے اس لئے اب
امیرالمومنین (مامون) نے یہ مناسب سمجھا ہے کہ فدک کو جناب زہراؑ کے ورثاء کی طرف پھیر دے اور انکو پر
کر دے اور یہ کام محض رضامندی خدا کیلئے اور اسکی حدود اور عدل قائم رکھنے کیلئے کیا جاتا ہے اور اس
واسطے کیا جاتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے جو حکم دیا ہے اور تصدق کیا تھا اس کی تعمیل ہو جائے۔"

عمر بن عبدالعزیز اور مامون کے عمل سے اخذ شدہ نتائج :- مذکورہ بالا کارروائیوں
سے حسب ذیل چند نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ (۱) یہ دونوں خلیفے اہل سنت کے ہاں نیک اور پرہیزگار
ہیں۔ لہذا انکے عمل کو قبول کرنا چاہیئے۔ (۲) ان دونوں بزرگواروں نے فدک کو اولاد فاطمہ پر
واپس کر دیا۔ اور انکے عہد سلطنت میں انکے پاس ہی رہا مگر انکے جانشینوں نے پھر واپس چھین کر
سنت شیخین کو زندہ کیا (۳) ان دونوں خلیفوں نے عمل رسولؐ کو مدت کے بعد زندہ کر کے خدا و
رسول و اہل بیت کی رضامندی حاصل کی۔ (۴) ابوبکر کا مطالبہ جناب فاطمہؑ میں یہ کہنا کہ متروکات
رسولؐ میں میں وہی عمل کرونگا جو رسول اللہ کرتے تھے۔ ان دو خلیفوں نے اپنے عمل سے دنیا پر یہ
ثابت کر دیا کہ ابوبکر کا محض یہ زبانی دعویٰ تھا اگر وہ اپنے قول میں سچا ہوتا۔ تو فدک ضرور واپس کر دیتا
جیسا کہ ہم نے کیا ہے۔ (۵) خلیفہ اول نے تصدیق ہبہ فدک کیلئے اہل بیت سے شہادت طلب کی مگر ان
دونوں نے بغیر شہادت فدک واپس کر دیا۔ (۶) مامون رشید کے حکم سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ آل رسولؐ
کے درمیان ہر زمانہ میں مسئلہ ہبہ فدک میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اگر باقی دنیا اختلاف ظاہر
کرے تو فضول ہے فدک آل رسولؐ کا حق تھا جب انکا آپس میں اختلاف نہ رہا باقی دنیا کا اختلاف
نقصان دہ نہیں ہے، موجودہ زمانہ میں جو سید اپنے آپ کو اولاد رسول کہلوائیگا پس اس کیلئے لازمی
ہے۔ کہ وہ اس مسئلہ ہبہ فدک کے متعلق اپنے اجداد وسلف کے خلاف اختلاف نہ کرے اسے چاہیئے
کہ ہبہ فدک کے راویوں کی نسبت انکے شیعہ ہونے کا گمان نہ کرے۔ اگر وہ خواہ مخواہ اس مسئلہ
میں اختلاف کرنا چاہتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنا اولاد رسولؐ میں سے ہونے پر بھی اختلاف ہے
اور اپنے نسب کی شرافت پر شک ہے۔ (۷) ناظرین پر واضح ہونا چاہیئے کہ مامون رشید بڑا
علم دوست تھا۔ ہر وقت اسکے دربار میں علماء فضلاء کا مجمع بیٹھا رہتا تھا۔ لازمی بات ہے کہ یہ
عمل رد فدک اس نے اہل سنت کے علماء کے مشورہ سے کیا ہو وہ خود بھی جاہل نہیں تھا بتفسیر د

حدیث پر عبور رکھتا تھا جب وہ اتنا بڑا عمل اپنے اجداد کے طرزِ عمل اور پیشرو شیخین کے خلاف اعلانیہ کر رہا تھا ضرور اس نے سوچ سمجھ کر اور اپنے سیاسی امور کے چاروں پہلوؤں پر نظر کر کے کیا ہوگا کیونکہ اس عمل میں بغاوت ملکی کا بھی اندیشہ تھا مگر اس نے سب کچھ برداشت کر کے اسلام کے بڑے معرکۃ الآرا مسئلہ کو حل کر دیا۔ ناظرین کے دفع شبہات کیلئے مامون کا سُنّی ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔

مامون رشید سُنّی المذہب تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کے متعلق تو ہم کو لکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ سنی المذہب تھا تاریخ جاننے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ اہلسنت کے عقائد کے لحاظ سے یہ خلیفہ خلفاء راشدین میں شمار ہوتا ہے مامون کا سُنّی ہونا ہم امام جلال الدین سیوطی کے بیان سے پیش کرتے ہیں بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۶ پر تحریر ہے کہ اس خلیفہ نے بچپن ہی میں تحصیل علم کیا تھا۔ اس نے حدیث اپنے باپ اور ہشیم اور عباد بن عوام یوسف بن عطیہ ابو معاویہ اسمعٰیل بن علیہ حجاج اعور سے سماعت کی علم ادب یزیدی سے حاصل کیا۔ فقہاء کو دور دور سے بلا کر جمع کیا اور فقہ عربیت میں کمال حاصل کیا۔ یہ شخص تمام خاندان بنو عباس میں حزم۔ عزم۔ حلم۔ علم۔ رائے۔ ذکاوت۔ ہیبت۔ شجاعت۔ سرداری جوانمردی کے اعتبار سے بڑھا ہوا تھا۔ اس میں بہت سے محاسن اور نیک خصلتیں موجود تھیں۔ پھر صفحہ ۳۱۹ پر ابو معشر المنجم کہتے ہیں کہ مامون بہت بڑا عادل اور حاکموں کو عدل کی تاکید کرنے والا تھا فقیہ النفس ایسا تھا کہ بڑے عالموں میں شمار ہوتا تھا۔ پھر صفحہ ۳۲۷ پر تحریر ہے محمد بن عباد کہتے ہیں کہ خلفاء میں سوائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مامون کے کوئی خلیفہ حافظ قرآن نہیں ہوا۔ ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے ابتدائے کتاب میں لکھ دیا کہ میں نے اس کتاب میں کسی ایسے خلیفہ کا ذکر نہیں کیا جس پر اجماع امت واقع نہ ہوا ہو نیز عصر حاضر کے نامور مورخ شبلی نعمانی نے بھی مامون کی سوانحعمری لکھکر اسکی سنیت کا اظہار کیا ہے اگر وہ شیعہ ہوتا تو اسے کیا ضرورت تھی کہ اسکے حالات قلمبند کرے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ مامون رشید کا باغ فدک کو واپس کرنا اور حضرت امام رضا علیہ السلام کو امر خلافت کا تفویض کرنا ہی اسکی شیعیت کی واضح دلیل ہے۔ اگر اس اعتبار سے اسکو شیعہ سمجھا جائے کہ اس نے حقوق اہلبیت واپس کئے ہیں۔ تو ہمارا بھی یہی دعویٰ ہے کہ فدک اور خلافت اہل بیت کا حق تھا۔ جس نے یہ دونوں چیزیں واپس کیں اس نے اہل بیت کا لحاظ کیا اور جس نے غصب کر لیں اس نے ظلم عظیم کیا خواہ وہ شیعہ ہو یا اہل سنت ہو۔ اگر اہل بیت فدک کو اپنا حق نہ سمجھتے اور ابوبکر وغیرہ کو غاصب خیال نہ کرتے تو مامون کو صاف کہدیتے۔ کہ فدک ترکہ رسول ہے اور وہ صدقہ ہے جو کچھ ابوبکر نے کیا تھا۔ وہ ٹھیک ہے ہم واپس نہیں لیتے مگر اہل بیت نے بخوشی لے لیا اور یہ حضرات اسی بات پر رضامند تھے کہ فدک ان کو واپس کیا جائے۔ اگر مامون کو شیعہ کہا جائے۔ تو کہنا پڑیگا کہ شیعہ خلفاء اہل بیت کے حقوق واپس کرتے ہیں اور سنی خلیفے غصب کر لیتے ہیں۔

اثبات ہبہ مع القبضہ:۔ بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ ہبہ جب درست تصور ہو سکتا ہے جبکہ واہب اپنی موجودگی میں موہوب الیہ کو قبضہ کرا دے۔ اسواسطے تو ابوبکر نے شہادت طلب کی کہ ہبہ مع القبضہ نہیں تھا۔ اگر جناب کو موہبہ کا قبضہ ہوتا تو ہرگز ابوبکر واپس نہ لیتا۔

کتب شیعہ تو تمام تر ثابت کر رہی ہیں کہ جناب فاطمۃ الزہراؑ علیہا السلام نے اپنے پدر بزرگوار کی موجودگی میں فدک پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس اراضی پر عامل بھی جناب زہراؑ کی طرف سے مقرر تھے۔ جب ابوبکر نے عاملین فدک کو باہر نکال دیا۔ تب خاتونِ معظمہ نے اپنا دعویٰ ہبہ معہ گواہان پیش کیا۔

مگر اہل سنّت حضرات اس امر کو قبول کرنے سے جھجکتے ہیں تاہم بعض علماء اہل سنّت نے ہبہ معہ القبضہ مان بھی لیا ہے۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ علامہ ابن حجر مکی مطبوعہ میمنیہ مصر صفحہ ۲۱ "اخرج الحافظ عمر ابن شیبہ ان زیدا ھذا الامام جلیل قیل ان ابابکر انتزع من فاطمہ فدك یعنی حافظ عمر ابن شیبہ نے کہا کہ زید امام سے کہا گیا۔ کہ فدک ابابکر نے جناب فاطمہ سے چھین لیا" چھینی چیز وہی جاتی ہے جو پہلے قبضہ میں ہو۔ اگر فدک قبضۂ جناب فاطمہؑ زہرا میں نہیں تھا۔ تو روایت بالا میں چھیننے سے کیا مراد ہے۔ سوچئے اور انصاف سے فرمایئے۔

نوشتۂ زہراؑ کو پھاڑ دیا گیا

اہل سنّت کی بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر نے کچھ نرم ہو کر عطائیگی فدک کا پروانہ بعد تسلیم ہبہ حضرت جناب زہراؑ کو دے دیا تھا۔ مگر حضرت عمر نے اس عطائیگی کو خلاف مصلحت سیاست ملکی پسند نہ کیا۔ اور وثیقہ مرقومہ کو دستِ زہراؑ سے چھین کر ریزہ ریزہ کر دیا۔

چنانچہ علامہ علی بن برہان الدین حلبی شافعی اپنی کتاب السان العیون فی سیرت الامین المامون المعروف سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۴۰۰ پر ناقلاً عن سبط ابن جوزی ان الفاظ کے ساتھ تحریر کرتا ہے۔ "وفی کلام سبط ابن الجوزی انہ کتب لھا بفدك ودخل علیہ عمر فقال ماھذا فقال کتاب کتبتہ لفاطمہؑ بمیراثھا من ابیھا فقال مماذا تنفق علی المسلمین وقد حاربك العرب کما تری ثم اخذ عمر الکتاب فشقہ" سبط ابن الجوزی کے کلام میں ہے۔ کہ ابوبکر نے وثیقہ فدک کا لکھ دیا۔ مگر اتنے میں عمر آ گئے۔ پوچھا کیا ہے۔ ابوبکر بولے میں نے فدک فاطمہؑ کو لکھ دیا ہے۔ عمر بولے تم مسلمانوں پر کیا خرچ کرو گے۔ حالانکہ عرب تیرے ساتھ جنگ کرنے کو تیار ہیں۔ پھر عمر نے وہ وثیقہ لے لیا۔ اور چاک کر دیا یعنی پھاڑ دیا"

سبط ابن الجوزی کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اراضی فدک کچھ معمولی چیز نہ تھی جیسا کہ عوام الناس دو کھجور والے تعبیر کرتے ہیں۔ بلکہ بقول عمر مصالح حکومت کا تمامتر بوجھ اور عسکری طاقت کا انحصار فدک کی آمدنی پر موقوف تھا۔

بعد رسولؐ درحاصل حاکم حضرت عمر ہی تھا

ذیل میں ہم ایک واقعہ کنزالعمال جلد ۲ ص ۱۸۹ سے نقل کرتے ہیں اس واقعہ کو تنظیم اہلِ سنت کے نقیب و داعی اخبار سہ روزہ دعوت میں علامہ رشید اختر ندوی نے اسلامی جاگیروں کے ضمن میں بھی نقل کرکے استدلال کیا ہے۔ اس واقعہ کو نقل کرنے سے ہمارے دو مقصود ہیں۔ ایک تو ناظرین کو پتہ چل جائیگا۔ کہ ابوبکر کی خلافت محض برائے نام تھی۔ تمام کاروبار یں کرتے دھرتے حضرت عمر ہی تھے۔ حقیقتاً خلیفہ ان دونوں خلافتوں میں یہی بزرگوار تھے۔ حکومت کا کوئی نیا منشور یا فتویٰ بغیر رضامندی حضرت عمر پاس نہیں ہوتا تھا۔ اس کی وجہ محض یہی ہے۔ کہ میدانِ سقیفہ کی تمام کارروائی کا سہرا حضرت عمر کے سر پر تھا جنہوں کو یہ خلیفہ بنالیتے وہی بن جاتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سب سے پہلے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرکے انصار و مہاجرین کو بیعت پر مجبور کیا۔ اسی واسطے مظالم اہلِ بیت کے سلسلہ میں اس بزرگوار کا اسمِ گرامی تواریخ میں پیش پیش نظر آتا ہے۔

دوسرا مقصود ہمارا اس واقعہ کے نقل کرنے سے صرف یہ ہے۔ کہ اہلِ حکومت کا واحد مقصد صرف اہلِ بیت رسول کی اقتصادیت کو کمزور کرنا تھا۔ گوناگوں جبیرہ دستیوں سے اہلِ بیت کے حقوق مالی غصب کئے گئے۔ وراثتِ نبوی سے انکار کیا۔ تصدیق ہبہ کی نفی کی۔ اہلِ بیت پاک کا حق خمس بند کیا وغیرہ۔ حکومت کا یہ ناروا سلوک محض دودمانِ رسالت کے ساتھ مخصوص رہا۔ مگر جب ہم کتب تواریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو پتہ چلتا ہے کہ اہلِ حکومت کے رحم و کرم کی بارش ماسوائے کسی اہلِ بیت کے فرد کے باقی نمک خوارانِ حکومت و ہوا خواہانِ دولت سقیفہ کے عامی سے عامی شخص پر بھی ہوتی رہی تھی۔ اور ہر شخص حسب حصص قائم شدہ حکومت سے پُرشکم ہو کر سقیفہ نوازی کے گیت الاپتا رہا۔

لیجئے! سنئے واقعہ حسب ذیل ہے:۔ عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس ابی بکر کے پاس آئے اور ہر دو نے کہا۔ اے خلیفۂ رسول اللہ تحقیق ہمارے پاس ایک شور زمین خالی پڑی ہے۔ جس میں کوئی گھاس وغیرہ کا نفع نہیں پہنچتا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو زمین ہمیں عطا کر دی جائے۔ ہم اس کو آباد کریں گے۔ اور اُمید ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں نفع دیگا۔ ابوبکر نے حسب خواہش ان دونوں کے وہ زمین ان کو دیدی اور ایک سند بھی دے دی۔ مگر اس میں امیر عمر کی شہادت لکھدی۔ باوجودیکہ امیر عمر وہاں موجود نہ تھے پس طلان امیر عمر کی طرف برائے تحریر شہادت گئے۔ حضرت عمر نے جب تحریر دیکھی تو ہاتھ سے سند مذکور کو لیکر تھوک دیا۔ اور حکم کو مٹا دیا۔ جس پر سائلان غضبناک ہوئے۔ اور امیر عمر کے حق میں بدگوئی شروع کر دی۔ امیر عمر کہنے لگے۔

رسول اللہ بحالت کمزوری اسلام تمہارے ساتھ الفت کرتے تھے۔ اب اسلام کو خدا نے عزت دی ہے۔ چلے جاؤ۔ اور جو تمہارا چارہ ہو کر لو۔ خدا تمہارا کوئی لحاظ نہیں کرے گا اگرچہ تم اپنے دل میں حمایت کا گمان رکھتے ہو۔ ہر دو یہ سن کر بڑے جوش و خروش سے حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ خدا کی قسم ہمیں معلوم نہیں ہوتا۔ کہ آپ خلیفہ ہیں یا عمر خلیفہ ہیں۔ ابوبکر صاحب نے کہا۔ سچ پوچھو تو وہی عمر ہے۔ اگر چاہتا تو خود خلیفہ بن سکتا تھا۔ اتنے میں امیر عمر بھی غضبناک ہو کر آ گیا۔ اور ابوبکر سے کہا۔ بتاؤ یہ زمین جو تم نے ان دونوں کو دیدی ہے۔ یہ محض تیری ہے یا جملہ مسلمانوں کی۔ ابوبکر صاحب بولے نہیں صاحب میری نہیں۔ سب مسلمانوں کی ہے۔ امیر عمر نے کہا پھر تمہیں کس چیز نے اتنا دلیر کر دیا۔ کہ تم نے بغیر اجازت دیگر مسلمانوں کے ان کو دے دی ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ میں نے ان تمام حاضرین سے مشورہ کر لیا تھا۔ اس پر عمر بولا۔ انہی سے مشورہ کیا ہے۔ یا کل مسلمانوں سے رضامندی حاصل کر لی ہے۔ ابوبکر صاحب نے کہا۔ کہ میں نے تجھے پہلے کہا تھا۔ کہ اس خلافت پر قدم جماؤ۔ کیونکہ تم مجھ سے خلافت پر قوی اور زبردست ہو۔ لیکن تو نے مجھے زبردستی بٹھا دیا۔" اس واقعہ کو ابن ابی شیبہ اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بیہقی اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخفا میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔

روایت بالا سے خلافت ثلاثہ کا چہرہ مکدر اور منغبر نظر آتا ہے۔ اور ان کی خفیہ سازشوں کا پتہ چلتا ہے۔

مصنف تحقیق فدک حدیث لانورث ما ترکنا ہ صدقۃ میں لفظ صدقہ کا معنی وقف مراد لیتے ہیں۔ یعنی جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں تھا۔ وہ خلیفہ کے قبضہ میں آیا۔ اور مطابق حدیث **ما ترکنا صدقۃ** تمام کا تمام صدقہ (وقف) تھا۔ اور وقف شدہ چیز کو بطور جاگیر تقسیم کرنا ان کے مسلمہ کے خلاف ہے۔ ہمیشہ وقف شدہ اراضیات کی پیداوار تقسیم ہوا کرتی ہے جیسا کہ جناب زہرا کے مطالبہ پر جواب دیا گیا تھا۔ مگر روایت بالا سے خود ابوبکر نے مصنف تحقیق فدک کے عقیدہ کی تردید کر دی۔ کیونکہ اگر صدقہ بمعنی وقف ہوتا تو ہرگز ان دو آدمیوں کو وہ زمین بطور جاگیر لکھ کر نہ دیتا۔ بلکہ پیداوار تقسیم کرتا۔

حضرت ابوبکر نے علی و فاطمہ کا لحاظ ایک صحابی کے برابر بھی نہ کیا

ذیل میں ہم ایک اور واقعہ جابر بن

عبداللہ انصاری کا نقل کرتے ہیں۔ جس سے واضح ہو جائے گا۔ کہ حضرت ابوبکر نے حضرت علیؓ و فاطمہؑ کی قدر ایک صحابی کے برابر بھی نہ سمجھی۔ اس واقعہ کو ہم فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ ۱۲ صفحہ ۹۱ اور تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی ص۔۔ سے نقل کرتے ہیں۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے۔ کہ مجھے رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ کہ جب بحرین کا مال آئیگا۔ تو تجھے اتنا اتنا دیا جائے گا۔ پس وفات رسول تک مال نہ آیا۔ اور بعد وفات مال آیا تو ابوبکر نے منادی کرا دی۔ کہ جس نے نبی سے قرضہ یا وعدہ کی چیز لینی ہو۔ وہ حاضر ہو جائے۔ جابر کہتا ہے کہ میں ابوبکر کے پاس گیا۔ اور اُس کو خبر دی۔ کہ نبیؐ نے اس طرح فرمایا تھا۔ کہ جب مال بحرین سے آئے گا۔ تو تجھے اتنا اتنا دوں گا۔ تین دفعہ کہتا ہے کہ مجھے ابوبکر نے اتنا ہی دے دیا۔ ایک مٹھی بھر کر دی۔ میں نے شمار کیا۔ تو پانچ سو تھا۔ اور ابوبکر صاحب نے کہا کہ اس سے دو چند اور لے لے"۔ ابوشیبہ مازنی کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ جیسا کہ کنز العمال میں موجود ہے"۔

حضرات ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ جابر کو مجرد دعویٰ کرنے کے منہ مانگی مراد مل گئی اور کوئی شہادت طلب نہ ہوئی۔ بلکہ دعویٰ جابر کی فوراً تصدیق کر لی۔ سبحان اللہ! اللہ کی شان اپنے محسن رسولؐ سے احسان فراموشی کا اتنا مظاہرہ کیا۔ کہ اس کی اکلوتی بیٹی کے دعویٰ ہبہ کو تسلیم نہ کیا گیا۔ اور گواہی طلب ہوئی۔ باوجود حضرت علیؑ و ام ایمنؓ و حسنین شریفینؑ (جو متفق علیہ قطعاً بہشتی ہیں) کی گواہیوں کے امر زہراؑ کی تصدیق نہ کی گئی۔

سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی اپنی کتاب الزہراؑ کے ص۱۰۳ میں کرمانی سے نقل کرتے ہیں۔ اور اس نے طحاوی سے روایت کیا۔ کہ ابوبکر نے نبی کے وعدہ کا ایفا اس لئے کیا کہ نبی کا وعدہ لازمی پورا ہونا تھا کیونکہ وفاء عہد صفات سے ہے۔ اور نبی خلق عظیم کا مالک تھا۔ ابوبکر کا دعویٰ جابرؓ کو مان لینا اس لئے تھا۔ کہ رسولؐ نے فرمایا تھا۔ کہ جس نے میرے اوپر جھوٹ باندھا اس نے اپنی جگہ دوزخ میں بنالی۔ اور یہ وعید ہے۔ اس واسطے جابر جیسے شخص پر گمان نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ ایسا فعل کرے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے۔ کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خبر واحد عادل کی جو صحابہ سے ہو۔ قبول کر لینی چاہئے۔ اگرچہ وہ اپنے نفع ذاتی کے لئے بیان کرتا ہو۔ کیونکہ ابوبکر نے جابر سے کوئی گواہ طلب نہ کیا تھا۔ علامہ عینی شارح بخاری لکھتا ہے۔ کہ ابوبکر نے اس واسطے گواہ طلب نہ کیا تھا۔ کہ جابر کتاب و سنت سے عادل تھا۔ کتاب سے اس طرح کہ اللہ فرماتا ہے۔ کہ تم اچھا گروہ ہو۔ اور ہم نے تم کو عادل گروہ بنایا ہے۔ پس جابر جیسا جب

ایسے گروہ میں نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے۔ چہ جائیکہ صحابی پر گمان کیا جا سکے۔

علاوہ عینی و حافظ ابن حجر وہ شخص ہیں۔ جن کے متعلق علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ بخاری کا امت رسول پر حق تھا جو عینی و ابن حجر نے اس کی شرحیں لکھ کر ادا کر دیا ہے۔

کیا اہل بیت جابر جیسے عادل بھی نہ تھے؟

میرے معزز ناظرین! کیا جناب فاطمہؑ جابر جتنا عادل بھی نہ تھیں۔ جب خبر واحد عادل صحابی کی قابلِ قبول ہے۔ تو فاطمہؑ جیسی صحابیہ کی خبر کو کیوں قبول نہ کیا۔ علیؑ جیسے عادل صحابی اور مطہر باطنہ اور ام ایمن جیسی صحابیہ کی خبر کو کیوں قبول نہ کیا۔ حالانکہ جابر محض عادل ہے۔ فریقین کے نزدیک معصوم نہیں۔ مگر جناب زہرا مصنف تحقیق فدک اور شیعہ کے نزدیک بنص قرآن معصومہ بھی ہے۔ پس ہبہ کی تصدیق کتب اہل سنت سے کافی کی جا چکی ہے۔ اتنے شواہد پیش کرنے کے بعد کسی اور فضول بحث کی ضرورت نہ تھی۔ مگر شاہ صاحب مصنف تحقیق فدک کی تحقیق متعلق ہبہ فدک کے بعض کمزور استدلالات کے جواب بھی بالایجاز دینے ہم پر ناگزیر ہیں۔ کیونکہ ہم نے اپنے اوپر التزام کر لیا ہے۔ کہ تحقیق فدک کے ہر استدلال کو حسبِ توفیق ایزدی باطل کرنے کی حتی الوسع کوشش کی جائے۔

مصنف تحقیق فدک کے ہبہ فدک پر اعتراضات کے جوابات

اعتراض اوّل۔ آیت مذکورۃ الصدر یعنی وات ذاالقربیٰ حقہ سورۂ بنی اسرائیل کی ہے۔ اور سورۃ بنی اسرائیل باتفاق شیعہ وسنی مفسرین مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور اس بات پر بھی تمام علماء کا اتفاق ہے۔ کہ فدک ہجرت کے بعد ساتویں سال آنحضور کے قبضہ میں آیا۔ تو اب یہ کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ کہ جب خدا تعالے نے اپنے نبی پر فدک فتح کیا تو وات ذاالقربیٰ نازل ہوئی۔ پس واضح ہوا۔ کہ شانِ نزول کی یہ روایت موضوع ہے۔ من گھڑت ہے۔ یار لوگوں نے گھڑ کر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ذمہ لگا دی ہے۔ تحقیق فدک ص ۱۳۸

جواب اوّل۔ بفرض تسلیم اگرچہ سورۃ بنی اسرائیل مکی ہے۔ مگر آیت مذکورہ ات ذاالقربیٰ حقہ ضرور مدنی ہے۔ اور قرآن کریم کی یہ ترتیب اہل سنت کے ہاں تسلیم شدہ ہے دیکھئے ملاحظہ ہو تفسیر اتقان النوع الاوّل معرفۃ المکی والمدنی ص۸ جلد اوّل مصنفہ علامہ سیوطی و آیات المدنیات فی السور المکیہ

والآیات المکیات فی السور المدینہ۔ کئی آیات ایسی ہیں جو مدنی ہیں۔ مگر موجودہ ترتیب قرآن میں وہ مکی سورتوں میں داخل ہیں اور کئی آیات ایسی ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں مگر درج مدنی سورتوں میں ہیں۔ مولوی عبد الشکور لکھنوی نے مودۃ القربیٰ کی تفسیر کرتے ہوئے سورۂ شوریٰ کے متعلق بحوالہ تفسیر فتح البیان ابن عباس کا قول لکھا ہے "انھا مکیۃ الا اربع آیات منھا نزلت بالمدینہ یعنی سورہ شوریٰ مکیہ ہے۔ مگر اس میں چار آیات مدنی ہیں۔ ملاحظہ ہو رسالہ شمس الاسلام بھیرہ فروری ۱۹۵۶ء ص ۳۷ اہل سنت کے مندرجہ بالا اقرار سے ہم تحریر کرنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ سورہ بنی اسرائیل اگرچہ مکی ہے۔ مگر اس میں آیہ مذکورہ مدنی ہے۔

جواب دوئم۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آیت مذکورہ بھی مکی ہے۔ پھر بھی مولینا چکیروی کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ برادران اہل سنت اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ بعض احکام کا نزول مکہ میں ہوا لیکن ان کی تعمیل مدینہ میں کی گئی وہ آیت جمعہ کی ہے۔ کیونکہ حکم فرضیت جمعہ مکہ میں نازل ہوا۔ اور عملدرآمد مدینہ میں ہوا۔ نیز شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں۔ کہ جن کا خطاب تمام مسلمانوں کو ہے۔ مگر اس خطاب میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں۔ جن کو حکم پہلے دیا جا چکا ہے۔ لیکن ایک مقررہ وقت تک ان پر تعمیل واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ حج۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ کا حکم تمام مسلمانوں کو ہے۔ مگر تعمیل اسی شخص پر واجب ہے۔ جو صاحب نصاب ہوگا۔ جو شخص مفلس ہے اس پر زکوٰۃ اور حج واجب نہیں۔ حج اور زکوٰۃ کا وجوب ایسے لوگوں پر اسی صورت میں ہوگا۔ جبکہ یہ مالدار ہوں گے۔ مگر خطاب خداوندی میں شامل ہیں۔ لہٰذا اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکم خداوندی وآت ذاالقربیٰ حقہ اگرچہ مکہ میں آیا۔ مگر اس کی تعمیل مدینہ میں ہونی لازمی تھی۔ کیونکہ فدک ابھی قبضہ رسولؐ میں نہیں آیا تھا۔ جس وقت فدک پر قبضہ ہو گیا۔ اس وقت جناب رسول خدا نے اسی آیہ کے حکم کے بموجب اپنی دخترؑ کو عنایت فرمایا۔ جس کا ثبوت کتب اہل سنت و شیعہ میں بالاتفاق موجود ہے جیسا کہ توثیق ہبہ کے بیان میں ہم لکھ چکے ہیں۔

"مصنف کی ایک پیش قدمی کا جواب"

"اگر کوئی شیعہ کہدے۔ کہ سورہ بنی اسرائیل اگرچہ مکی ہے۔ مگر اس کے اندر یہ آیت خاص طور پر مدنی ہے۔ تو ہم اس کی خدمت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک حدیث پیش کر دیں گے۔ جس سے

واضح ہوگا کہ خاص یہ آیت ہجرت سے پہلے مکہ شریف میں نازل ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو اصول کافی مطبوعہ طہران کتاب الکفر والایمان صفحہ ۱۶۰ ترجمہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے حضور نبی کریم پر مکہ شریف کے اندر سورہ بنی اسرائیل میں وقضی ربک سے لے کر تبذیرا تک نازل فرمایا۔ ملاحظہ ہو تحقیق فدک صفحہ ۱۲۵

جواب۔ حضرت مولینا چوکیروی نے آنکھ بند کر کے سفید جھوٹ تحریر فرما دیا ہے۔ حالانکہ عمداً جھوٹ بولنے کا گناہ شریعت رسولؐ میں ستر دفعہ زنا کرنے کے برابر ہے۔ خدا جانے یہ لوگ دیدہ دانستہ کیوں کذب بیانی سے کام لیتے ہیں۔ روایت مذکورہ میں یا مذہب شیعہ کی کسی اور معتبر کتاب میں بالکل یہ نہیں پایا جاتا۔ کہ کسی معصوم امام نے فرمایا ہو۔ کہ آیہ مبارکہ ذات ذالقربیٰ حقہ مکی ہے۔ اگر شاہ صاحب یہ دکھلا دیں۔ تو ہم آپ کی علمیت مان لیں گے۔ برخلاف اس کے آیہ مذکورہ کے شان نزول اور تفسیر میں فریقین متفق ہیں۔ کہ اس آیت کے نزول پر جناب رسولؐ نے فدک بحق زہراؑ ہبہ فرمایا تھا۔ اصول کافی مطبوعہ نول کشور لکھنو صفحہ ۳۷۶ پر ایک طویل حدیث میں سورہ بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ جس میں بیان ہے۔ کہ ابتدائے اظہار نبوت میں آسان احکام نازل ہوئے۔ اوّل صرف توحید کا اقرار۔ پھر رفتہ رفتہ تدریجاً سخت احکام کی تبلیغ ہوئی۔ حضرت امام علیہ السلام کا اس سورہ کا مکہ میں نازل ہونا بیان فرمانا باعتبار غالب اور اکثریت آیات کے ہے۔ یعنی سورہ بنی اسرائیل میں چونکہ اکثریت آیات مکیات کی ہے۔ اس پر فرما دیا کہ یہ سورہ مکی ہے۔ ورنہ مکیہ سورتوں میں آیات مدنیہ اور مدنی سورتوں میں آیات مکیہ مخلوط ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں۔

جواب دوئم۔ مرأۃ العقول شرح اصول کافی طبع ایران صفحہ ۳۴۲ پر لکھا ہے۔ ان الآیات التالیۃ نزلت بالمدینۃ کما روی فی تفسیر علی ابن ابراھیم یعنی اس سورہ میں کچھ آیات مدنی ہیں۔ جیسا کہ تفسیر قمی میں بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور مرأۃ العقول جلد اول صفحہ ۴۴۲ باب الفئ والانفال میں ہبہ فدک کے بارہ میں لکھا ہے۔ ان السورۃ المکیۃ قد تکون فیھا آیات المدنیۃ وبالعکس فان الآ مسمین منبان الغالب ویؤیدہ ان الطبرسی علیہ الرحمہ قال فی مجمع البیان سورۃ بنی اسرائیل ھی مکیۃ الا خمس آیات وعد منھا آت ذالقربیٰ حقہ ورواہ عن الحسن وزاد ابن عباس ثلاثاً یعنی سورتوں کا مکی مدنی ہونا باعتبار غالب اور اکثریت آیات کے ہے ورنہ

مکیہ میں آیات مدنیہ اور مدنیہ میں آیات مکیہ مخلوط ہیں۔ اسی سورۂ بنی اسرائیل میں بھی حسن کی روایت کے مطابق پانچ آیات مدنی ہیں۔ اور جن میں یہ خاص آیت وآت ذاالقربی حقہ بھی مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق سوائے ان پانچ آیات کے تین اور آیات بھی مدنی ہیں۔ کل آٹھ آیات مدنیہ ہیں۔ چونکہ بعض احادیث بعض کی مفسر اور مبیّن ہوتی ہیں۔ اس واسطے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی روایت مندرجہ کافی از باب الفئ والانفال جس میں آیت مذکورہ کے نزول پر ہبۂ فدک کا ذکر ہے۔ کی تفسیر مندرجہ بالا روایت مراۃ العقول میں ابن عباس اور حسن نے کر دی۔ کہ آیت مذکورہ واقعی مدنی ہے۔ نیز امام محمد باقر علیہ السلام کی حدیث مندرجہ کافی از کتاب الکفر والایمان جس میں سورہ بنی اسرائیل کا مکی ہونا تحریر ہے۔ کے اجمال کی تفسیر اور تفصیل روایت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے کر دی۔ عمل رسول مقبول نے مصنف تحقیق فدک کے تمام احتمالات کی جڑ کاٹ دی۔ اور واضح فرمایا۔ کہ آیتہ مبارکہ وآت ذاالقربیٰ حقہ مدنی ہے۔

جواب سوئم۔ روایت متنازعہ فیہ جس میں سورہ بنی اسرائیل کا مکی ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ مراۃ العقول شرح اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۳۸ میں عن بعض اصحابہ کے عنوان سے تحریر ہے۔ اور پھر ساتھ ہی تحریر ہے "الحدیث الاول مجہول" یعنی یہ حدیث مجہول ہے۔

حسب فتویٰ محدثین امامیہ یہ حدیث مجہول ہے۔ اور راوی کا ذرہ بھر شبہ نہیں اور نہ ہی ظن غالب ہے۔ کہ فلاں ہے۔ اور کس حال کا ہے۔ تو ایسی مجہول الحال حدیث پر اعتبار کر کے کتب کثیرہ کے اسانید متعددہ سے ثابت شدہ ہبہ فدک کو کیسے رد کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کی تائید میں علما مفسرین ومحدثین کا بیان بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ دراصل شاہ صاحب کو اصول مناظرہ ومجادلہ کا علم ہی نہیں ہے۔ ہمیشہ خصم کے مقابلہ میں مسلمات خصم پیش کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم بخاری ومسلم سے روایات اہل سنت کی خدمت میں پیش کیا کرتے ہیں۔ اب حضرت چوکیروی صاحب کو کیا حق ہے۔ کہ برخلاف مسلمات خود بخاری ومسلم کی حدیث کو قابل اعتبار نہ سمجھیں اور ہمارے خلاف مجہول راوی کی حدیث بطور حجت پیش کریں اور ہزارہا احادیث مشہورہ متفقہ کو رد کر دیں۔ بیشک کتاب کافی کی زیادہ تر احادیث شیعہ کے ضروریات دین واعمال شرعیہ کے لئے کافی ہیں۔ مگر اس کا یہ معنی نہیں۔ کہ ہر روایت بغیر تنقید برخلاف روایات کثیر اور مشہور کے جس کی تائید اور روایات صحیحہ سے بھی نہ ہوتی ہو۔ واجب العمل ہو۔

اعتراض سوئم | تیسرے اعتراض کے تحت کافی شریف کی ایک حدیث لکھکر ائمہ کے علم ماکان و مایکون پر اعتراض کر کے اپنی وہابیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ کہ جب آئمہ کو گذشتہ و آئندہ کا علم تھا تو حضرت نبی کریم کو بھی ہوگا۔ لہذا روایت ہبہ مندرجہ کافی شریف میں آنحضرتؐ کا جبرائیل سے پوچھنا کہ میرا قریبی کون ہے۔ ایک تو رسول و ائمہ کے علم ماکان و مایکون کی نفی ہوگئی اور دوسرا روایت ہبہ کا موضوع ہونا ثابت ہوا۔ تحقیق فدک ص۱۴۱

جواب۔ جناب والا! علم ماکان و مایکون پر اعتراض تو کردیا۔ مگر اپنے گھر کی خبر نہ لی۔ دیکھئے آپ کے بھائی بریلوی سید احمد رضا خان اپنی کتاب خالص الاعتقاد میں ص۳۴ پر لکھتے ہیں کہ "حضورؐ نے فرمایا مجھے ماکان و مایکون کا علم ملا" اور ص۳۸ پر امام محمد بوصیری کا ایک شعر لکھتے ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ یا رسول اللہ دنیا و آخرت دونوں حضور کی بخشش سے ایک حصہ ہیں اور لوح و قلم کا علم (جس میں ماکان و مایکون ہے) حضور کے علوم سے ایک ٹکڑا ہے۔ اور ص۹ پر مواہب اللدنیہ سے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اگلوں پچھلوں کا علم حضور پر القا فرمایا" لیجئے حضور! اب تو اپنے گھر سے شہادت مل گئی اب تو ائمہ و رسولؐ کے علوم پر اعتراض نہیں کروگے۔

باقی رہا حضرت رسولؐ کا جبرائیل سے پوچھنا کہ میرا کون قریبی ہے تو جبرائیل نے کہا فاطمہؑ۔ بیشک منشا رخداوندی کو آنحضرت اچھی طرح جانتے تھے۔ مگر یہ اس لئے کیا کہ جناب دیکھ رہے تھے کہ میرے بعض اصحاب کو منصب رسالت سے الگ جاننے والے چند افراد موجود ہیں۔ ان کے سامنے اقربیت جناب فاطمہؑ کو وحی کی زبان سے کہلوا کر اہمیت اقربیت جناب فاطمہؑ کو آشکار اکردیا جائے تاکہ بعد میں جھگڑا باقی نہ رہے کہ کون زیادہ قریبی تھا۔ جیسا کہ اب اہل سنّت ازواج اور سسرال رسول کو اقرب رسول خیال کرتے ہیں۔ اگر بوجہ استفسار رسولؐ کے کہ میرا قریبی کون ہے۔ ہبہ فدک کی نفی ہوتی ہے تو کیا آپ پر لازم ہے کہ شیعہ کی کتاب کی حدیث قبول کریں۔ اپنے گھر میں جو یہ روایت موجود ہے کہ جب آیہ وات ذاالقربیٰ نازل ہوئی تو بغیر استفسار کرنے کے حضرت رسولؐ نے حضرت فاطمہ کو بلا کر فدک ہبہ کر دیا۔ دیکھئے کنز العمال جلد ۲ ص۱۵۸ جیسا کہ ہبہ فدک کے بیان میں سابقاً ہم لکھ آئے ہیں۔ قبول کیوں نہیں کرتے کیا گھر کی روٹی کھاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

جناب عالی! استفسار رسولؐ اور مراجعت جبرائیل سے علم رسولؐ کی نفی اور ہبہ فدک کا ابطال نہیں ہوتا اگر ایسا ہی ہے۔ تو خداوند عالم نے باوجود عالم الغیب ہوتے کے موسےٰ و ہارون کو فرعون کے پاس کیوں بھیجا۔ جبکہ علم تھا کہ وہ ایمان لانے والا نہیں۔ چونکہ جائداد حضور کی کافی تھی

لہٰذا جبرائیل کے واپس ہونے سے خداوند عالم نے خاص موضع فدک کی نشاندہی کردی کہ موضع فدک اپنی بیٹی کو دیدو۔ نیز بروایت متعلقہ ہبہ فدک اور استفسار رسول معارج النبوۃ میں لکھا ہے۔

اعتراض چہارم

آیۃ ذات ذاالقربیٰ حقہ سے ذاالقربیٰ سے مراد حضرت فاطمہ ہیں۔ اور حقہ سے مراد موضع فدک ہے اور چونکہ عطف کے ذریعہ ذاالقربیٰ کے ساتھ مسکین اور اور ابن السبیل بھی شامل ہیں اس واسطے آیۃ ات ذاالقربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل کے ساتھ مسکین و مسافر بھی جناب فاطمہؑ کے ساتھ شامل ہوں گے "۔ ان کا حصہ بھی ہوگا۔

جواب۔ اعتراض مذکورہ بالا میں تو حضرت شاہ صاحب نے اپنی علمیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور حقیقتاً یہی ایک استدلال امام پاکستان کی امامت موہومہ کے ابطال کیلئے کافی ہے۔

آیۃ مذکورہ میں حکم ہے۔ کہ اے پیغمبر ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کا اپنا اپنا حق دیئے حقہ سے مراد اگر فدک لیا جاوے۔ تو معنی یہ ہوگا کہ فدک جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کو دے اور مساکین وغیرہ کا جو ان کا حق ہے ان کو بھی دے۔ آیۃ مذکورہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فدک میں مساکین وغیرہ کا حق بھی شامل ہے۔ ان کا اپنا حصہ اور جناب خاتون معظمہؑ کا اپنا الگ حصہ۔

آت کل واحد من المذکورین حقہ یعنی جن کا آیات مذکور میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان کو اپنا اپنا حصہ دیئے آت ذاالقربیٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ قربیٰ سے واحد فرد کے لئے حکم ہوا ہے۔ اگر فدک کے بغیر کوئی اور جائداد نہ ہوتی تو فدک کو تقسیم کیا جاتا۔ مگر علاوہ فدک کے آنحضرت کے پاس اور بھی تھا۔ لہٰذا مسکین اور مسافر کا ذکر کرکے واضح کیا گیا کہ انہیں بھی اپنا حصہ الگ دیدو۔

اہل سنّت کے علماء نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے۔ یعنی اے پیغمبر قرابتداروں کا حق ادا کردو۔ اور مسکین اور مسافر کا حق بھی دیدو۔ جیسا کہ زکوٰۃ وغیرہ (تفسیر حسینی مترجم شاہ ولی اللہ ص ۴۵۵۔ اگر مصنف تحقیق فدک کی تفسیر اور توجیہ کو مان لیا جائے اور حقہ سے فدک مراد لیکر اس میں مسکین اور مسافر کو بھی شامل کیا جائے تو بالکل عبث ہوگا۔ کیونکہ حسب بیان تفسیر حسینی مسکین و مسافر کا حق زکوٰۃ وغیرہ ہے۔ جو قرابتداران پیغمبر پر حرام ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حقہ سے مراد ہر صنف کا علیحدہ علیحدہ حق ہے۔ حضرت شاہ صاحب خواہ مخواہ غلط ملط تاویلات کرکے جدہ سادات کے حق کو محجوب رکھنا چاہتے ہیں۔

پانچواں اعتراض

آیہ مذکورہ "ات ذاالقربیٰ" میں اگر خطاب آنحضرت کو ہو تو دوسرے جملہ میں "ولا تبذر تبذیرا" کا خطاب بھی حضرت کو ہی ہوگا جو ناممکن ہے۔ کیونکہ فضول خرچی کا امکان آنحضرت سے بعید ہے۔ لہٰذا اس آیہ کا خطاب اُمت کو ہوگا۔ ورنہ حدیث ہبہ باطل ہو گی۔

جواب - قرآن حکیم کی سورۂ تحریم میں "یاایھاالنبی لم تحرم مااحل اللہ لک" یعنی اے نبی کیوں اس چیز کو اپنے اُوپر حرام کرتا ہے۔ جس چیز کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے۔ کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام کردیں۔ کیا کوئی عقل کا پورا آنحضرت سے یہ توقع کرسکتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان آپ کا ایسا عقیدہ رکھے تو منافی عصمت ہوگا۔ سورۂ فتح کی آیہ کریمہ "لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر" یعنی اے نبی اللہ نے تمہارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ ایسا بتائیں کیا کسی عقلمند کے نزدیک آنحضرت سے صدور ذنب کا امکان ہوسکتا ہے؟ "ولئن اشرکت لیحبطن عملک" اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اس آیت میں بھی خطاب آنحضرت کو ہی ہے۔

ان تینوں آیتوں سے باتفاق مفسرین اہل سنت خطاب آنحضرت کو ہی ہے۔ مگر ان چیزوں کا عقیدہ آنحضور سے متعلق رکھنا خلاف مسلمانی ہے۔ نیز یہ آیت پارہ ۲۱ سورہ روم میں بھی ہے وہاں "ولا تبذر تبذیرا" کا فقرہ موجود نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان آیات میں اور آیہ متعلقہ ہبہ میں خطاب آنحضور کو ہی ہے۔ مگر انکی تاویل کرنا ہمارا اور تمہارا کام نہیں۔ یہ کام صرف "الراسخون فی العلم" کا ہے جو قرآن کے ظواہر وبطون سے واقف ہیں۔ قرآن کے مطالب مطابق حدیث ثقلین سوائے اہل بیت کے کوئی شخص کماحقہٗ نہیں سمجھ سکتا۔ ان آیات کا مطلب وہی ہوگا جو تفاسیر اہل بیت میں ملیگا۔ جو کیروی مجتہد کی تاویل ہمارے واسطے حجت نہیں ہے۔

چھٹا اعتراض

"آیہ مذکورہ وات ذالقربیٰ کے ماقبل میں بھی واحد مذکر مخاطب ہی کے صیغے ہیں جیسے اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما الخ یہاں آنحضرت مخاطب نہیں کیونکہ آنحضرت کے والدین تو نزول قرآن سے قبل فوت ہو چکے تھے تو لامحالہ امتی لوگ مراد ہوں گے۔

جواب - ہم پہلے اعتراض کے جواب میں تحریر کر آئے ہیں کہ یہ امر اہل سنت کے مسلمات میں سے ہے۔ کہ

قرآن حکیم میں بعض آیات مدنی کی سورتوں میں ہیں اور بعض کی مدنی سورتوں میں۔ قرآن کی موجودہ ترتیب مطابق تنزیل نہیں ہے۔ جامعین قرآن کی کمیٹی چونکہ تنزیل قرآن کے پورے مقامات سے واقف نہیں تھی۔ لہٰذا بعض آیات کو اپنے اصلی مقام پر نہ ترتیب دے سکی۔ ہوسکتا ہے کہ آیہ مذکورہ ات ذا القربیٰ حقہ کو اپنے اصلی تنزیلی مقام پر نہ رکھا گیا ہو۔ ذیل میں کتاب الاتقان فی علوم القرآن صفحہ ۶۲ جلد ۱ سیوطی سے نقل کرتے ہیں کہ موجودہ قرآن مطابق تنزیل نہیں اور جو مطابق تنزیل تھا وہ حضرت علیؑ کا جمع کردہ قرآن تھا۔ بدقسمتی سے اہل حکومت نے کسی خاص مصلحت کی بناء پر اس کا شیوع پسند نہ کیا" فمنہم من رتبہا علی النزول وھو مصحف علی کان اولہ اقرأ ثم المدثر ثم ن ثم المزمل ثم تبت ثم التکویر وھکذا الی آخر المکی والمدنی" یعنی ان مصاحف میں سے جو مطابق تنزیل ترتیب دیئے گئے تھے ان میں سے مصحف علی بھی تھا۔ اور اس قرآن میں پہلے سورۃ اقراء کے بعد مدثر پھر نون پھر مزمل ثم تبت پھر تکویر وغیرہ۔ تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۳۶ پر محمد ابن سیرین کا قول نقل ہے کہ اگر علی کا جمع کیا ہوا قرآن مل جاتا تو علم کا ذخیرہ ہاتھ آتا۔ شہادت بالا سے پتہ چل گیا کہ موجودہ قرآن مطابق تنزیل مرتب نہیں ہے اور مطابق تنزیل حضرت علی کا جمع کردہ قرآن تھا۔ لہٰذا شاہ صاحب کا غلط ملط تاویلات کرنا سودمند نہیں جب ثابت ہوگیا کہ بعض آیات قرآنیہ کو اپنے تنزیلی مقام پر نہیں رکھا گیا تو ہوسکتا ہے کہ آیہ ات ذا القربیٰ اس مقام کی نہ ہو کسی اور مقام پر ہو۔ لہٰذا یہ استدلال بھی باطل ہوا۔ نیز اعتراض پنجم کے جواب میں ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ آیت پارہ ۱۵ سورہ روم میں بھی ہے۔ جس کے سیاق و سباق والدین وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا ہمارے اس جواب نے شاہ صاحب کے احتمالات کی بیخ کنی کردی

ساتویں اعتراض کا جواب

صفحہ ۱۴۶ پر ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السّلام کی نقل کی جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ آیہ متعلقہ ہبہ ات ذا القربیٰ حقہ جب نازل ہوئی تو پیغمبر نے جناب فاطمہ کو بلا کر فدک ہبہ کردیا حالانکہ حسنین مدینہ میں متولد ہوئے اور آیہ مذکورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ لہٰذا روایت ہبہ باطل ہے یہ اعتراض ہو بہو پہلے اعتراض کا آئینہ ہے۔ لہٰذا اعتراض اوّل کے جواب کو دوبارہ ملاحظہ کرکے تسلی فرمالیں۔ دوبارہ لکھنے کی ہم ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

شیعہ علماء پر مصنف کی بہتان تراشی

تحریر کرتے ہیں کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسی غلطی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ہوئی وہ ان چیزوں سے پاک تھے۔

اس قسم کی روایات شیعہ علماء نے وضع کرکے منسوب ائمہ کی طرف کر دیں" تحقیق فدک صفحہ ۱۴۷ ۔

جناب والا! مان لیا کہ شیعہ علماء نے روایات کو وضع کرکے منسوب ائمہ کی طرف کر دیا ہے اور اپنا ایک مذہب بنا لیا۔ جب شیعہ کے دینی لٹریچر از قسم تفسیر، فقہ، تاریخ، حدیث موضوع ہے۔ تو از راہِ کرم اپنے مذہبی لٹریچر سے مرویات اہل بیت نکال کر پیش کریں ہم ان کو بھی قبول کر لیں گے۔ کیا جناب والا شان سے پوچھ سکتا ہوں۔ کہ آپ کے آئمہ اربعہ نے تدوین فقہ کے وقت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کیا کچھ امداد لی۔ آپکے محدثین صحاح ستہ نے کہاں تک ائمہ اہل بیت کو احادیث کا ماخذ قرار دیا حالانکہ بموجب ارشاد پیغمبر (حدیث ثقلین) دینی علوم کو ائمہ اہل بیت سے ہی اخذ کرنا ناگزیر تھا۔ ہم اپنی کتاب کے مقدمہ میں اور ابن شہاب زہری کے بیان میں واضح لکھ آئے ہیں کہ اہل سنت کے مذہب کا دارو مدار مرویات صحابہ پر ہے نہ کہ ائمہ اہل بیت کی روایات پر۔ ہمارا چیلنج ہے۔ اگر مصنف تحقیق فدک کی جرأت ہو تو ہمارے سامنے اپنے مذہب کے تمام مرویات اہل بیت سے اہل سنت کی کتابوں میں پیش کرے بشرطیکہ ان مرویات پر اہل سنت کے مذہب کی ضروریات کی اساس قائم ہو اور اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر خواہ مخواہ جن بیچارے شیعہ محدثین نے ماخذ علوم دین ائمہ اہل بیت قرار دیا ہے۔ ان پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔ سوچئے اور بار بار سوچئے! ابھی تو جسم میں جان باقی ہے۔ مگر

؎ جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

روایت شق وثیقہ کو بھی مصنّف نے موضوع لکھدیا

صفحہ ۱۴۸ پر اہل سنت کی مروّیہ روایت (یعنی عمر نے وثیقہ جناب زہرا کو پھاڑ دیا تھا) کو موضوع لکھتے ہیں۔ اور اپنے دعویٰ کی تائید میں لکھتے ہیں۔ کہ "یہ روایت بھی شیعہ کی گھڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ علّامہ ابن ابی الحدید شیعی نے اپنی کتاب حدیدی شرح نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ پر اس روایت کے موضوع شیعہ ہونے کا اقرار کیا ہے"۔

ہم نے کتاب کے سابقہ صفحات میں اس روایت کو ہبہ فدک کے بیان میں سیرت حلبیہ میں سے سبط ابن الجوزی کے کلام سے ثابت کیا ہے۔ حضرات ناظرین کو چاہیئے کہ دوبارہ ورق گردانی کرکے ملاحظہ فرمالیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سبط ابن الجوزی کوئی معمولی شخص نہیں ہے

سید مظہر

ناظرین کی تسلی کیلئے سبط ابن الجوزی کی تھوڑی سی توثیق کی جاتی ہے۔

توثیق سبط ابن الجوزی

سبط ابن الجوزی ابوالفرج ابن الجوزی کا نواسہ اور تربیت یافتہ ہے۔ اور ابن جوزی دشمنی اہل بیت میں خوارج کا ہم پایہ ہے

نیز سبط ابن الجوزی کو ہندوستان کے مایہ ناز سنی مناظر اوّل شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ ص۲۹۷ نولکشور پر ثقہ تسلیم کیا ہے۔ فوائد بہیہ فی تراجم الحنفیہ مولفہ عبدالحی حنفی لکھنوی مطبوعہ یوسفی ص۸۲ پر اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے کہ یوسف بن فرغلی سبط حافظ ابن الجوزی ہے۔ صاحب مراۃ الزمان حنبلی تھا پھر حنفی ہوگیا۔ عالم فقیہ واعظ اور صاحب تصانیف کثیرہ ہے۔ علامہ عینی نے شرح بخاری جلد ۷ ص۳۱۸ و ص۶۵۷ میں ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۷۶ ص۱۲۹/۱۳۰ میں و شبلنجی نے نور الابصار ص۱۱۸ میں اور اسعاف الراغبین ص۱۵۱ تا ص۱۶۲ میں سبط ابن الجوزی سے سند لی ہے۔ خدا کی شان ایسے جیّد عالم اور حنفی پر بھی شاہ صاحب نے ہاتھ صاف کر دیا ہے۔ حالانکہ سوائے حنفی مذہب کے تمام مذاہب کو باطل خیال کرتے ہیں۔ مصنف ابن ابی الحدید کو لفظ معتزلی کی بجائے لفظ شیعی سے لکھتا ہے۔ حالانکہ تمام کتب اہل سنت و شیعہ میں اسکو معتزلی لکھا جاتا ہے۔ جو اہل سنت کا ہی ایک فرقہ ہے۔ کتاب ہذا کے سابقہ صفحات میں ہم ابن ابی الحدید مذکور کو اہل سنت کی ہی کتابوں سے سُنّی ثابت کر آئے ہیں۔ شاید ناظرین کو یاد ہوگا۔ معتزلی مذکور اہل سنت کا نہایت ثقہ اہل علم ہے۔ شیعہ محض اس لئے گمان کرلیا گیا ہے۔ کہ چند حقائق بیچارہ اپنے قلم سے لکھ بیٹھا ہے۔

اگر واقعی ابن ابی الحدید معتزلی نے روایت شق و نبیقہ زہرا کو موضوعات شیعہ میں سے شمار کیا ہے۔ تو خود بخود معتزلی مذکور کا سنی ہونا ثابت ہوگیا۔ کیونکہ آج تک کسی شیعہ عالم نے اس روایت کو موضوع نہیں لکھا۔ یہ محض شاہ صاحب کی طفل تسلی ہے۔

بھلا ابن الحدید معتزلی جیسا شخص کب شیعہ علی ہوسکتا ہے۔ جو اس اپنی کتاب میں روایت احراق باب فاطمہ کو موضوع کہہ رہا ہے۔ محض اس خیال پر کہ عمر متقی شخص تھا اس کا ایسی حرکت کرنا بعید از قیاس ہے۔

اس کے بعد فاضل مصنف تحقیق فدک ص۱۴۹، ص۱۵۰ پر تقیہ کے متعلق بے جا اعتراضات

کئے ہیں۔ جن کے متعلق پہلے ہم چند ایک مقامات پر لکھ آئے ہیں کہ تقیہ پر اعتراض کرنا قرآن و حدیث اور تاریخ اسلامی سے بے خبری کا نتیجہ ہے یا بصورت دیگر تجاہل عارفانہ ہوگا۔

بقول مصنف روایت ہبہ مندرجہ کتب اہل سنت کے راوی بھی شیعہ ہیں

ہبہ فدک کی جو روایت کتب اہل سنت "درمنثور اور کنز العمال" میں پائی جاتی ہیں۔ اس پر حضرت مصنف تحقیق فدک نے جرح و تنقید کی ہے۔ اور اسی وجہ سے قابل حجت نہیں سمجھا کہ اس روایت کے راوی بھی شیعہ ہیں اور اس اپنے دعویٰ کی تائید میں اہل سنت کی کتب رجال سے ابو سعید خدری کو شیعہ لکھ مارا۔

جواب۔ سب سے پہلے ہم قبلہ وکعبہ جناب والا شان حضرت شاہ صاحب سے استفسار اً عرض کرتے ہیں۔ کہ ابھی ابھی صفحہ ۱۵۰ مذکور پر تحریر کیا ہے کہ شیعہ تقیہ میں رہ کر زندگی گزارتے تھے اور روایات بنا کر بھولے بھالے سنیوں کو لکھوا دیتے تھے۔ جب وہ تقیہ میں اپنا مذہب پوشیدہ رکھتے تھے۔ تو آپ کو انکی شیعیت پتہ کیسے لگ گئی۔ اور اگر وہ اعلانیہ رہا کرتے تھے تو تقیہ نہ رہا پھر آپ کا یہ جاد داغ کھپانا سب کچھ باطل ٹھہرا۔ فرمائیے اب آپ کا کیا ارشاد ہے؟

ان روایت کی جرح پر آپ نے کتب اہلسنت سے استدلال کیا ہے۔ کیا ان محدثین اور علم رجال کے استادوں کو ہبہ فدک کے راویوں کے شیعہ ہونے کا پتہ چل گیا اور بخاری کے راوی ابن شہاب زہری کی شیعیت پوشیدہ رہی۔ شاہ صاحب کو چاہیئے کہ ایسے خیالات پراگندہ سے توبہ کریں۔ اور حق تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ جہاں اپنے عقیدہ کی تائید کتب شیعہ سے ہوتی دیکھی وہاں کتب شیعہ سے استدلال کیا گیا۔ اور جہاں کوئی صورت نظر نہ آئی وہاں اپنی ہی کتابوں سے استدلال کرنے لگ گئے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمیشہ اصول جدل و مناظرہ کو پیش نظر رکھ کر مسلمات خصم سے الزام دینا طرز استدلال کی روح ہوتا ہے۔

بفرض تسلیم اگر ہبہ فدک کے راوی شیعہ بھی ہوں، تب بھی اعتراض فضول ہے۔ کیونکہ مطلق تشیع قادح صحت روایات نہیں۔ اسی میزان الاعتدال میں ابان ابن تغلب کو شیعہ لکھ کر ثقہ اور عادل بھی لکھا ہے جیسا کہ ابن شہاب زہری کے تذکرہ میں ہم نہایت شرح و بسط کے ساتھ امور بالا پر روشنی ڈال چکے ہیں ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ ضرور بھیر ملاحظہ فرمائیں۔ ورنہ بیان بالا سے اطمینان نہیں ہوگا۔ نیز اس جگہ پر ہم

حسب بیان شاہ عبدالعزیز دہلوی یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اس زمانہ میں جنکو شیعہ کہتے تھے وہ دراصل سُنی المذہب تھے۔

مصنف کا طبقات حدیث سے سہارا

ہبہ فدک کی روایت مندرجہ کتب اہلسنت کا دوسرا جواب تحریر کرتے ہیں۔ کہ یہ روایت کتب حدیث کے تیسرے و چوتھے طبقہ میں پائی جاتی ہے۔ اگر پہلے و دوسرے طبقہ کی کتابوں میں ہوتی تو ضرور ہم پر حجت ہوتی" تحقیق فدک ص۱۵۳۔

زباں سے گر کیا توحید کا دعوے تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

جواب۔ جناب والا کا محض یہ دعوٰی ہی دعوٰی ہے ورنہ اگر حقیقتِ قلب سے یہ آواز نکلا ہوتا تو ضرور راہ راست پر تشریف لا چکے ہوتے۔ کیونکہ حدیث غضبت فاطمہ بنت رسول اللہ حتی ماتت مندرجہ بخاری و مسلم اہل سنت کی کتابوں کے پہلے طبقہ میں موجود تھی۔ جب ایسی حدیث (جو صحت کے اعتبار سے فلک صحت پر مانند آفتاب چمک کر مسلمانوں کو اپنی حرکت پر شرم دلا رہی ہے) پر شاہصاحب کا اعتماد نہیں اور اس کے راوی زہری کو شیعہ کہکر مقدوح سمجھا تو اب ہم صاحب موصوف کی زبان پر کیسے اعتبار کریں کہ وہ پہلے طبقہ کی کتابوں کو مانتے ہیں اور چوتھے طبقہ کی کتب کو لغو اور فضول خیال کرتے ہیں۔ اگر مصنف صاحب باوجود حنفیت کے دعوٰی کے اپنے مذہب حنفی کے تمام مسائل کتب حدیث کے پہلے اور دوسرے طبقہ سے ثابت کر دیں تو بیشک ہم مان لیں گے۔ کہ آپکا یہ عقیدہ حقیقت پر مبنی ہے برخلاف اس کے اگر اپنے مسائل حنفیت کتب حدیث کے تیسرے اور چوتھے طبقہ سے ثابت کئے جائیں تو پھر ہماری پیش کردہ روایات کو کیوں قبول نہیں کیا جاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض عداوت اہل بیت کے واسطہ عقیدہ تراشا ہے۔

جواب دوئم۔ روایت ہبہ فدک میں جب ابو سعید خدری صاف لکھا ہوا موجود ہے اور مقبول صحابی ہے صحابی پر جرح کرنا اور اپنے قیاس کی بنا پر اسکو ابو سعید کلبی کیسے کہا جا سکتا ہے۔ نیز ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ کنز العمال میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ جمع الجوامع درمنثور میں سیوطی نے اس روایت کو لکھ کر سکوت اختیار کیا ہے اور اصول حدیث اہل سنت میں یہ امر طے ہو چکا ہے کہ سیوطی کا کسی روایت پر سکوت کرنا اس روایت کے معتبر ہونیکی دلیل ہے کنز العمال کی توثیق میں ہم اس امر کو ثابت کر چکے ہیں اگر اہل سنت پہلے دوسرے طبقہ کے سوا احادیث نہ لیتے ہوں تو شیعہ بھی پیش نہ کریں گے مگر اصول حدیث میں اہل سنت نے لکھ دیا ہے کہ صحاح ستہ کے سوا باقی کتب احادیث میں بھی محدثین نے صحت کا التزام کیا ہے پھر بلا وجہ تیسرے اور چوتھے طبقہ کا اعتراض بے بنیاد ہے۔ علاوہ حوالہ جات

کنز العمال کے اسی کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ کتاب الاخلاق میں بھی یہ روایت ہبہ باسناد حاکم و ابن النجار مرقوم ہے نیز فلک النجاۃ میں اس روایت کو بیس سے زائد کتب اہل السنن سے ثابت کیا گیا ہے۔ اگر اتنی کثیر جماعت علمائے اہل سنت کی جھوٹ پر اتفاق کر سکتی ہے اور بلا جرح اپنی کتب میں درج کر دیتی ہے تو شبہ قائم ہو سکتا ہے کہ سارے کے سارے علمائے اہل سنت جھوٹ پر متفق ہو کر جھوٹے مذہب کی اشاعت میں کوشاں رہتے ہونگے پھر انکی کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں کسی سُنی محدث نے روایت ہبہ کو موضوع نہیں کہا اور نہ ہی اس پر جرح کی بلکہ صحیح تسلیم کر کے تاویلات سے کام لیا ہے کہیں شہادت کے نصاب نہ پورا ہونیکا عذر کیا ہے اور کہیں آیت کے مکی مدنی ہونیکا اشکال ظاہر کیا ہے۔ انہیں اشکال میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی صرف روایت کو موضوع لکھ کر جان چھڑا لیتے۔ نیز حدیث اگر ضعیف بھی ہو تو متعدد اسانید کے سبب سے حسن یا صحیح کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ابو سعید خدری کے سوا ابن عباس بھی روایت ہبہ کا راوی ہے جیسا کہ توثیق ہبہ فدک میں تحریر ہو چکا ہے اگر ابو سعید خدری کو کلبی سمجھا جائے تو کتب اہل سنت میں جتنی احادیث ابو سعید خدری سے مروی ہیں سب مردود ہو سکتی ہیں جو سراسر عقل کے خلاف ہے۔

مصنف کی خام خیالی

تحریر فرماتے ہیں "ناظرین کرام! فدک کی آمدنی میں وہ سب سے پہلے جنکی خدمت کی جاتی وہ حضرات اہل بیت علیہم السلام ہوتے اب شیعہ علماء سے کوئی پوچھے کہ تمہاری اصطلاح میں یہ محرومی ہے؟ کیا کوئی شخص اس صورت میں محرومی کا تصور بھی کر سکتا ہے۔ چونکہ اس صورت میں کسی قسم کی محرومی نہ تھی اسواسطے حضرت فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا نے رضامندی کا اعلان کر دیا" ملاحظہ ہو تحقیق فدک صفحہ ۱۵۶۔

جواب - جناب عالی۔ زبان سے رضامندی زہرا کا دعویٰ کر دینا آسان ہے مگر دلائل سے اسکی تائید کرنا کالے دارد ہے۔ ہم پہلے بیان غضب فاطمہ میں بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت کر آئے ہیں کہ بی بی پاک ابوبکر و عمر پر ناراض فوت ہوئیں اور جنازہ علی علیہ السلام نے پڑھا ان کو اطلاع تک نہ دی۔

اب حضرت شاہ صاحب فرمائیں۔ کہ بخاری و مسلم تو لکھتے ہیں کہ جناب زہرا مرتے دم تک ناراض رہیں۔ اور آپ لکھتے ہیں کہ راضی ہو گئیں وہ کونسا دن اور کونسی ساعت تھی جس میں ابوبکر نے فدک واپس دیکر حضرت زہرا صلوات اللہ علیہا سے معافی مانگ کر رضامند کر لیا تھا۔ برخلاف اسکے ہم کتب اہل سنت سے حقائق پیش کرتے ہیں کہ جناب زہرا نے حضرت امیر علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ یہ لوگ میرے جنازہ پر نہ آئیں اور مجھے رات کو

دفن کرنا تاکہ انہیں اطلاع تک بھی نہ ہو۔

"شیخین نے جنازہ رسول نہیں پڑھا"

معلوم ہونا چاہیئے کہ جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کا جنازہ تو در کنار رہا یہ تو حکومت وقت کے مخالف مدعیہ فدک و خلافت تھیں ان کا جنازہ پڑھنا یا نہ پڑھنا کار کنان سقیفہ کے نزدیک اتنا اہمیت نہیں رکھتا تھا مگر جب ہم اہل سنت کی کتابوں سے خود جناب رسول کی ذات ستودہ صفات کے جنازہ پر ابوبکر و عمر اور تمام مجلس عمل کی عدم حاضری دیکھتے ہیں تو تعجب سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور کسی شاعر کا شعر یاد آ جاتا ہے۔

چوں صحابہ حُب دنیا داشتند
مصطفےٰ را بے کفن بگذاشتند

لیجیے چند شواہد متعلقہ عدم حاضری شیخین پر جنازہ رسول ملاحظہ فرمائیں۔ کنز العمال جلد ۳ صنہ ۱۴ عروہ سے مروی ہے کہ ابوبکر عمر دفن نبیؐ کے وقت حاضر نہ تھے وہ دونو انصار میں تھے اور نبی ان کی واپسی سے پہلے دفن ہو چکے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کتاب الفاروق ص۱۵ تحت واقعات سقیفہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرما دیں اور جن لوگوں کو ان سے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ اسکو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ چلی جائے تعجب پر تعجب ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (ابوبکر و عمر) سے ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے تھے۔

اس فعل کی ناگواری اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی اور خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اسوجہ سے ان کو آنحضرت کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کیطرف متوجہ ہونیکی فرصت نہ ملی ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر و ابوبکر آنحضرت کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنی ہاشم اور حضرت علی سے بھی بزور منوانا چاہا گو بنی ہاشم نے آسانی سے انکی خلافت قبول نہیں کی۔"

حضرات عصرِ حاضر کے نامور مورخ شبلی نعمانی کی تحریر و تحقیق سے پتہ چل گیا کہ جناب شیخین نے رحمۃ اللعالمین کا جنازہ محض طلب حکومت کے سلسلہ میں چھوڑ دیا۔ آپ انصاف فرمائیں کیا ایسے مسلمانوں سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اسی رسول کی بیٹی کے جنازہ پر حاضر ہوں اور کچھ نہ کچھ تلافی مافات کا تدارک کریں۔ لیجئے ذیل ہم اہل سنت حضرات کی چند روایات و تحقیقات پیش کرتے ہیں جن سے پتہ چل جائیگا کہ واقعی جناب زہرا کے جنازہ پر ابوبکر و عمر حاضر نہیں ہوئے اور نہ ہی بوجہ غضب اہل بیت نے ان کو اطلاع و اجازت دی۔

عدم حاضری شیخین بہ جنازہ بتول

انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون المعروف سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۳۹۸ طبع مصر پہ واقدی کی تحقیق لکھی ہے کہ قال الواقدی وثبت عندنا ان علیاً کرم اللہ وجہہ دفنہا لیلاً وصلی علیہا ومعہ العباس والفضل رضی اللہ عنہم ولم یعلموا بہا احد أ (ترجمہ) واقدی نے کہا کہ ہمارے نزدیک ثابت شدہ بات ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کو رات کے وقت دفن کیا اور نماز جنازہ معہ عباس و فضل رضی اللہ عنہما کے پڑھی اور کسی شخص کو اس چیز کا علم نہ ہوا۔

صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۹۱ معہ شرح نووی حدیث فدک کے متن میں درج ہے کہ فغضبت فاطمۃ بنت رسول علی ابوبکر حتی توفیت ولم یوذن بہا ابابکر ہا دفنہا زوجہا علی لیلاً وصلی علیہا (یعنی جناب دختر رسول ناراض فوت ہوئیں ابوبکر پر اور نہ اطلاع دی جنازہ کی ابوبکر کو حضرت امیر علیہ السلام نے راتوں رات جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ یہی مضمون حدیث بالا کا بخاری اور ازالۃ الخلفا جلد ۲ صفحہ ۲۹/۳۰ پر بھی موجود ہے۔

ذیل میں ہم اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بحث اور لالئے متعلقہ عدم حاضری شیخین بر جنازہ فاطمہ جلد ۳ صفحہ ۴۲۳/۴۲۴ سے نقل کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد اس بحث کو بند کر دیں گے۔

بتحقیق آمدہ است در اخبار کہ ابوبکر حاضر نشد بر جنازۂ فاطمہ و نہ رسید بداں پس میگویند کہ فاطمہ وصیت کردہ بود کہ نماز نگذارد ابوبکر بر جنازہ وے۔ یعنی اہل سنت کی اس امر میں تحقیق ہے اور روایات میں اسطرح ظاہر ہے۔ کہ ابوبکر جنازہ جناب زہراؑ پر حاضر نہ ہوا اور وہاں نہ پہنچا۔ پس کہتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ نے وصیت کی تھی۔ کہ ابوبکر میرے جنازے پر نہ آئے۔ بعض اہل سنت کا خیال ہے۔ کہ ابوبکر کو جناب زہرا کی فوتیدگی کا علم نہ ہوا۔ اور نہ ہی حضرت امیر علیہ السلام نے اطلاع دی۔ اس لئے جناب خلیفہ صاحب کا کیا قصور ہوا۔ اسی شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ کے صفحہ ۴۲۴ اور مدارج النبوۃ اور جذب القلوب میں تسلیم کیا ہے کہ

یہ غلط ہے کہ ابوبکر کو وفات فاطمہ کا علم نہ ہوا کیونکہ اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر متکفل غسل و کفن زہرا تھیں ممکن نہیں کہ زوجہ اس کام میں مشغول ہو اور شوہر کو پتہ نہ چلے۔ وفاء الوفاء مولفہ سمہودی سید نور الدین مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۹۲ میں بھی ثابت ہے کہ ابوبکر کو وفات کا علم تھا۔ شیخ عبد الحق دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۴۲۴ پر یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عائشہ دروازہ علی علیہ السلام پر آئیں تو اسماء بنت عمیس نے روک دیا کہ بموجب زہرا کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے اپنے باپ ابوبکر سے جا کر اس امر کی شکایت کی۔ سید نور الدین سمہودی نے وفاء الوفا میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کی شکایت پر خود ابوبکر بھی دروازہ پر آیا۔ لیکن پھر بھی اجازت نہ ملی۔

ڈپٹی نذیر احمد مترجم قرآن دہلوی دیباچہ صادقہ ص $\frac{۱۸۳}{۱۵۳}$ طبع چہارم میں جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کے غم و آلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مر جاتا۔ مگر ان کے صبر و ضبط ان ہی کے ساتھ تھے پھر بھی انہی رنجوں میں گھل گھل کر چھ مہینہ کے اندر فوت ہو گئیں اور جتنے دن زندہ رہیں ان لوگوں سے جنہوں نے رنج دیئے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازہ پر آنیکی اجازت نہ دی اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔

شاہ عبد العزیز دہلوی تحفہ اثنا عشریہ مطبع نولکشور ص ۲۸۱ پر لکھتے ہیں کہ حضرت جناب زہرا نے اسماء بنت عمیس زوجہ ابوبکر کو وصیت کی کہ بعد مرگ تو مجھے غسل دینا۔ اور علی تمہارے ساتھ ہو گا۔ کسی اور کو اندر نہ آنے دینا۔ اسی وجہ سے حضرت امیر نے جنازہ زہرا پر کسی کو طلب نہ کیا۔ ایک قول کے مطابق حضرت عباس و دیگر اہلبیت نے نماز جنازہ پڑھی اور رات کے وقت دفن کیا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے۔ کہ روز دیگر جب ابوبکر و عمر دیگر اصحاب کے ساتھ خانہ علی میں بغرض تعزیت آئے تو علی سے شکایت کی کہ کیوں مجھے خبر نہ دی۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ کی وصیت اسی طرح تھی۔

میرے معزز ناظرین پر اچھی طرح واضح ہو گیا ہو گا۔ کہ حضرت فاطمہ کس طرح شیخین پر راضی ہو گئی تھیں۔ رضامندی کا حضرت مصنف تحقیق فدک اپنی کتاب میں نقارہ بجا رہے ہیں۔ ہم کتب اہل سنت سے نہایت معتبر روایات کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ جناب خاتون معظمہ تادم مرگ ناراض رہیں اور ان لوگوں کو اپنے جنازہ پر بھی حاضر نہ ہونے کی وصیت کی۔ اب فیصلہ ناظرین پر چھوڑا جاتا ہے۔ جب حضرات شیخین مدینہ میں موجود تھے تو ان کو حضرت امیر علیہ السلام نے کیوں خبر نہ کی۔ اگر باہمی رنجش اور کدورت نہ تھی تو کیوں صحابہ رسول کو اتنے بڑے عظیم الشان جنازہ کے ثواب سے محروم رکھا۔ حقیقت کا پہلو اور نمایاں ہو جاتا ہے جب کہ خود جناب زہرا وصیت کرتی ہیں۔

کہ یہ لوگ میرے جنازہ پر نہ آئیں۔ اگر بزعم مصنف تحقیق فدک صلح وصفائی و رضامندی ہوگئی تھی تو ضرور بالضرور حضرات شیخین شریک جنازہ ہوتے۔ جنازہ کے معاملات کو ختم کرنے کے بعد ذیل میں ہم سنی عالم مناظر اہل سنت کا فیصلہ درج کرتے ہیں۔ جس میں دعویٰ ہبہ فدک کو تسلیم کیا گیا ہے اور بعد تسلیم کرنے کے توجیہات و تاویلات سے کام لیا گیا ہے کہ کس وجہ سے ابوبکر نے دعویٰ ہبہ زہراؑ کو تسلیم نہ کیا۔

عبدالعزیز دہلوی کا ہبہ فدک کو تسلیم کرنا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کتاب تحفہ اثنا عشریہ مطبع نولکشور صفحہ ۲۸۰/۲۸۱ پر تحریر کرتا ہے:۔ "رفع ایں شبہ آنست کہ ابوبکر را دریں مقدمہ بلائے عظیم پیش آمدہ بود اگر استرضاء خاطر مبارک حضرت زہراؑ مقدم می داشت بدو وجہ رخنۂ عظیم در دین راہ می یافت۔ اوّل آنکہ مردم بیقین گمان مے بردند کہ خلیفہ در امور مسلمان بتفاوت حکم می کند در عایت می نماید و بے ثبوت دعویٰ مدعائی ایشاں حوالہ میکند و از دیگراں کہ عوام الناس اند اثبات دعویٰ و شہود گواہ خاطر خواہ خود میخواہد و ایں گمان بد موجب فساد عظیم بود در دین تا قیام قیامت۔ دیگر قضاۃ و حکام ایں دستور العمل او را پیشوائے کار خود می ساختند و جابجا مداہنت و مساہلت و رعایت و جانبداری ہائے بایں دستاویز بوقوع می آمد۔

دوئم آنکہ در صورت کہ حضرت زہرا را ایں زمین بطریق تملیک مے داد و ملک وارث در حقیقت ملک مورث است زیرا کہ خلافت دنیابت اوست۔ پس اعادۂ (ایں) زمین کہ صدقہ رسول بود بحکم دہ ترکناہ صدقہ در خاندان رسول لازم می آمد حالانکہ از جناب پیغمبر شنیدہ بود کہ العائد فی صدقتہ کالکلب الیعود فی قیئہ) ایں حرکت عظیم از ابوبکر ہرگز ممکن نہ بود کہ صدد رہا یدو ہمراہ دو وجہ ایں دینی وجہے دیگر ہم بود دنیوی کہ در یں صورت حضرت عباس و از دواج مطہرات نیز دہاں طلب واکردہ برائے خود ہمیں قسم زمین ہا و دیہات می خواستند و کار ابوبکر تنگ مے کردند و اگر ایں مصالح را رعایت می کرد و آنرا مقدم میساخت حضرت زہراؑ آزردہ میشد ناچار بحکم حدیث نبوی (المومن اذا ابتلی ببلیتین اختار اہونہما)

ترجمہ:۔ اس شبہ کا دور کرنا اس طرح ہے۔ کہ ابوبکر کو اس مقدمہ میں بڑی سخت مصیبت پیش آئی تھی۔ اگر رضامندی جناب زہراؑ کو مقدم رکھتا تو دو وجہ سے دین میں خلل پڑ جاتا۔ اوّل یہ کہ لوگ گمان کرتے کہ خلیفہ مسلمانوں کے امور میں تفاوت سے حکم کرتا ہے اور بے ثبوت دعویٰ رعایت کرکے

ان کے حوالہ کرتا ہے۔ اور عام لوگوں سے شہادت طلب کرتا ہے اپنی مرضی کے مطابق۔ اور مسلمانوں کا یہ گمان بدفساد عظیم کا سبب تھا اور تا قیام قیامت دوسرے حاکم اور قاضی ابوبکر کے اس فیصلہ کو اپنا طریق کار بنا لیتے اور بجا بیجا رعایت اور جانبداری عمل میں آتی۔

دوسرا فتنہ یہ تھا کہ اگر اس صورت میں جناب زہرا کا دعویٰ ہبہ تسلیم کر کے تملیکاً کچھ دیدیا جاتا تو ملک دوراثت چونکہ حقیقتاً مورث ہوتی ہے اور خلافت دنیا بت بھی اسی کی تھی۔ پس ابوبکر کا اس زمین کو واپس کرنا جناب فاطمہؑ کیلئے (جو صدقہ تھی بحکم ما ترکنا صدقہ۔ یعنی جو چیز انبیاء چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔) خاندان رسولؐ میں صدقہ کا ہونا لازم آتا۔ حالانکہ ابوبکر نے پیغمبر سے سنا ہوا تھا۔ کہ اپنے صدقہ کو واپس لینے والا مثل کتے کے ہے جو اپنی قے کو چاٹ لیتا ہے ایسی حرکت کا ابوبکر سے ہونا ہرگز ممکن نہیں تھا ان دو دینی وجہوں کے علاوہ ایک تیسری وجہ دنیاوی بھی تھی (جس سے ابوبکر نے فدک نہ دیا)

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عباس اور ازواج رسول بھی (جناب فاطمہؑ) کو دیکھکر اپنے لئے زمین رسول سے مطالبہ کرتیں پھر یہ کام ابوبکر پر تنگ ہو جاتا اور اگر ان مصالح کی رعایت کرتا اور ان کو مقدم کرتا تو حضرت زہرا پھر ناراض ہو جاتیں۔ اس سبب سے مجبوری ابوبکر کو اس حدیث (جب مومن دو بلاؤں میں گرفتار ہو جائے تو آسان امر کو اختیار کرے) پر عمل کرنا پڑا (یعنی جناب فاطمہ کو نہ فدک دینے والا معاملہ آسان سمجھا)

شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تقریر بالا سے حسب ذیل چند نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ جن پر ناظرین کو دعوت فکر دینا چاہتا ہوں۔

(۱) اہل سنت کے اتنے بڑے مناظر عالم نے دعویٰ تملیک جناب زہرا کو تسلیم تو کر لیا ہے۔ لہٰذا مصنف تحقیق فدک کی تمام تر کارروائی دربارہ ہبہ فدک غلط اور باطل ٹھہری۔

(۲) لیکن فدک اگر جناب زہرا کو دیدیا جاتا تو مسلمان اعتراض کرتے کہ بغیر ثبوت کے دیدیا۔ اور مسلمانوں کے امور میں خلاف شریعت تفاوت کی۔

محدث دہلوی کا استدلال بالا غلط ہے۔ کیونکہ ہم کتاب کے سابقہ صفحات میں اہل سنت کی کتب سے نقل کر آئے ہیں کہ حضرت علیؑ وام ایمن نے شہادت پیش کی تھی۔ اور اپنا پورا ثبوت پیش کر دیا تھا۔ جس کی بنا پر ایک دفعہ ابوبکر نے دے بھی دیا۔ مگر عمر نے آکر عطائیگی فدک کا وثیقہ پھاڑ دیا

(۳) عام مسلمان لوگوں سے شہادتیں طلب ہوتی تھیں اگر فدک جناب فاطمہ کو دیدیتا تو آئندہ قاضی اور حکام اس فیصلہ کو اپنا دستور بنالیتے)

یہ استدلال بھی باطل ہے کیونکہ جابر بن عبداللہ انصاری کو بمجرد اسکے دعوی کے جو کچھ اسکو دینا تھا دیدیا شہادت طلب نہ کی اور حضرت فاطمہ صلوٰت اللہ علیہا سے گواہ مانگے گئے۔

(۴) چونکہ ابوبکر خلیفہ نبی تھا اور نبی نے اپنا متروکہ صدقہ قرار دیا تھا اگر اسی صدقہ کو ابوبکر واپس کر دیتا تو مثل تمے کھانے کے ہوتا) یہ استدلال بھی غلط ہے۔ کیونکہ ابوبکر نے اس تمے کو کھایا ہے جیسا کہ مصنف تحقیق فدک نے اپنی کتاب میں انہی صدقات رسول میں سے اہل بیت کو دینا لکھا ہے۔ نیز حضرت عثمان نے فدک بحق مروان ہبہ کر کے ابوبکر کے اس قول کی تردید کر دی ہے۔ عثمان کا فدک مروان کو دینا عنقریب ہم ثابت کریں گے۔

(۵) اگر فدک جناب خاتون معظمہ کو دیدیا جاتا تو حضرت عباس اور ازواج بھی اپنا حصہ طلب کرتے اتنا کام ابوبکر سے ہو نہیں سکتا تھا (صاحب تحفہ کا یہ کہنا بھی غلط ہے۔ کیونکہ تمام وارثان نبوت نے اپنا اپنا حصہ طلب کیا۔ جناب زہرا وحضرت عباس نے اصالتاً طلب کیا۔ مگر ازواج نے عثمان کو وکیل کر کے وکالتاً طلب کیا۔ جیسا کہ بخاری ومسلم سے نقل کر کے ہم ثابت کر آئے ہیں۔ ازواج وغیرہ کو تو بجائے زمین کے ماہوار نقدی دیکر رضامند کر لیا ہوگا مگر خلیفہ وقت سے جناب زہرا واہل بیت علیہم سلام کی رضامندی کا تدارک نہ ہو سکا بصورت دیگر اگر تمام وارث اپنا حق طلب کرتے تو کیا حضرت ابوبکر نے اپنی جائداد سے دینا تھا جو اسکو تکلیف کا سامنا ہوتا۔ ہر کسی کا اپنا اپنا حق تھا۔ اگر دیدیتا تو اہل سنت کا مرشد دعائیں لیتا اور قیامت تک موجب طعن وتشنیع نہ بنتا اور نہ ہی ہمکو کتابیں لکھنی پڑتیں۔

اب ہم اپنے معزز ناظرین کو تقریر مندرجہ تحفہ سے پیدا شدہ نتائج پر دعوت غور وفکر دینے کے بعد ہبہ فدک کے بیان کو ختم کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے زیادہ طوالت کا اندیشہ ہے ورنہ اور بھی دلائل پیش کئے جاتے۔ چونکہ موجودہ زمانہ اختصار پسند ہے لمبی چوڑی باتوں پر دھیان نہیں دیا جاتا۔ باوجود ان باتوں کے ہم نے اس بیان کو لمبا کر ہی دیا ہے ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں۔ کیونکہ بغیر امورات بالا کے تحریر کرنے کے چارہ نہیں تھا۔ اگر ان امور پر مفصل بحث نہ کیجاتی تو ہمارے خیال میں یہ بیان تشنہ تکمیل رہ جاتا اور آپ حضرات کا اطمینان بھی نہ ہوتا ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

معیشت زہرا صلوٰت اللہ علیہا۔ صفحہ ۱۵۸ سے لیکر صفحہ ۱۶۸ تک مصنف نے شیعہ کتب سے چند روایات

لکھکر معشیت جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کو دو حصّوں میں منقسم کیا ہے۔ ایک نبوی دَور اور دوسرا صدیقی دَور۔ نبوی دَور میں استدلال کیا ہے کہ جناب زہرا اپنے بابا کے سامنے نہایت تنگی ترشی اور فقر وفاقہ سے زندگی بسر کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ اپنے بابا سے ایک کنیز کا مطالبہ کیا مگر رسول خدا نے بجائے کنیز دینے کے تسبیح تعلیم فرمائی۔

جواب ۔ جناب والا! اہل بیت پاک کا اس قسم کی زندگی بسر کرنا تعلیم امت کیلئے تھا۔ ورنہ وہ جو کچھ چاہتے حاصل کر سکتے تھے ہمیشہ سے اہلِ بیت کا یہی مسلک رہا ہے کہ اپنی زندگی کو فقر وفاقوں میں بسر کیا۔ مگر کسی مسلمان کو بھوکا نہ رہنے دیا۔ فدک جو جناب زہراؑ کے قبضہ میں تھا اس سے یہ مطلب تو نہیں کہ یہ حضرات خود فاقے کیوں کرتے تھے۔ فدک کی آمدنی سے مال و دولت کیوں نہ جمع کر لی۔ مال و دولت جمع کرنا تو ان حضرات کا مقصد ہی نہیں تھا۔ بلکہ جو کچھ آتا فوراً راہِ خدا میں تقسیم کر دیتے کیونکہ انہیں اصول تقسیم و مستحقین سے اچھی طرح واقفیت تھی۔ آپ کے پیر و مرشد ان اصولوں سے کما حقہٗ واقف نہیں تھے وہ تو صرف اپنا پیٹ پالنا جانتے تھے۔

باقی رہا کنیز کا معاملہ تو وہ آپکی بے خبری کا نتیجہ ہے کیا آپ ارشاد فرما سکتے ہیں کہ جناب فضہ جیسی پاکیزہ کنیز جناب زہراؑ کو کس نے عطا کی تھی۔ اگر پیغمبر نے عطا کی تو آپکا استدلال غلط اگر کسی اور طریقہ سے آئی تو برائے مہربانی نشاندہی کر دیں۔ ثواب ملے گا۔

اس وقت کنیز نہ دینا اور تسبیح تعلیم کرنا محض اسلئے تھا کہ اس تسبیح کی اہمیت اُمت پر واضح ہو جائے اور اسکا ثواب ظاہر ہو جاوے۔ چنانچہ اسی اہمیت کے پیش نظر شیعہ سُنی حضرات اس تسبیح کو بعد از نماز پڑھا کرتے ہیں۔ تسبیح مذکورہ کا ثواب اور اہمیت بھی واضح ہو گئی اور کنیز بھی جناب فاطمہ کو عطا ہو گئی۔ باقی رہا آپکا مدعا پُورا ہونا وہ نہ ہوا ہے اور نہ ہی قیامت تک ہو گا۔ یونہی جناب زہرا سے دشمنی کرتے پھرو گے۔

دورِ صدیقی

اس کے بعد ص $\frac{۱۶۶}{۱۶۸}$ پہ صدیقی دور کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ اس دور میں ابوبکر نے فدک کی آمدنی دے کر اہل بیت کو غنی کر دیا اور اتنا غنی کر دیا تھا کہ جب عمر نے حضرت علی کو حصّہ خمس دینا چاہا تو حضرت علی نے صاف انکار کر دیا کہ ہم نہیں لیتے۔

جواب ۔ واہ بھائی واہ کمال کر دیا۔ سُنّت رسول پہ چلنے والے افراد اہل بیت صدیقی دور میں کیوں خلاف سنّت رسول غنی ہو گئے اور امیرانہ زندگی پسند کی۔ کیا اسوۂ رسولؐ انہیں بھول گیا تھا۔ کیا رسولِ خدا غنی تھے؟ اگر ایسا ہے تو اہل بیت بھی دورِ نبوی میں ضرور غنی ہوں گے۔ کیونکہ رسالت مآب یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ میں خود غنی بنا رہوں اور میری اہلبیت فقر و فاقہ میں رہے۔ اور اگر خود رسولِ پاک غنی نہیں تھے بلکہ حسب روایات اہل سنت تین تین دن تک معہ صحابہ پیٹ

پر پتھر باندھتے تھے تو اہل بیت نے کیوں معشیت رسول کو پس پشت ڈال کر دولتمندی کو اختیار کیا اور اگر صدیقی دور میں اہل بیت غنی نہیں تھے تو آپکی تمام بحث فضول ٹھہری۔

صدیقی دور میں اہل بیت کے غنی ہونے اور نہ ہونے پر ہمارے ہیں چند ایک دلائل ہیں۔ چند کو اوپر بیان کر دیا ہے اور ایک حسب ذیل درج کرتے ہیں۔

جناب زہرا نے ابوبکر کے سامنے کئی قسم کے اموال کا دعوٰی کیا۔ اراضی فدک۔ ۔ خمس خیبر جیسا کہ بخاری و مسلم کے متن سے ظاہر ہے اور حسب بیان علماء اہل سنت ان تمام چیزوں سے بی بی پاک کو محروم کیا گیا۔ نہ ہی فدک ملا۔ اور نہ ہی کوئی اور چیز اور خمس کے نہ دینے کے متعلق آئندہ ہم نہایت تفصیل کے ساتھ ثابت کریں گے۔

صہ ۱۲ پر مصنف تحقیق فدک نے بھی تحریر کیا ہے کہ حضرت علی نے خمس وصول کرنے سے انکار کیا بوجہ غنی ہونے کے :۔ اب شاہ صاحب ہی بتائیں کہ جس آدمی کو اسکی باپ کی وراثت سے محروم کر دیا گیا ہو آمدنی کا اور بھی کوئی خاص ذریعہ نہ ہو کیا اسکو غنی کہا جا سکتا ہے۔ تو ہم بھی جناب کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ آپکا وظیفہ مبلغ دو صد روپیہ جو مدرسہ دار الہدیٰ کیطرف سے ملتا ہے روک لیا جائے اور آٹے کی مشین بھی ضبط کر لی جائے تاکہ اس کے بعد آپ غنی کہلوئیں پھر مان لیا جائیگا کہ واقعی لفظ غنی کا مفہوم آپ نے سمجھ لیا ہے۔ مگر کیا کہا جائے۔ اس قسم کی اصطلاحیں اور تاویلات صرف حقوق اہل بیت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے آپ نے وضع کی ہوئی ہیں۔ خداوند عالم آپکے دل میں عترت رسول کی توقیر کا مادہ پیدا کرے۔ اس سے زیادہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

مسئلہ خمس

استدلال مصنف:۔ صاحب فلک النجاۃ (شیعہ عالم) نے ابوبکر کے قول (میں اس طرح عمل کرونگا جس طرح رسول اللہ کرتے تھے۔) کو اس کے اپنے عمل سے مردود ٹھہرانے کیلئے اپنے دعوٰی کی تائید میں سنن ابوداؤد سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ کہ ابوبکر مال خمس قرابتداران رسول کو نہیں دیتا تھا۔ اس استدلال کو غلط قرار دینے کی خاطر چھ جوابات دیئے ہیں۔ مسئلہ خمس سے پہلے اپنی کتاب میں ہر مسئلہ کی تائید میں حوالہ جات کتب شیعہ پیش کرتے رہے ہیں۔ مگر مسئلہ خمس میں استدلالاً شیعہ کتب سے کچھ پیش نہیں کر سکے۔ انہی ہی کتابوں سے تردید کرتے رہے ہیں۔ جو ہمارے لئے حجت نہیں ہیں۔ حدیث پیش کردہ از ابوداؤد کا غلط ملط ترجمہ اور کئی قسم کی تاویلات کرنے کے بعد بھی اللہ کے فضل سے حضرت شاہ صاحب عمل ابوبکر کو مطابق عمل رسول ثابت نہیں کر سکے (تحقیق فدک صہ ۱۷۰ تا ۱۸۰)

ابطال الاستدلال

ص۱۷۵ پر جواب چہارم کے تحت ابوداؤد کی حدیث کو پیش کر کے غلط ترجمہ کر دیا۔ لیجئے ہم اسی حدیث کو لکھتے ہیں۔ وکان ابوبکر یقسم الخمس نحو قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر انہ لم یکن یعطی قربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعطیھم۔ ترجمہ: ابوبکر خمس کی تقسیم کرتا تھا جس طرح رسول اللہ نے تقسیم کیا۔ مگر قرابتداران رسول کو نہیں دیتا تھا جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیتے تھے سب سے پہلے تو ہمارا دعوٰی یہ ہے کہ وہ بالکل قرابتدارانِ پیغمبر کو خمس دیتا ہی نہیں تھا۔ بفرض محال مطابق حدیث مذکورہ اگر کچھ نہ کچھ دیتا بھی رہا ہے تو جناب رسالتمآب کے طریقہ پر نہیں دیتا تھا۔

اس حدیث کا ترجمہ علامہ وحید الزمان اس حدیث کے تحت سنن ابوداؤد میں یوں کرتے ہیں اگر وہ (ابوبکر) رسولِ خدا کے عزیزوں کو نہ دیتے تھے۔ جیسا کہ رسول اللہ انکو دیتے تھے۔

جناب صاحب فلک النجاۃ کا بھی یہی استدلال تھا۔ اور ہمارا بھی یہی دعوٰی ہے کہ ابوبکر نے سنت رسول کے خلاف عمل کیا۔ حالانکہ بخاری ومسلم کی حدیث فدک میں خود ابوبکر نے مطالبہ زہرا پر یہ جواب دیا تھا کہ میں وہی عمل کروں گا جیسا کہ رسول اللہ کیا کرتے تھے۔

ابوبکر کا خمس کی تقسیم خلاف تقسیم رسول کرنا حدیث بالا کے متن سے ظاہر ہے۔ اب جو شخص سنّت رسول کا تارک ہو وہ خلیفہ رسول کہلوانے کا مستحق نہیں تھا۔ کیونکہ خلیفہ اپنے مستخلف کا مظہر صفات ہوتا ہے۔

ابوبکر کے زمانہ میں تو خمس کی یہ حالت تھی جو اوپر بیان کی گئی۔ مگر حضرت عمر کے زمانہ میں بالکل ہی بند کر دیا گیا۔ مصنف تحقیق فدک کے جوابات کا جواب دینے کے بعد ہم انشاء اللہ کتب اہل سنّت سے ثابت کریں گے۔ کہ اہل بیت کو خمس نہیں ملتا تھا۔

حضرت علیؑ نے خمس کیوں نہ لیا

ایک حدیث ابوداؤد جلد دوم کتاب الفئی والامارہ ص۴۱۷ سے نقل کر کے استدلال کیا گیا ہے کہ حضرت علی نے خود کہا تھا کہ میں خمس نہیں لیتا کیونکہ ہم اس مال سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ عمر نے کہا تھا کہ لے لو۔ (تحقیق فدک ص۱۷۲)

حضرات اہل بیت عظام کے غنی ہونے کے متعلق تو ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ جن بزرگواروں سے وراثت پدری بھی لے لی گئی ہو۔ حق شاہی خمس بھی منضبط ہو چکا ہو۔ وہ دولتمند کیسے ہو سکتے ہیں۔

حدیث بالا کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کا انکار کرنا اس وجہ سے نہیں تھا۔ کہ انہیں ضرورت نہیں رہی تھی تو خود فقراء و مساکین کو تقسیم فرما سکتے تھے۔ آپ خیال فرمادیں جب دینے والا دینے پر اصرار کرے اور لینے والے کا حق بھی اپنا ہو تو اسے اس چیز کے وصول کرنے میں کوئی شرعاً گنجائش ہو سکتی ہے؟ ہرگز ایسا نہیں۔ دراصل بات یہ ہے۔ کہ اہل بیت علیہم السلام کا جب پورا حق خمس نہ دیا گیا۔ تو حضرت علی نے فرمایا اگر دینا ہے تو مکمل دیجئے۔ ورنہ اس مال کی ہمیں حاجت نہیں۔ ہم جس طرح پہلے گزارہ کر رہے ہیں کرتے رہیں گے۔ حضرت امیر علیہ السلام کے اس جواب کی مکمل تفسیر حضرت ابن عباس کے الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ جبوقت کہ ابن عباس نے عمر سے خمس لینے کا انکار کیا۔ ابو داؤد مترجم ص۵۵ میں مروی ہے۔ کہ ابن عباس سے ذوالقربیٰ کا سوال ہوا کہ کون مراد ہیں۔ کہا کہ رسول کے عزیز مراد ہیں۔ رسول اللہ نے ان کو حصہ دیا تھا پھر حضرت عمر نے کچھ ہم پر پیش کیا۔ مگر ہم نے اپنے حق سے کم پایا۔ اس واسطے انکار کر دیا۔

مؤلف تحقیق فدک کہتا ہے۔ حدیث پیش کردہ کے الفاظ میں یہ بھی درج ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں زمانۂ رسول خدا و ابوبکر میں متولی خمس رہا۔ یعنی تقسیم اخماس میرے ذمہ تھی۔ جب ایک بار مال غنیمت آیا تو عمر نے مجھے تقسیم کیلئے بلایا اور کہا کہ لے لو لیس میں نے کہا کہ میں اس مال کی خواہش نہیں رکھتا،، حدیث کے الفاظ بالا پہ اگر درایتاً بحث کیجائے تو اسکی وضعیت ظاہر ہے۔ کیونکہ جب حضرت علی علیہ السلام اپنی خوشی سے تقسیم اخماس کے متولی زمانۂ رسول و ابوبکر و عمر میں تھے اپنے ہاتھ سے ان کا کام تو صرف اسقدر تھا کہ حقداران خمس کو حسب حصص تقسیم فرمادیتے۔ حضرت امیر کا یہ کہنا کہ ہمیں ضرورت نہیں اور عمر کا اصرار کرنا بے معنی ہے۔ اگر حضرت امیر کو خود احتیاج نہ تھی تو نہ لیتے۔ مگر دیگر بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب کو تقسیم کرنا تو ضروری تھا۔ کیا ان کی ضروریات حضرت امیر کے سامنے کچھ وقعت نہ رکھتی تھیں۔ بصورت دیگر حقداروں کو اگر احتیاج ہو اور حضرت علی تقسیم نہ کریں تو یہ ظلم ہوگا۔ جو حضرت علی جیسے معصوم سے بعید ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب عمر نے تمام بنو ہاشم و دیگر حقداروں کا حصہ بند کر لیا تھا صرف حضرت علی علیہ السلام کی ظاہری پاسداری کرتے ہوئے کہا گیا ہوگا۔ کہ آپ کچھ لے لیں۔ مگر حضرت امیر علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ کہ پورا دو تو لیں۔ ورنہ اس کی ہمیں حاجت نہیں۔ چنانچہ ابن عباس نے ظاہر الفاظ میں کہہ دیا۔

اس پر حضرت عمر نے سارے کا سارا بیت المال میں داخل کر دیا۔ اور اسی مال سے سیاست عمریہ پروان چڑھتی رہی۔

مصنّف کی دو نئی اصطلاحیں

خلاصۂ کلام تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قرابتداران رسول کو خمس میں دو وجہ سے حصّہ ملا کرتا تھا۔ ایک نصرت خاصہ، دوسرے احتیاج۔ اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں صرف احتیاج اور ضرورت پر خمس کی دار و مدار تھی۔ کیونکہ جب پیغمبر خدا اس جہان سے روانہ ہو گئے۔ تو آپ کی نصرت بھی اس جہان سے کوچ کر گئی (تحقیق فدک صفحہ ۱۷۷)

خدا جانے شاہ صاحب نے یہ دو لفظ نصرت خاصہ اور احتیاج کہاں سے وضع کر لئے ہیں۔ قرآن کی آیہ خمس واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ ـــ الخ میں، تو یہ نہیں ملتا۔ کہ قرابتداران رسول کو ایک حصّہ نصرت خاصہ کی بناء پر دیا جائے۔ اور دوسرا احتیاج کی وجہ سے۔

آیہ مذکورہ میں تو مطلق حکم ہے۔ کہ صاحبان استحقاق کو ان کا حق ہر حالت میں دیا جاوے ضرورت ہو یا نہ ہو۔ یہاں صرف مصرف بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ استحقاق بوجہ قرابت نبوی بیان ہوا ہے اور صاحبان استحقاق کے ہوتے ہوئے اس حصّہ کو غیر پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ قرابتدار غنی ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی مصفا شرح موطا جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ پر تحریر کرتا ہے:۔

"اغنیا اند اول نہ کنند بایکدیگر الّا آنکہ پیغمبر و قرابتداران پیغمبر کہ او با وجود غنی استحقاق آں دارند از جہتے فضیلتے کہ خدا تعالٰی ایشاں را باں مخصوص گردانیدہ است"

یعنی پیغمبر اور قرابتدار خواہ غنی بھی ہو جائیں ان کا حق ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس فضیلت سے پیغمبر و قرابت داران پیغمبر کو مخصوص کیا ہے۔

آیۂ خمس میں ذو القربٰی تو اپنے مقام پر ہے۔ یتامٰی و مساکین و ابن سبیل سے مراد بھی اقارب رسول کے یتیم و مسکین و ابن سبیل یعنی مسافر مراد ہیں۔ اور اہل بیت رسول کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ عبد الحق دہلوی نے اپنی تفسیر حقانی جلد ۴ صفحہ ۱۹۶ پر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

کا عقیدہ یہی لکھا ہے۔ کہ امام زین العابدین علیہ السلام یتامیٰ و مساکین و ابنائے سبیل سے اقارب رسول ہی مراد لیتے تھے۔

بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ تو ثابت ہو چکا کہ ابوبکر کا وہ عمل نہیں تھا۔ جو رسالت مآب کا تھا۔ خواہ وہ جس صورت میں بھی اہل بیت کو حقدار نہیں خیال کرتا تھا۔ حضرت عمر کے زمانہ میں خمس کا بالکل بند ہونا شاہ صاحب کے استدلال سے خود بخود ثابت ہو گیا۔ کیونکہ نصرت خاصہ کا حصّہ تو رسالت مآب کے ساتھ متعلق تھا۔ وہ تو آنحضرت کی وفات سے ختم ہو گیا۔ نہ یہ حصّہ ابوبکر نے دیا۔ اور نہ ہی عمر نے دیا۔ باقی رہا احتیاج کا حصّہ تو وہ بقول شاہ صاحب ابوبکر دیتا رہا۔ (جو حسب روایت ابوداؤد غلط ہے) مگر عمر کے زمانہ میں بوجہ عدم احتیاج بند ہو گیا۔ مصنّف تحقیق فدک نے اپنی کتاب ص۱۷۴ پر لکھا ہے۔ کہ حضرت علی کا خمس لینے سے انکار بوجہ عدم احتیاج کے تھا۔ چلو قصّہ ختم ہوا نہ نصرت خاصہ کا حصّہ رہا اور نہ ہی حصّہ احتیاج۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اہل بیت کا خمس بالکل بند ہو گیا۔ یہی ہمارا مقصود تھا۔ جو باحسن وجوہ حل ہو گیا۔

احادیث کا تعارض

جواب پنجم کے تحت لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت جبیر بن مطعم کی حدیثوں میں تعارض فرض کر لیا جاوے۔ کہ ایک خمس کا دینا اور دوسری سے نہ دینا ثابت ہو تو ہم حضرت علی المرتضیٰ کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مثبت ہے۔ اور حضرت جبیر کی روایت نافی ہے" تحقیق فدک ص۱۷۸

حسب قانون اہل سنت آپ ترجیح نہیں دے سکتے۔ بلکہ تطبیق احادیث ضروری ہے۔ اگر تطبیق ناممکن ہو تو پھر ترجیح دی جائے گی۔

اگر آپ ترجیح بھی دیں تو تب بھی جناب والا ایسا نہیں کر سکتے آپ کے مرشدانِ مذہب کا اصول ہے۔ کہ صحابہ کی روایات کو قبول کیا جاوے۔ اہل بیت کی مرویات پر آپ عقیدہ نہیں رکھ سکتے کیونکہ آپکے امام شاہ ولی اللہ نے قرۃ العینین میں لکھا ہے۔ کہ سنی مذہب حضرت عمر کا ساختہ پرداختہ ہے اہل سنت کے مذہب کی بنیاد آثار و اخبار مرتضیٰ پر نہیں۔ آپ محض دفع الوقتی کی خاطر حضرت علی کی حدیث کو سہارا بنا رہے ہیں۔ ورنہ آپکے نزدیک جبیر بن مطعم کی حدیث زیادہ قابل اعتبار ہے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے۔ کہ ایک غیر حقدار خمس کہہ رہا ہے۔ کہ اہل بیت کو خمس نہیں دیا گیا۔ اور حقدار کہہ رہا ہے کہ مجھے ملتا رہا ہے۔ یہ درایت کے خلاف ہے۔ نیز آپ نے لکھا ہے کہ " مثبت کو نافی پہ ترجیح ہے۔ لہٰذا ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت قبول کریں گے"۔

جناب والا! آپ اسی اصول کو حدیث فدک میں کیوں استعمال نہیں کرتے۔ ناراضگی زہرا کی روایت مثبت غضب ہے۔ کیونکہ بخاری و مسلم کے روات ببانگ دہل کہہ رہے ہیں۔ کہ جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا مرتے دم تک ناراض رہیں۔ مگر آپ کی خیالی روایت رضامندی نافی غضب ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی مثبت کو نافی پر ترجیح ہوگی۔ اگر آپ قبول کریں۔ تو ہم بھی مان لیں گے اگر آپ خمس نہ دینے والی روایت کو ابن شہاب زہری کی روایت سمجھ کر چھوڑتے ہو۔ کیونکہ وہ شیعہ تھا۔ تو برائے مہربانی اس کی دو ہزار دو صد حدیث حسب بیان صاحب تذکرہ الحفاظ سے ہاتھ اُٹھا لیا جائے۔ ہم آپ کی جرأت تو دیکھیں۔

ناظرین! ابن شہاب زہری کو ہم نے گذشتہ صفحات میں اہل سنت کا پیر و مرشد ثابت کیا ہے۔

یہ دو تو احادیث مثبت و نافی اہل سنت کی ہیں۔ ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتی۔ ہم اسی حدیث کو مانیں گے۔ جس سے ہمارے مسلّمات کی تائید ہوگی۔ دراصل یہ دونوں روایات نافی ہیں۔ انکار محض پورا نہ ملنے کی بنا پر ہوا ہے۔

اہل بیت کو شیخین نے قطعاً حصۂ خمس نہیں دیا۔

مصنف صاحب کے اعتراضات دربارہ خمس کا جواب ہم نے حسب توفیق دے دیا ہے اب ذیل میں کتب اہل سنت سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ خمس بھی وفاتِ رسول کے بعد کارکنان سقیفہ نے بند کر لیا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۶ مطبوعہ مصر میں ہے۔ کہ وقال ابن عباس فلما قبض اللہ رسولہ رد ابوبکر نصاب القرابتہ فی المسلمین وکذا فی تفسیر النیشاپوری

(بھامش)۔ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۵ روی ان ابا بکر منع بنی ہاشم الخمس (ترجمہ:۔ ابن عباس نے کہا۔ جب رسول اللہ فوت ہو گئے تو ابا بکر نے قرابتداروں سے حصۂ خمس کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ اور اسی طرح تفسیر نیشا پوری برحاشیہ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ صفحہ ۵ پر بھی ہے۔ کہ ابو بکر نے بنی ہاشم کا خمس روک لیا۔ اور اسی طرح تفسیر فتح المنان و درمنثور میں بروایت ابن شیبہ و ابن ابی حاتم و ابن المنذر مروی ہے۔

علامہ ابن الحدید سنّی معتزلی اپنی کتاب شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں۔ کہ لوگوں کا گمان ہے۔ کہ جناب زہراؑ نے ابوبکر کے پاس دو طرح کا دعویٰ کیا۔ مگر میں نے تیسری قسم کا دعوےٰ کرنا اور ابوبکر کا نہ دینا بھی روایات میں موجود پایا ہے۔ اور وہ حصّہ ذوی القربےٰ کا ہے۔ جس کو ابوبکر جوہری نے باسناد خود حضرت انس بن مالک سے روایت کیا۔ وہ کہ جناب زہرا علیہا السّلام نے حضرت ابوبکر کے پاس ظاہر کیا کہ جو تو نے اہل بیت پر ظلم کیا ہے وہ تو جانتا ہے۔ اب حصّہ ذی القربےٰ غنیمت سے کیوں نہیں دیتا۔ اور قرآن میں مال فئے وغیرہ اور غنائم سے حصّہ ذوی القربیٰ کا مقرر ہے۔ پھر واعلموا انما غنمتم من شئی کو آخر تک پڑھا۔ ابوبکر نے کہا میں یہ نہیں جانتا کہ سارا خمس آپ کا ہے۔ زہراؑ نے فرمایا کہ ہمارا نہیں تو تیرے باپ کا ہے؟ کہا نہیں۔ پھر حضرت زہراؑ نے فرمایا یہ آیت اتری تھی تو نبیؐ نے ہم آل محمدؐ کو لب رت دی تھی۔ کہ اب تمہارے لئے آسودگی آ گئی ہے۔ یہ سن کر ابوبکر کہنے لگے۔ ہم یہ نہیں جانتے۔ آپ عمر ابن الخطاب اور ابو عبیدہ بن جراح سے اجازت لیجئے اگر وہ کہیں گے تو دے دوں گا۔ جناب زہراؑ نے تعجب کیا۔ کہ اس حصّہ کو روکنے میں ان دونوں بلکہ تینوں نے سمجھوتہ کیا ہوا ہے۔

کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ میں باسناد ابن راہویہ ام ہانی بنت ابی طالب سے مروی ہے۔ کہ حضرت زہراؑ نے حصّہ ذوی القربےٰ ابوبکر سے طلب کیا۔ تو ابوبکر نے کہا۔ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے فرمایا کہ میری زندگی میں ذوی القربےٰ کا حصّہ ان کے لئے ہے لیکن میری موت کے بعد ان کے لئے کچھ نہیں ہے۔"

اہل سنّت کا فتویٰ کہ وفات رسول سے ذوالقربیٰ کا حصّہ بھی جاتا رہا

تفسیر مدارک مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۷۹ پر لکھا ہے۔ کہ فاِمّا بعد رسول اللہ

فسہمہ ساقط بموتہ وکذالک اسہم ذوی القربیٰ وعن ابن عباس انہ کان مستنہ للہ ولرسولہ سہمان وسہم لاقاربہ فاجری الخمس علیٰ ثلثتہ وکذا عمر ومن بعدہ من الخلفاء" بعد وفات رسولؐ خدا اور آپ کے اقارب کا حصہ ساقط ہو چکا ہے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ خمس کے چھ حصے ہوتے ہیں۔ اللہ و رسول کے "دو حصے جو دونو رسول کے ہوتے تھے۔ اور ایک حصہ رسول کے قرابت داروں کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ و علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد خمس کو تینوں حصوں پر خلیفہ اول نے تقسیم کرنے کا حکم جاری کیا۔ اسی طرح حضرت عمر اور اس کے بعد خلفاء نے عمل جاری رکھا۔

عبارت بالا سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اللہ و رسول و ذی القربیٰ کا حصہ بند کر لیا تھا۔ اور باقی تین حصہ یتامے و مساکین و ابنائے سبیل کو تقسیم کیا جاتا رہا۔

ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ تین حصے بھی قرابت دارانِ رسول کے ہی تھے۔ ان یتامے و مساکین و ابنائے سبیل سے مراد خاندان رسول کے یتیم و مسکین مراد ہیں۔ اہل بیت پاک کا یہی مذہب ہے۔ اور اس کی تائید میں ہم تفسیر حقانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ سے حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کا یہ عقیدہ لکھ آئے ہیں۔ ملاحظہ فرمالیں۔

پہلے تین حصص کو بوجہ وفات رسول ساقط کر دیا گیا۔ اور باقی جو تین حصص تھے۔ وہ غیر مستحقین کو تقسیم ہوئے۔ جس سے اہل بیت بالکل محروم ہو گئے۔

تفسیر جلالین صفحہ ۱۴۹ پارہ ۱۰ بذیل تفسیر "واعلموا انما غنمتم" لکھا ہے۔ کہ قال ابوحنیفہ سقط سہم النبیؐ وسہم ذوی القربیٰ بوفاتہٖ۔ یعنی ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے۔ کہ رسول کی وفات سے رسول اور ذوالقربیٰ کا حصہ خمس ساقط ہو گیا۔ اور یہی فتوے تفسیر حسینی پارہ ۱۰ تحت تفسیر آیہ مذکورہ میں درج ہے۔

اسی فتوے کو شبلی نعمانی الفاروق حصہ دوئم صفحہ ۲۵۹ پر لکھتا ہے۔ کہ ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ بھی ذی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے۔ اُن کی رائے تھی۔ کہ جس طرح آنحضرت کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح آنحضرت کے قرابت داروں کا بھی حصہ جاتا رہا۔"

اجماع صحابہ ناسخ قرآن ہے

ان بھولے بھالے مسلمانوں سے کوئی پوچھے کہ چلو آنحضرت کا حصّہ تو اُن کی فوتیدگی کے ساتھ ساقط ہوگیا۔ مگر اہل بیت یعنی قرابت داران رسول تو موجود تھے۔ ان کے حصّہ کو کونسی قرآنی آیت یا حدیث نبوی سے ساقط کیا گیا۔ ہاں اگر صحابہ نے باہمی مشورہ یا صلاح سے آیۃ قرآنی کو منسوخ قرار دیا ہو تو یہ اُن کی مرضی۔ جیسا کہ اجماع صحابہ کو اہل سنت ناسخ قرآن خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ اصول کرخی مطبوعہ دیوبند صت پہ اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ ذوالقربیٰ کا حصّہ بموجب آیۃ "واعلموا انما غنمتم من شئی" سے نص جلی ثابت ہے۔ چونکہ ہمارے فقہاء و صحابہ نے خمس کے نہ دینے پر اجماع کرلیا ہے۔ لہٰذا یہ آیۃ خمس منسوخ تصوّر ہوگی۔

مولوی شبلی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ کہ خبر واحد بھی قرآن کی ناسخ ہوسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو الفاروق حصّہ دوئم صفحہ ۱۵۔ "قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اسکی تخصیص ہوسکتی ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہوسکتا ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

جناب زہرا کے مطالبہ وراثت پر بھی ایک خبر واحد کے ذریعہ قرآن کے عمومی قاعدہ وراثت سے تخصیص کردی۔ اور مطالبہ زہرا دوبارہ حصّہ ذی القربیٰ پر بھی خبر واحد مندرجہ کنزالعمال سے آیہ خمس کو منسوخ سمجھا۔ جیسا کہ اوپر شبلی نعمانی اور صاحب اصول کرخی نے اپنے عقائد کی ترجمانی کردی ہے۔

بیچارے اہل سنت محبّت ثلاثہ میں کیسے اندھا دھند فتوے صادر کردیتے ہیں۔ ان کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ افعال ثلاثہ کو ہر حالت میں صحیح سمجھا جاوے۔ خواہ قرآن وسنت رسولؐ اور سیرت اہل بیت سے ثابت ہوچکا ہو بلکہ ان کے نزدیک تو اسلام وہی ہے۔ جو کارکنان سقیفہ کی سیرت سے ظاہر ہوا۔

شبلی نعمانی کا اقرار

ذیل میں ہم عصر حاضر کے نامور سنّی مؤرخ علامہ شبلی نعمانی کی رائے دربارہ خمس نقل کرتے ہیں۔ جس سے معزز ناظرین کی خاطر خواہ تسلّی ہوجائے گی۔ کہ جناب شیخین نے حصّہ ذی القربیٰ (خمس) کو مطلقاً بند کرلیا

تھا۔ ملاحظہ ہو عبارت الفاروق حصّہ دوئم صفحہ ۲۵۹ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

حضرت عمر کے اجتہاد اور امامت کی بحث میں لکھتے ہیں۔ " واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ و للرسول و لذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل۔ ترجمہ :۔ جو کچھ تم کو مال غنیمت سے ہاتھ آئے۔ اس کا پانچواں حصّہ خدا کے لئے۔ اور پیغمبر کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں غریبوں اور مسافروں کے لئے ہے "۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا حصّہ بھی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس جو صحابہ میں دریائے علم کہلاتے تھے۔ نہایت زور کے ساتھ اس آیت سے خمس کا استدلال کرتے تھے۔ حضرت علی علیہ السّلام نے اگرچہ مصلحتاً بنوہاشم کو خمس میں سے نہیں دیا۔ لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی۔ کہ بنو ہاشم واقعی حق دار ہیں۔ یہ صرف حضرت علی علیہ السّلام و ابن عباس کی رائے نہ تھی۔ بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے۔ اور اپنی کتابوں میں بڑے زور شور سے اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر کی نسبت لوگوں کا گمان ہے کہ وہ قرابتداران پیغمبرؐ کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصّہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین میں امام ابوحنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے۔ ان کی رائے تھی کہ جس طرح آں حضرت کے بعد آں حضرت کا حصّہ جاتا رہا۔ اسی طرح آں حضرت کے قرابتداروں کا حصّہ بھی جاتا رہا۔

بحث خمس سے پیدا شدہ نتائج

سابقہ جو کچھ بحث خمس میں اور شبلی نعمانی کی عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔ حسب ذیل چند نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ ناظرین الن نتائج پر غور کریں۔

(۱) ابوبکرؓ نے خمس ذوی القربیٰ بھی روک لیا تھا۔ حالانکہ مستحقین کی طرف سے مطالبہ بھی کیا گیا

(۲) خمس کا حکم قرآن میں واعلموا انما غنمتم موجود ہے۔ کوئی دیگر حکم قرآنی اس کا ناسخ نہیں جس کی بنا پر ذوی القربیٰ کا حصّہ بند ہوا۔

(۳) پیغمبر کی وفات کے بعد پیغمبر کا حصّہ اور ذوی القربیٰ کا حصّہ بھی بعقیدہ اہل سنت ساقط کر دیا گیا چنانچہ حضرت عمر اور ابو حنیفہ کا اس پر فتویٰ ہے۔

(۴) عبداللہ ابن عباس۔ حضرت علی بلکہ تمام اہل بیت کا مسئلہ خمس پر اتفاق تھا اور ائمہ اربعہ میں سے، امام شافعی بھی قائل تھے۔ کیونکہ وہ بھی مطلبی تھے۔

(۵) حضرت عمر نے کبھی بھی اہل بیت کو خمس نہیں دیا۔

(۶) بعقیدہ اہل سنت خبر واحد ناسخ قرآن ہو سکتی ہے۔

(۷) آیہ خمس میں یتیم و مسکین و ابن سبیل سے بھی امام زین العابدینؑ کے عقیدہ میں قرابتداران رسول ہی مراد ہیں

(۸) صدر اوّل سے لیکر آجتک سادات خمس سے محروم ہیں اور مذہب اہل سنت میں اس کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے

علت خمس۔ معلوم ہونا چاہئیے کہ خداوند عالم نے تمدنی اور معاشی اصول کے پیش نظر امّت کے غرباء کے لیئے زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ کا حکم صادر فرمایا۔ تاکہ اس مال سے یہ غریب لوگ اپنا وقت پاس کریں۔ زکواۃ و صدقات چونکہ لوگوں کے ہاتھوں کا میل ہوتا ہے۔ اور خاندان شاہی کا ان چیزوں کو استعمال کرنا دراصل بادشاہ کی توہین اور سُبکی ہے۔ اسی واسطے خداوند عالم نے رسولؐ جیسے دین و دنیا کے بادشاہ کیلئے اموال غنیمت سے حصّہ خمس (پانچواں) مقرر کر دیا۔ اور قرآن میں صاف طور پر واعلموا انما غنمتم کا حکم ارشاد فرما دیا تاکہ اولاد رسول کو خمس نہ دینے والے قیامت تک اس آیت کو پڑھ کر اپنی حرکت پر پشیمان ہوتے رہیں۔ خداوند عالم کا یہ منشا تھا کہ اقرباء رسول امّت کے دروازوں پر بھیک وغیرہ نہ مانگتے پھریں۔ لہٰذا خمس ان کے لئے مخصوص کر دیا۔

زکواۃ تو شریعت نے اولاد رسول پر حرام کر دی تھی۔ اور حصّہ خمس امّت نے دبا لیا۔ بیچارے سادات کو وہی صورت پیش آئی جس کی سبیل کے لئے خمس مقرر ہوا تھا۔ اسی امّت کے دروازوں پر بھیک مانگ رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اپنے اصلی مذہب کو چھوڑ کر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ خدا سمجھے ان لوگوں سے جن کی چیرہ دستیوں سے خاندان رسولؐ تباہ و برباد ہوا۔

فدک بطور جاگیر حق مروان

قبل اس کے کہ ہم حضرت علیؑ کے طریق عمل کے متعلق اعتراضات مصنف کا جواب ذیں۔ بہتر معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عثمان کا فدک مروان کو بطور جاگیر دینا کتب اہل سنّت سے ثابت کریں۔ اور واضح کردیں کہ فدک حضرت امیر علیہ السلام کو چارج میں بلا ہی نہیں تھا۔ تاکہ آئندہ صفحات میں جہاں ہم اس مسئلہ پر بحث کریں۔ ناظرین کو یہ الجھن پیش نہ آئے اور ان کے ذہن میں یہ ہو کہ فدک مروان کے پاس تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے پاس تھا ہی نہیں۔

مصنف تحقیق فدک نے اپنی کتاب میں جن روایات سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ فدک سلطنت معاویہ میں ایک تہائی مروان کے پاس گیا۔ ایک تہائی عثمان کے بیٹے لے لی۔ اور ایک تہائی پر یزید لعین قابض ہو گیا۔ خلیفہ عثمان کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوا ہے۔ ان روایات میں ایک روایت تو وہی ہے۔ جس کو شاہ صاحب مسئلہ رضا مندی میں پیش کر چکے ہیں۔ اور ہم نے اس مقام پر ثابت کیا ہے۔ کہ یہ روایت مجہول الحال ہے۔ اور مجہول بمقابلہ معروف و مشہور حجت نہیں۔ فدک بطور جاگیر حق مروان بزمانہ عثمان اہل سنّت و شیعہ حضرات کی روایات مشہورہ و معتبرہ میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ذیل میں ہم درج کر کے ناظرین کی تسلّی کرائیں گے۔ لھٰذا یہ روایت قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ مسلمہ فریقین کے خلاف ہے۔ در تحفۂ فیض الاسلام میں بھی یہی روایت ہے۔ باقی رہا ابن ابی الحدید کا شرح حدیدی میں اس روایت کا تحریر کرنا تو یہ ہمارا بیّن ثبوت ہے۔ کہ اس روایت کو شارحین نہج البلاغہ امامیہ نے اسی حدیدی شرح سے نقل کیا ہے۔ اور حدیدی کا کسی بات کو نقل کرنا جو خلاف امامیہ ہو ہم پر حجت نہیں۔ کیونکہ ہم قبل ازیں ابن ابی الحدید کو سنی المذہب معتزلی اور حضرات ثلاثہ کا وکیل بلا اُجرت ثابت کر چکے ہیں۔ ناظرین اس مقام کو دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔ بالفرض محال اگر ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ مصنف صاحب نے تحریر کیا ہے۔ تب بھی ہمارا اعتراض ویسا ہی ہے۔ معاویہ اہل سنّت کا پیرومرشد اور پانچواں خلیفہ ہے۔ عثمان کا بیٹا بھی خلیفہ راشد کا فرزند ہے۔ ان حضرات نے کیوں سیرت شیخین کے خلاف کر کے فدک کو اپنی جاگیر اور ملک قرار دے لیا۔ کیا معاویہ جیسے صاحب بادشاہ کی موجودگی میں سنّت شیخین کو مٹایا جانا اور بادشاہ وقت کا اس پر توجہ نہ دینا اس امر کا کھلا ثبوت نہیں ہے۔ کہ شروع سے لیکر آخر تک تمام اموی شہزادوں کی عیش و نشاط کے لئے فدک مخصوص ہو چکا تھا۔ اور خود منشاء حکومت ہی ایسا تھا۔

مشکوٰۃ شریف باب الفئی ص۳۵۶، ص۲۱۱ کتاب تحقیق فدک مصنفہ احمد شاہ چوکیروی "فلما ان ولی ابوبکر عمل فیہا ما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فی حیاتہ حتی مضی بسبیلہ فلما ان ولی عمر بن الخطاب عمل فیہا بمثل ما عملا حتی مضی بسبیلہ ثم اقطعہا مروان" ترجمہ:۔ جب ابوبکر خلیفہ ہوا تو اس نے فدک میں وہی عمل کیا۔ جو رسول اللہ کرتے تھے اپنی زندگی میں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے راستہ پر چل گیا۔ اس کے بعد عمر خلیفہ ہوا اس نے بھی وہی عمل کیا۔ جو ابوبکر نے کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بھی اپنے راستہ پر چل دیا۔ پھر مروان کو بطور جاگیر دے دیا گیا۔

مصنف تحقیق فدک نے ثم کا معنی ایک مدت کے بعد کہا ہے۔ جو غلط ہے۔ فتح الباری جلد ۳ ص۱۴۱ پر شارح بخاری کے یہ الفاظ ہیں:۔ قال الخطابی انما اقطع عثمان فدک لمروان لانہ تاول ان الذی یختص بالنبی یکون للخلیفۃ بعدہ فاستغنی عثمان عنہا فوصل بہا بعض قرابتہ

خطابی نے کہا کہ ضرور امیر عثمان نے فدک مروان کو دے دیا۔ اس لئے کہ اُس نے یہ تاویل کی تھی کہ جو کچھ نبی کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ وہ بعد نبی کے خلیفہ کا ہو جاتا ہے۔ جب امیر عثمان کو فدک کی پرواہ نہ رہی تو اُس کے ساتھ اُس نے اپنے بعض اقارب کا صلہ کرنا چاہا۔ اور روضۃ المناظر ص۲۰۹ مطبوعہ مصر برحاشیہ مروج الذہب میں ہے۔ کہ عثمان بن عفان نے فدک سب سے الگ کر کے محض مروان بن حکم کو دے دیا۔ حالانکہ وہ صدقہ رسول تھا۔ پھر ہمیشہ مروان اور اوس کی اولاد کے قبضہ میں رہا۔ یہاں تک عمر بن عبد العزیز نے رد کر دیا۔

سبحان اللہ! حضرات ثلاثہ کو قرابتداری رسول کا لحاظ تو نہ رہا اور فدک نہ دیا۔ اور عثمان نے اپنے قرابتداروں کو فدک دیکر صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا۔ عثمان کا یہ فعل خلاف سیرت شیخین تھا۔ حالانکہ اس بزرگ نے سیرت شیخین کے اقرار پر ہی خلافت کو لیا تھا۔

معالم السنن شرح سنن ابوداؤد ج۱ ص۲ ص۲۵ قلت انما اقطعہا مروان فی ایام حیات عثمان ابن عفان وکان ذالک مما عابوہ وتعلقوا بہ علیہ وکان تاویلہ فی ذالک واللہ اعلم ما بلغہ عن رسول اللہ نہی للذی یقوم بعدہ فاستغنی عثمان عنہا بمالہ فجعلہا لاقربائہ ووصل بہا ارحامہم ترجمہ وہی ہے جو اوپر فتح الباری کا لکھا گیا ہے نیز مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبائی ص۳۴۸ اور مطبوعہ فاروقی دہلی حاشیہ ۶ باب الفئی میں ہے ثم اقطعہا مروان ای فی زمن عثمان۔ مروان نے فدک عثمان کے زمانہ میں بطور جاگیر لیا۔

عثمان کی امویّت نوازی

تیسیر الباری ترجمہ وشرح بخاری مترجم علامہ وحید الزمان پارہ ۱۲ صفحہ ۶۳ کتاب الجہاد والسیر کے حاشیہ پر تحریر ہے۔ کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر اپنی خلافت میں ان جائدادوں سے آپ کی بی بیوں کے اور دوسرے مصارف ضروری کرتے رہے۔ لیکن حضرت عثمان نے اپنی خلافت میں فدک بطور مقطعہ (جاگیر) مروان کو دے دیا۔ حضرت عثمان بہت غنی تھے۔ ان کو یہ حاجت نہ تھی۔ کہ فدک سے اپنے مصارف چلاتے۔ تو انہوں نے مروان کو جو ان کا عزیز تھا۔ یہ جائداد دیدی۔ اہل سنت کے تین بڑے شراح حدیث فدک نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ کہ فدک مروان کو دیدیا گیا تھا۔ اب اگر مصنّف تحقیق فدک اپنے مسلمات کے خلاف نہ تسلیم کریں۔ تو یہ ان کا اپنا مختارہ ہوگا۔ جو اہل علم حضرات کے نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں۔

حضرت عثمان نے صرف فدک ہی مروان کو نہیں دیا۔ بلکہ بنو امیہ نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ علامہ ابن ابی الحدید صفحہ ۳۹ جزو اول میں لکھتے ہیں۔ حکم بن عاص جن کو رسولؐ نے شہر بدر کر دیا تھا۔ ان کو واپس بلاکر ایک لاکھ درہم عطا کئے۔ رسول اللہؐ نے وہ مقام جو بازار مدینہ میں مہروں کے نام سے موسوم تھا۔ اس کی آمدنی مسلمانوں کے لئے مخصوص کردی تھی۔ اسے عثمان نے مروان کے بھائی کو دیدیا۔ فتح افریقہ کے وقت جو کچھ فتح کیا۔ وہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو دیدیا۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں جاگیریں تھیں۔ جو کتب تواریخ میں مذکور ہیں۔ خدا جانے اس وقت حدیث لا نورث کہاں تھی۔ اور مسلمان کیوں خاموش تھے۔

آخر کار زمانہ کا رخ تبدیل ہوا۔ اور اموی رشتہ داروں کی وجہ سے عثمان صحابہ رسول کے ہاتھوں مقتول ہوا۔ ناظرین سے التماس انصاف ہے۔ کہ حضرات اہل سنت ظاہر کرتے ہیں۔ کہ فدک سارے مسلمانوں کا مال تھا۔ رسول خدا کس طرح اپنی بیٹی کو دے سکتے تھے مروان اور خلیفہ عثمان کے عمل سے دو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ فدک رسول کا ذاتی مال تھا۔ جس کو چاہتے عنایت فرماتے۔ خواہ ذی القربیٰ کو دیتے۔ یا مساکین ومہاجرین کی امداد فرماتے۔ اور پھر وہی کلی اختیارات بقول اہل سنت خلیفہ کے ہوجاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اپنی اختیارات میں خلیفہ رسول کو یہ حق تھا کہ فدک چاہے کسی اپنے رشتہ دار کو بغرض صلہ رحمی دیدے۔ تعجب کا مقام ہے۔ کہ جس چیز کو بقول اہل سنت رسولؐ اپنی بیٹی کو نہیں دے سکتا اس چیز کو اہل سنت کا خلیفہ راشد خلاف سنت رسول وطریق شیخین مروان جیسے شخص کو دے دیتا ہے۔ اب نہ وہ سارے مسلمانوں کا مال رہا۔ اور نہ اپنے تصرف خاص

میں لینے سے کوئی امر مانع ہُوا اور خود غنی ہو گئے۔ تو رشتہ دار کو بطور جاگیر بخش دیا۔ مگر شرعی وارث محروم رہے کیا محبّت رسولؐ کا تقاضا نہ تھا کہ حضرت عثمان اولاد فاطمہ کو دے دیتا۔ حالانکہ مطالبہ بھی ہوا تھا۔ مگر افسوس مسلمانوں نے تو منصوبہ ہی کر لیا تھا کہ اپنے محسن اعظم کی اولاد کو ذلیل و خوار کر کے ہی اجر رسالت ادا کریں گے۔

محب و مبغض کی پہچان شاہ صاحب نے شیعہ علماء پر اعتراض کیا ہے۔ کہ گلے پھاڑ پھاڑ کر الحق مع علی کا نعرہ لگانے والوں کا امتحان ہو جائے۔ نیز کہ مبغضانِ علی اور محبّانِ علیؑ الگ الگ صفوں میں کھڑے نظر آئیں" تحقیق فدک صا۱۸۱

جناب والا کے اس فقرہ سے محب علی اور مبغض علی کی پہچان ہو گئی۔ جو اس نعرہ کو سن کر خوش ہوتا ہے وہ ضرور محب ہے۔ اور جو اعتراض کرتا ہے۔ وہ مبغض اور جہنم کا ایندھن ہے۔ شیعہ بیچارے تو جناب رسالت مآب کی پیروی میں اس نعرہ کو بلند کرتے ہیں۔ یہ نعرہ تو خود سرور کائناتؐ نے بلند فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ص۷۶ تحفہ اثنا عشریہ ص۲۱۶ رحم اللہ علیاً اللھم ادر الحق معہ حیث دار یعنی اللہ علی پر رحم کرے۔ اور حق کو پھیر دے۔ جس طرف علی پھر جائے۔

اب گلے پھاڑنے کا اعتراض شیعہ علماء پر کیا جائے گا۔ تو وہی اعتراض رسولؐ پر بھی ہوگا۔ اور جو اعتراض کریگا۔ وہ ضرور مبغض علیؑ ہے۔

باب چہارم

حضرت علی علیہ السلام نے فدک کیوں واپس نہ کیا

سوال: ناظرین کرام حضرات علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی حکومت کے زمانے میں اراضیٔ فدک میں وہی دستور جاری رکھا جو کہ حضرات ثلاثہ کے زمانہ میں چلتا رہا۔ اس دستور میں ذرہ بھر تغیر و تبدّل نہ فرمایا۔"

جواب اول: شاہ صاحب کے اس استدلال کے رد میں ہمارے چند ایک دلائل ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

سب سے پہلے یہ ہے۔ کہ فدک حضرت علی کو جارح میں ملا ہی نہیں تھا حضرت عثمان نے اپنے داماد مروان کو جاگیر بنا کر دے دیا تھا۔ اس کا ثبوت ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ حضرت علیؑ تب اولاد فاطمہؑ کو واپس کرتے جب ان کے قبضہ میں ہوتا۔ بصورت دیگر اگر حضرت امیر علیہ السلام مروانیوں سے جنگ کرتے۔ اور اپنا حق اُن سے لے لیتے۔ تو یہ قدرے مشکل بات تھی۔ حضرت امیر علیہ السلام اپنے ماحول کی ناسازگاری اور مجبوریوں کو خود اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک طرف معاویہ شام کا پورا صوبہ حاصل کر کے بھی مطمئن نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حکومت میں حضرت علی فیل ہو جائیں، لہٰذا اس نے قتل عثمان کا حضرت پر الزام لگا کر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ یہ سارے واقعات جنگِ صفین کی شکل میں رونما ہوئے۔ دوسری طرف حضرت عائشہ معہ طلحہ و زبیر حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگ کر رہی تھیں۔ اور کئی ہزار مسلمان ان جنگوں میں قتل ہو گئے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں۔ ان حقائق سے کسی اہل علم کو انکار نہیں۔ ابھی معاویہ وغیرہ کا معاملہ بلا فیصلہ ہی تھا۔ کہ ادھر خوارج نے عَلَمِ بغاوت بلند کر دیا۔ جو جنگِ نہروان کے نام سے مشہور ہے۔ آپ انصاف فرمائیں، کہ کس وقت حضرت امیر علیہ ان جنگوں سے فارغ ہوئے تھے۔ جو فدک وغیرہ کے معاملات کی طرف دھیان فرماتے۔ معاویہ۔ عائشہ۔ خوارج وغیرہ کے تین محاذ پہلے سے قائم تھے۔ فدک کو قبضۂ مروان سے لے کر چوتھا محاذ بھی قائم ہو جاتا۔

جواب دوئم۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام کو ان لوگوں نے ہی خلیفہ چنا تھا۔ اور ان آدمیوں نے ہی بیعت کی تھی۔ جو ثلاثہ کو خلیفہ حق تسلیم کر چکے تھے۔ چند ایک لوگ ایسے تھے جنہوں نے مخلصانہ حیثیت سے جناب علی علیہ السلام کو خلیفہ رسول سمجھا ہوا تھا۔ اگر حضرت علیؑ فدک کو واپس لے لیتے۔ تو یہ لوگ ثلاثہ کے عمل کی تردید کو کبھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ فوراً بگڑ جاتے۔ اور حضرت علی کو چھوڑ کر متفرق ہو جاتے۔ جیسا کہ خود حضرت امیر علیہ السلام کا فرمان فروع کافی جلد ۳ کتاب روضہ میں موجود ہے۔ لو رددت فدک الی ورثۃ فاطمۃ علیہا السلام لتفرقوا عنی" یعنی اگر فدک میں اولاد فاطمہ کو واپس کرتا ہوں۔ تو وہ چھوڑ دیں گے لہٰذا حضرت نے ایک بڑے نقصان کی خاطر فدک جیسے مالی نقصان کو بھی برداشت کر لیا۔

جواب سوئم۔ لوگوں کے امتحان کی خاطر حضرت امیر علیہ السلام نے ان امور کی اصلاح کی خاطر ایک دفعہ

ارادہ ظاہر فرمایا تھا اور ان بڑے بڑے امور میں سے نماز تراویح کو پہلے بند کرنے کی کوشش کی اور کوفہ میں حکم دیا کہ نماز تراویح باجماعت نہ پڑھی جاوے۔ چنانچہ اس بات کو سنتے ہی ان لوگوں نے چیخ و پکار شروع کر دی۔ اور واعمراہ و اعثماناہ کی صدائیں بلند کرنے لگے۔ اور اکثریہ لوگ وہی تھے۔ جو ثلاثہ کو امام برحق جانتے تھے۔ لوگوں کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت نے حکم منسوخ کر دیا۔ یہ ساری تفصیل فروع کافی میں مذکور ہے۔ تہذیب الاحکام جلد ۱ صفحہ ۱۳۵ پر بھی درج ہے۔

لہٰذا جب اس چھوٹے سے چھوٹی بدعت کو دُور نہ کر سکے۔ تو ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ فدک وغیرہ کے معاملات کو کس طرح درست کر سکتے تھے۔ جس میں مخالفین کا مالی نقصان بھی تھا۔

جواب چہارم۔ بخاری شریف جلد اول صفحہ ۵۲۶ مناقب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ و کتاب تحقیق فدک صفحہ ۲۰۵ پر روایت تحریر ہے۔ کہ عن عبیدۃ عن علی قال اقضوا کما کنتم تقضون فانی اکرہ الاختلاف حتی یکون الناس جماعۃ او اموت کما مات اصحابی ترجمہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بیع امہات الاولاد کے بارہ میں تم لوگ وہی فیصلہ رکھو۔ جیسا کہ تم پہلے کرتے تھے۔ کیونکہ میں اختلاف پسند نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ لوگ ایک جماعت کی صورت میں ہو جائیں۔ یا میں فوت ہو جاؤں جیسا کہ میرے ساتھی فوت ہو گئے ہیں۔

حضرات معلوم ہونا چاہئے۔ کہ بیع امہات الاولاد عمر کے نزدیک ناجائز تھی۔ اور حضرت علیؑ کے نزدیک جائز تھی۔ لہٰذا جب حضرت امیر حاکم ہوئے۔ تو لوگوں نے پوچھا کہ اس مسئلہ میں اب کیسے کیا جاوے۔ تو جناب نے فرمایا کہ اسی طرح کرتے رہو جس طرح عمر کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ کیونکہ میں اختلاف کو پسند نہیں کرتا۔ اگر لوگوں کے فتنہ و فساد اور اختلاف سے ڈر کر حضرت امیر نے اپنے عقیدہ کے مطابق مسئلہ بیع امہات الاولاد کی ترویج نہ کی۔ تو اسی طرح فدک وغیرہ کے دستور کو بھی لوگوں کے فتنہ و فساد کے خوف سے بحال رکھا۔

حضرت شاہ صاحب کا یہ جواب کہ یہ مسئلہ منصوص نہیں تھا بلکہ اجتہادی تھا۔ اگر منصوص ہوتا۔ تو ضرور اس پر زور دیتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام کے سامنے کسی مسئلہ کی بنیاد ذاتی استنباط و اجتہاد پر نہ تھی۔ احکام شریعت سے مکمل طور پر واقف تھے۔ سیرت رسولؐ آپ کے سامنے تھی۔ استیعاب مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ پر حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ کہ حضرت علیؑ

تمام لوگوں سے سنّت رسولؐ کے زیادہ عالم تھے۔ لہٰذا عائشہ کے قول کے مطابق مسئلہ امہات الاولاد ضرور حضرت امیرؑ کے سامنے منصوص تھا جس طرح فدک کا مسئلہ آپ کے سامنے ظاہر تھا اور اگر تھا تو اتفاق عمر کا نزدیک حضرت کے خبر در اجتہادی ہوگا کیونکہ ہر وقت ان کو صحبت رسول کا شرف حاصل نہیں تھا۔ بعض اوقات وہ بازاروں کی گشت لگایا کرتے تھے۔

لہٰذا اس روایت کا جو ابتک اہلِ سنّت حضرات اور مصنف تحقیق فدک دیگا۔ وہی جواب حضرت امیر علیہ السلام کی طرف سے ہمارا ہوگا۔

حاشیہ بخاری احمد علی سہارنپوری جلد ۱ صفحہ ۳۴۴ و قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار کتاب اصول فقہ حنفیہ صفحہ ۲۴۰ میں بروایت بیہقی یہ واقعہ مفصل مرقوم ہے۔ کہ حضرت علی نے شہر کوفہ کے ممبر پر خطبہ فرمایا کہ میری رائے امیر عمر کی رائے کے موافق چلی آئی ہے۔ کہ صاحب اولاد کنیزوں کی فروخت نہ کی جائے مگر میں اب رائے اپنی ظاہر کرتا ہوں کہ بے شک فروخت کی جائیں۔ حاضرین مجلس میں سے ابو عبیدہ بولا۔ اور کہا۔ آپ کی جو رائے جماعت کے مطابق ہو۔ وہ ہمیں اس سے زیادہ پسند ہے۔ جو آپ اکیلے فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت علیؑ خاموش ہو گئے۔

جواب پنجم۔ خود حضرت امیر علیہ السلام کے ایک خطبے کے الفاظ تائید کرتے ہیں۔ جو نہج البلاغہ صفحہ ۲۶۱ پر مرقوم ہیں۔ لا یعاب المرء بتاخیر حقہ انما یعاب من اخذ ما لیس لہ۔ ترجمہ۔ آدمی کے لئے یہ عیب کی بات نہیں ہے کہ وہ اپنے حق کے وصول کرنے میں تاخیر کرے۔ بلکہ عیب اس میں ہے۔ کہ جو حق نہ ہو۔ اس کو حاصل کرے۔ انوار اللغتہ پ ۳ صفحہ ۲۷ مطبوعہ بنگلور میں علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ نے ایک امر کا ارادہ کیا۔ مگر دوسرے امور ان پر آکر ایسے پڑ گئے۔ جیسے جنگ جمل۔ صفین وغیرہ کہ وہ ان سے نہ نکل سکے۔ سارا زمانہ مختلف جھگڑوں میں گذر گیا۔ جو تدابیر آپ نے اصلاح دین و دنیا کے لئے سوچے تھے۔ وہ نہ کر سکے۔

جوابِ ششم "حضرت امیرؑ کو تسلّط تامہ حاصل نہیں ہوا"

ازالۃ الخفا جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ پر شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت مرتضیٰ باوجود رسوخ قدم در سوابق اسلامیہ و فور اصاف خلافت خاصہ انقیاد بیعت برائے او وجوب انقیاد رعیت فی حکم اللہ۔ بنسبت او متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نہ گشت و تمامہ مسلمین تحت حکم او سر نہ نہادند و جہاد در زمان وے رضی اللہ عنہ بالکلیہ منقطع شدہ افتراق کلمہ مسلمین

بظہور پیوست وائتلاف ایشاں رخت بعدم کشید ومردم بجروب عظیمہ باو پیش آمدند ودست او را از تصرف ملک کوتاہ ساختند وہر روز دائرہ سلطنت او لا سیما بعد تحکیم تنگ تر شدن گرفت تا آنکہ در آخر بجز کوفہ و ماحولِ آں برائے ایشاں صافی نماند"

حضرت مرتضیٰ کے لئے باوجود سابقین اسلام میں ہونے کے اور خلافت خاصہ کے اوصاف رکھنے کے رعیت نے حکم نہ مانا اور تمکین و تسلط حاصل نہیں ہوا۔ اور سلطنت میں حضرت کا حکم نافذ نہیں ہوا تمام مسلمانوں نے حکم تسلیم نہ کیا۔ اور جہاد جناب امیر علیہ السلام کے زمانہ میں ختم ہو گیا۔ اور مسلمانوں کا آپس میں افتراق پیدا ہو گیا۔ اور اتفاق مسلمین ختم ہو گیا۔ لوگ بڑی بڑی لڑائیوں سے پیش آئے اور حضرت امیرؑ کو ملک پر قبضہ نہ کرنے دیا۔ اور ہر روز دائرہ سلطنت خصوصاً واقعہ تحکیم کے بعد تنگ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ کوفہ اور اس کے اردگرد کے علاوہ تمام علاقہ چلا گیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تقریر بالا اور ہمارے سابقہ نقل کردہ شواہد سے واضح ہو گیا۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام کو اپنے زمانۂ خلافت میں اتنا تسلط حاصل ہی نہیں ہوا تھا۔ جو فدک وغیرہ کی کارروائی تبدیل کر دیتے۔ شبلی نعمانی الفاروق جلد ۲ خواجہ پریس دہلی ص۱۱۲ میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت علی نے اگرچہ مصلحتاً بنو ہاشم کو خمس نہیں دیا۔ لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی۔ کہ بنی ہاشم واقعی حقدار ہیں۔ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص۱۱ میں جس مصلحت کی بنا پر حضرت علیؑ نے خمس حقداروں کو نہیں دیا۔ اسی مصلحت کے لحاظ سے فدک اولاد فاطمہ کو واپس نہ کیا۔ اعتراض کرنے والے فکر و نظر سے کام لیں۔

جواب ہفتم ۔ امیر معاویہ خط وغیرہ لکھ کر حضرت امیر علیہ السلام کے دلی اعتقادات خلاف اصحاب ثلاثہ لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ یہ اس کی گہری سیاست تھی اسی واسطے جناب امیرؑ نے اپنے اعتقادات کا اظہار خطبات نہج البلاغۃ میں کہیں ظاہراً اور کہیں کنایتہً بیان فرمایا۔ جن سے آجکل اہل سنت استدلال کرتے ہیں۔ کہ دیکھو حضرت علیؑ نے ثلاثہ کی تعریف کی ہے اسی واسطے حضرت امیرؑ نے ایک خط میں معاویہ کے جواب میں تصریح کر دی ہے۔ کہ اے معاویہ میری بیعت ان لوگوں نے ہی کی ہے جنہوں نے ابو بکر و عمر کی کی تھی۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی میں تیرے مسلمہ کے لحاظ سے حقدار ہوں۔ تو مجھے کیوں خلیفہ نہیں مانتا۔ چونکہ فوج میں اکثریت نمکخواران سقیفہ کی تھی اس لئے خطرہ تھا۔ کہ یہ لوگ بغاوت نہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ واقعہ تحکیمین کے وقت ایسا معاملہ پیش بھی ہوا

جب لشکر معاویہ قرآن بلند ہوئے۔ تو حضرت امیرؑ کی فوج میں سے لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جناب علی علیہ السلام فرماتے رہے۔ کہ انا قرآن الناطق وھو القرآن الصامت (ازالۃ الخفاء) یعنی میں بولنے والا قرآن ہوں اور یہ خاموش قرآن ہے۔ تم میری بات مانو۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ لوگ حضرتؑ کا حکم مانتے انہوں نے کہا۔ کہ ثالثی قبول کرو۔ مجبوراً حضرتؑ کو خلاف اپنی ضمیر کے ان کی بات ماننا پڑی۔ اور ثالث مقرر ہونے وقت بھی حضرت امیرؑ نے فرمایا۔ کہ اگر ضرور بالضرور ثالث مقرر کرنا ہی ہے۔ تو مالک اشتر کو مقرر کیا جاوے۔ پھر بھی ہوا خواہان سقیفہ جن کے سردار اشعث بن قیس جیسو نے ابو بکر جیسے تھے۔ نہ ملنے۔ اور اپنی مرضی سے ابو موسیٰ اشعری جیسے نا فہم کو ثالث مقرر کر دیا۔ اس کے بعد جو حالت ہوئی وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

پھر ایک گروہ اس وجہ سے علیحدہ ہو گیا جن کو خارجی کہا جاتا ہے کہ حضرت امیرؑ نے ثالثی قبول کیوں کی۔

اصول سیاست و طریق جہانبانی سے خبر رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں۔ کہ جس امیر یا حاکم کے پاس ایسی ذہنیت کی فوج ہو۔ اور عام رعایا کی اکثریت بھی خلاف ہو۔ وہ حکومت کے اصلاحی امور میں کہاں تک کامیاب ہو سکتا ہے۔ جب آنحضرتؐ کے قول کو وہ لوگ خلاف ثلاثہ سن نہیں سکتے تھے بھلا حضرات ثلاثہ کے افعال کی تردید کب گوارہ کر سکتے تھے۔ محبان ثلاثہ اور جو کیروی مصنف بھلا حضرت امیر علیہ السلام کی مجبوریوں کو کیا جانتے ہیں۔ نہ سیاست سے خبر نہ اصول تمدن سے واقفیت مسجد میں بیٹھ کر اہل بیت کے افعال پر اعتراض کرنا آتا ہے۔

حضرت امیرؑ کا فدک واپس نہ کرنا بوجہ خوف فتنہ تھا

حضرت امیرؑ نے انعقاد شوریٰ کے وقت لوگوں پر واضح کر دیا تھا۔ کہ میرا خلافت سے محروم ہو جانا اور اقوال و افعال شیخین کی تردید نہ کرنا دین کے ضائع ہونے اور لوگوں کے فتنہ و فساد کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ خوف نہ ہوتا۔ اور پیغمبرؐ کی وصیت نہ ہوتی۔ تو تم لوگ دیکھ لیتے۔ کہ خیبر و خندق کے معرکے سر کرنے والی ذوالفقار کند نہیں ہو گئی۔ ملاحظہ ہو استیعاب فی معرفۃ الاصحاب مطبوعہ حیدر آباد دکن امام اہل سنت عبدالبر اندلسی تذکرہ رفاعہ ابن رافع حرف الراء۔

اما قبض رسول اللہ قلنا نحن اھلہ واولیاؤہ لاینازعنا سلطانہ احد فانجی علینا قومنا فو لواغیرنا وایم اللہ لولا مخافۃ الفرقۃ وان یعود الکفر و یبور الدین لغیرنا

فصبرنا علیٰ بعض الالم، یعنی جب رسول اللہ فوت ہوگئے تو ہم نے کہا کہ ہم اہل ہیں۔ اور اس کے ولی (وارث) ہیں۔ ہم نے سمجھا کہ پیغمبر کی سلطنت میں ہم سے کوئی جھگڑا نہیں کرے گا۔ مگر ہماری قوم نے انکار کیا۔ اور ہمارے غیر کو حاکم بنا لیا۔ خدا کی قسم اگر لوگوں کے متفرق ہونے اور دین کے ضائع ہونے اور کفر کے لوٹنے کا اندیشہ نہ ہوتا۔ تو ہم تبدیل کر دیتے۔ مگر ہم نے بعض مصائب پر صبر کیا۔
حضرت امیر علیہ السلام کو ان نا ملائم اتفاقات کے پیش آنے پر صبر کرنے کی خود پیغمبرؐ نے وصیت فرمائی تھی "یا علی بعد از من تو مکروہات خواہند رسید۔ باید کہ دل تنگ نشوی و صبر کنی۔ چوں مرداں دنیا را اختیار کنند تو آخرت را اختیار کنی" (مدارج النبوۃ جلد ۲ شاہ عبد الحق دہلوی) یعنی اے علیؑ میرے بعد تکالیف آئیں گی۔ دل تنگ نہ ہونا۔ اور صبر کرنا اگر لوگ دنیا کو قبول کریں تو آخرت پر نظر رکھنا۔ جب حضرت امیرؑ کو پیغمبرؐ کی وصیت بھی ہو۔ اور دین کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہو۔ ان دو عظیم امور کو حضرت علیؑ جیسا عادل اور پرہیزگار انسان گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ خواہ کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو جاتا۔

ایک اور اعتراض از مصنف

صـ۱۸۲ پر مصنف "تحقیق فدک" نے استدلال کیا ہے۔ کہ شیعہ عقائد میں فدک خاص حق فاطمہ تھا۔ جو آپ سے غصب کر لیا گیا۔ جب خلافت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے پاس پہنچی تو آپ نے اُس کو بحال رکھ کر تصدیق فرما دی۔ در آنحالیکہ آپ تغیر و تبدل پر قادر تھے۔" آگے صـ۱۸۳ پر لکھتے ہیں کہ "اگر حسب زعم شیعہ حضرت ابوبکر کی خلافت میں فدک مغصوب ہو کر نا اہل ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ تو حضرت علی المرتضیٰ کا امام اور بادشاہ ہونے کی وجہ سے پہلا فرض تھا کہ فدک کو صحیح طریقوں پر استعمال فرماتے۔ کیونکہ خلیفہ برحق کا اور کام ہی کیا ہے۔"
فدک کا حق فاطمہ ہونا اور مغصوب ہونا اور اس کا نا اہل ہاتھوں میں چلا جانا ہم کتاب ہذا میں بیان کر چکے ہیں۔ رہا حضرت علیؑ کا تغیر و تبدل پر قادر ہونا وہ بھی شاہ ولی اللہ دہلوی کے بیان کے مطابق اور خود اہل سنت کی تصریح کے مطابق الٰہی الٰہی واضح کر دیا گیا ہے۔ طرح قادر نہیں تھے۔ جیسے اصحاب ثلاثہ اور نبی کریم تھے۔
لیجئے ذیل میں ہم چند واقعات کتب اہل سنت سے لکھ کر ثابت کر دیتے ہیں۔ کہ خود سرور کائنات اور حضرت عمر نے باوجود تمکنت تامہ اور تسلط عامہ ہونے کے چند امور کو بوجہ خوف فتنہ اپنے مقام پر بحال رکھا۔

حضرت رسولؐ باوجود تسلّط عامہ بنیاد کعبہ درست کر سکے

مصفّٰی و مسوّیٰ شرح موطا امام مالک از شاہ ولی اللہ دہلوی مطبع فاروقی دہلی جلد ا صفحہ ۲۹۷ عائشہ سے روایت ہے۔ قال الم تری ان قومک حین بنوا الکعبہ اقتصروا علیٰ قواعد ابراھیم قالت فقلت یا رسول اللہ افلا تردھا علیٰ قواعد ابراھیم قال لولاحدثان قومک بالکفر افعلت ترجمہ از شارح شاہ ولی اللہ دہلوی از حضرت عائشہ فرمود رسول کریمؐ آیا ندیدی کہ قوم تو وقتیکہ بنا کردند خانہ کعبہ راکم کردند از بنیاد حضرت ابراہیم گفت حضرت عائشہ یا رسول اللہ آیا نمیگردانی کعبہ را بدستور قواعد ابراہیم فرمود علیہ السلام اگر نمی بود قریب عہد قوم بکفر البتہ میکردم۔ (ترجمہ اُردو) یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ کیا تو نہیں دیکھتی۔ کہ جس وقت تیری قوم نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی تھی۔ تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ بنیادوں سے کم کر دیا۔ عائشہ نے کہا یا رسول اللہ آپ ٹھیک اور پوری کر دیں۔ آنحضورؐ نے فرمایا اے عائشہ اگر تیری قوم نئی نئی مسلمان نہ ہوتی۔ تو میں ایسا ہی کرتا۔ یہ حدیث صحیح مسلم مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۲۹ پر اور صحیح بخاری میں بھی ہے۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ کعبہ کی بنیادیں قواعد ابراہیم سے کم تھیں۔ آنحضرتؐ نے لوگوں کے خوف سے کعبہ کو درست نہ فرمایا۔ چونکہ اس وقت مسلمان یہی سمجھتے تھے۔ کہ کعبہ اپنے مقام پر درست ہے۔ جیسا کہ فدک کی کارروائی کو حضرات ثلاثہ کے زمانہ میں درست خیال فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عمر باوجود غلبہ قرآن کی کمی کو پورا نہ کر سکے

دوسرا واقعہ ملاحظہ ہو۔ حضرت عمر کے متعلق کہ باوجود عرب۔ عراق اور ایران پر تسلط رکھنے کے اور حسب عقیدہ مریدان خود دین میں غلبہ حاصل کرنے کے قرآن کی کمی کو پورا نہ کیا۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۶۹ مطبوعہ مصر ۱۳۵۵ھ قال عمر لولاان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکتبت اٰیۃ الرجم بخیدی۔ ترجمہ۔ عمر نے کہا کہ اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر نے کتاب خدا میں زیادتی کر دی تو میں اپنے ہاتھوں سے آیت رجم قرآن میں لکھ چھوڑتا۔ ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عقیدہ قرآن میں کمی کا حضرت عمر اور ان کے مریدوں کا ہے۔ شیعوں کے نزدیک قرآن بفضلِ خدا اکمل ہے۔

میرے معزز ناظرین احباب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مکمل غلبہ

فتح مکہ کے روز ہو گیا تھا۔ حضرت عمر کا غلبہ تو اہل سنت کے ہاں مسلّم امر ہے۔ حضرت سرور کائنات نے کیوں نہ خانہ کعبہ کو درست کیا۔ اور لوگوں کے کفر پر واپس ہونے سے خوف کھا گئے۔ حضرت عمر نے کیوں نہ قرآن کی ایک آیت لکھ کر کمی کو پورا کر دیا۔ حالانکہ خانہ کعبہ اہل اسلام کا قبلہ ہے۔ اور قرآن شرعی دستور العمل ہے۔ جب یہ ہی اہل سنت کے نزدیک درست نہیں تو باقی پھر اسلام میں رہ کیا گیا ہے۔ فدک تو ایک مالی نقصان تھا۔ حضرت علی نے بوجہ خوف فتنہ اگر واپس نہ کیا تو کیا ہو گیا۔ حضرت علی پر اعتراض کرنے والے سوچ کر جواب دیں۔ کہ اگر مسلمانوں کا فیصلہ غلط تھا۔ تو کیوں درست ہوا۔ اور قرآن کم تھا تو وہ کیوں نہ ٹھیک کیا گیا۔

یاد رکھیں اگر حضرت امیر علیہ السّلام کے فدک واپس نہ کرنے پر اعتراض کیا۔ تو ان دو واقعات مذکورہ کی بنا پر نبیؐ کی نبوت اور عمر کی امامت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اگر آپ کو یہ بات منظور ہے تو بے شک اعتراض کریں اور جواب لیں۔

اگر آپ ارشاد فرمائیں کہ جناب سرور کائنات کو اس وقت غلبہ اور قدرت نہیں تھی۔ اس لئے کعبہ درست نہ فرمایا۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ کیا فتح مکہ والے روز بھی غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان کو بھی باوجود ساری اسلامی سلطنت سنبھالنے کے غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ جو فرمان رسول کے مطابق کعبہ درست کر دیتے۔ کیا آج تک کسی مسلمان سنی بادشاہ کو قدرت حاصل نہیں ہوئی کہ پیغمبر کے دلی ارادہ کی تکمیل کر دے۔ پس جو جواب آپ دیں گے۔ ہمارے جواب کو اسی پر قیاس کر لیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوا۔ جو فدک واپس کر کے عمل ابوبکر کی تردید کرتے۔ نیز اگر آپ اقرار کریں۔ کہ اصحاب ثلاثہ کو غلبہ نہیں ہوا۔ تو آیہ استخلاف کے مصداق کون ہوں گے حالانکہ خدا نے تمکنت فی الدین کا وعدہ فرمایا ہے۔ کیا وعدہ خدا کا غلط نکلا۔

منابر اور مساجد میں آیۂ استخلاف کی تلاوت کرنے والو ذرا غلبہ کی تشریح کرو۔ ورنہ تمام بنا بنایا کھیل سقیفہ کا ختم ہو رہا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ خلیفہ برحق کا اور کام ہی کیا ہے۔ جو حقداروں کے حقوق واپس نہ کرے۔ خوب ہمارے عقیدہ کی ترجمانی کر دی۔

ہم بھی تو یہی کہتے ہیں۔ کہ اگر حضرات ثلاثہ خلیفہ برحق ہوتے تو ضرور بالضرور فدک جناب فاطمہ کو واپس کر دیتے۔ حالانکہ ان کے اپنے قبضہ میں تھا۔ اور دینے پر قادر بھی تھے۔ مگر خلیفہ ثالث نے

نے بجائے اولاد فاطمہ کے دینے کے اپنے داماد مروان کو رضامند کیا۔

کیا حضرت سرور کائنات کا نبی ہونے کی حیثیت سے یہ فریضہ نہیں تھا۔ کہ شریعت کے بڑے رکن کو ٹھیک کرتے اور حضرت عمر کا امام ہونے کی حیثیت سے حق نہیں تھا۔ جو آیۂ رجم قرآن میں لکھ دیتے۔ نبی برحق اور امام برحق کا سوا اس کے اور کام کیا ہے۔ پس جس مصلحت کی بنا پر حضرت رسولؐ اور عمر نے خلاف شرع (حسب زعم اہل سنت) امور خوف فتنہ وفساد سے سکوت اختیار کیا۔ اسی مصلحت کی وجہ سے حضرت امیر علیہ السلام نے خاموشی اور صبر کیا۔ اور اگر امور بالا کے سر انجام دینے سے نبی کی نبوت اور عمر کی امامت میں فرق آسکتا ہے۔ تو بے شک حضرت مرتضیٰ کی امامت بھی خطرہ میں ہوگی بصورت دیگر اگر رسالت رسولؐ و امامت عمر بحال ہے تو میرے مولا و آقا کی خلافت اپنے مقام پر صحیح ہے۔ چاہے آپ کچھ اعتراض کریں۔ ؎

سینکڑوں بار ہوئے اپنے کئے پر نادم لکھی تحقیق فدک کون سا ناوک مارا

حضرت چوکیروی کا لفظ صدیق پر نازاں ہونا

شاہ صاحب تحریر کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے صدیقی طریق حکومت کو اختیار کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ کیوں نہ ہو۔ وہ بھی صدیق۔ یہ بھی صدیق اور صدیق صدیقوں کی تصدیق کیا کرتے ہیں۔ تحقیق فدک ص ۱۸۵، ۱۸۶

جواب۔ حضرت امیر علیہ السلام کا صدیقی طرز حکومت کو اختیار کرنا جس طریقے پر ہوا۔ وہ ابھی ابھی ہم بیان کر آئے ہیں۔ دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ باقی رہا صدیق کا صدیق کی تصدیق کرنا یعنی ابوبکر کی علیؑ نے تصدیق کی۔ تو یہ بالکل مفروضہ بات ہے ہم قدرے اس پر بحث کرتے ہیں۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ صدیق اکبر کون تھا۔

معلوم ہونا چاہئے۔ کہ جس شخص کو نہ خدا صدیق بنائے اور نہ رسولؐ ارشاد فرمائے۔ اور نہ ہی اہل بیت رسول مزعومہ صدیق کی صداقت کو قبول کریں۔ کیا وہ صدیق ہو سکتا ہے۔ جس جگہ کارکنان سقیفہ نے مسند نبوی پر قبضہ کیا۔ حقوق اہل بیت چھین کر اقتصادی حالت کمزور کی۔ اس جگہ حضرت امیر علیہ السلام کے مخصوص القلب بھی مریدان باصفا نے اہل سقیفہ کے ساتھ چپالی کر دیئے۔ ایک فرضی صدیق کی صداقت کو چار چاند لگانے کے لئے حضرات اہل سنت نے ایک مخصوص

صدیق یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کذب کا بہتان لگا کر اہل صفا کے ساتھ عداوت کا ثبوت دیا۔ دیکھئے شرح مشکوٰۃ عبدالحق دہلوی بخاری لم یکذب ابراھیم الا ثلاثۃ کذبات یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ساری زندگی میں صرف تین جھوٹ بولے۔ اگر حضرت ابراہیمؑ جیسا نبی (نعوذ باللہ) جھوٹ بول سکتا ہے۔ تو میرے خیال میں بنا بنایا صدیق نے تمام عمر میں سچ کبھی نہ بولا ہوگا۔

حضرت فاطمۃ الزہراؑ مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے ناراض گئیں۔ اور حضرت امیر علیہ السلام نے چھ ماہ تک بروایت بخاری مسلم تصدیق نہ کی۔ حضرات حسنین نے ابوبکر کو کہا ہمارے باپ کے منبر سے نیچے اتر آؤ۔ (ازالۃ الخفا محدث دہلوی) کہہ کر تصدیق نہ کی۔ جس انسان کو حضرات اہل بیت صدیق نہ کہیں ہم تو تیار نہیں کہ کسی غیر کی چیز کو دوسرے کے حوالے کریں۔

صدیق صرف تین ہیں

ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ کہ علماء اہل سنت اپنی تمام صحاح ستہ سے حضرت رسولؐ کا ابوبکر کو صدیق کہنا یا خود خلافت مآب کا اپنے آپ کو لفظ صدیق سے تعبیر کرنا دکھلا دیں۔ ہرگز کوئی روایت موجود نہیں۔ برخلاف اس کے کہ رسولؐ پاک صدیق کہیں صداقت کی نفی کر دی۔ ملاحظہ ہو براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ صـ۲۱۳ فرمایا رسولؐ پاک نے کہ الصدیقون ثلاثۃٌ حزقیل مومن آل فرعون وحبیب النجار صاحب آل یٰسین وعلی ابن ابی طالب یعنی صدیق صرف تین ہیں۔ حزقیل وحبیب النجار وعلیؑ ابن ابی طالب۔

یہ حدیث فرما کر آنحضرت نے صدیقیت حضرت امیرؑ کے لئے اس امت میں مخصوص کر دی۔ اگر حضرت ابوبکر بھی صدیق ہوتے تو ان کا نام گرامی بھی ضرور لیتے۔ حالانکہ وہ بقول اہل سنت علیؑ سے قبل مشرف باسلام ہو چکے تھے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفا مقصد ۲ صـ۲۴ م۱ مطبع صدیقی بریلی پر ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ حضرت رسولؐ نے ابوبکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ الشرک فیکم اخفیٰ من دبیب النمل یعنی اے ابوبکر شرک تمہارے اندر چیونٹی کی چال چل رہا ہے۔ جس انسان کے اندر ذرہ بھر شرک ہو اس کا ایمان بھی خطرے میں ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو صدیق کہا جائے۔ حالانکہ صدیق وہ ہوتا ہے۔ جو اپنی فطرت میں انبیاء سے مشابہت تامہ رکھتا ہو۔ ملاحظہ حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ موطا امام مالک شرح شاہ ولی اللہ دہلوی فارسی جلد ۲ صـ۲۶۳ میں ایک حدیث نقل ہے۔ جس کا صرف ترجمہ لکھا جاتا

ہے۔ کہ آنحضرتؐ میدان احد سے گذرے۔ ساتھ ابوبکر بھی تھا۔ آنحضرتؐ نے شہدائے احد کی تعریف کی کہ تم نے اسلام قبول کیا۔ جہاد کیئے۔ اس پر ابوبکر نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ہم نے اسلام قبول نہیں کیا۔ جہاد نہیں کیئے۔ کیا ہم ان کے بھائی نہیں۔ کیا ہجرت نہیں کی۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ میرے بعد تم کیا کیا محدثات کرد گے۔ حضرات! اگر حضرت ابوبکر صدیق ہوتے ضرور پیغمبر اسلام صداقت کا سرٹیفکیٹ دے کر اپنے یار غار کو خوش کرتے۔ اور روتے نہ دیتے۔ مگر نگاہِ نبوت پردۂ مستقبل میں سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے تصدیق نہ فرمائی۔

فرمانِ رسولؐ کہ صدیق اکبر علیؑ ہے

ذیل میں ہم حضرت رسول کریمؐ کے چند ارشادات نقل کرتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ سوائے حضرت امیر علیہ السلام کے اور کوئی صدیق اکبر نہیں۔ اس کے بعد خود حضرت امیر علیہ السلام کا اپنے آپ کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم کہنا لکھا جاویگا۔ سوائے حضرت امیرؑ کے نہ پیغمبر نے ہی کسی کو اور نہ ہی خود کسی شخص نے ایسا دعویٰ کیا۔ یہ محض یار لوگوں کی خوش اعتقادیاں ہیں۔ ملاحظہ ہو ارجح المطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب مؤلفہ عبید اللہ امرتسری ص۲۲ عن سلمان الفارسی وابی ذر غفاری قالا اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بید علی فقال ان ھذا اول من امن بی وھذا فاروق ھذا لامۃ وھذا یعسوب المومنین وھذا من یصافحنی یوم القیامۃ وھذا صدیق الاکبر اخرجہ الطبرانی والدیلمی والطبرانی فی الکبیر فی مسند سلیمان یہی حدیث استیعاب برحاشیہ اصابہ جلد ۴ ص۱۷۰ پر بھی موجود ہے۔ ترجمہ:۔ سلمان فارسیؓ و ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت نبی کریمؐ نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ کہ یہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا۔ اور یہ اس امت کا فاروق ہے۔ اور مومنین کا سردار ہے۔ اور بروز قیامت مجھ سے مصافحہ کرے گا۔ اور یہ صدیق اکبر ہے۔ اس حدیث کو طبرانی۔ دیلمی نے مسند سلیمان میں روایت کیا ہے۔

حضرت امیرؑ نے فرمایا کہ میں صدیق اکبر ہوں

اسی ارجح المطالب ص۲۲ پر لکھا ہے عن معاذۃ العدویۃ قالت سمعت علیاً علی المنبر منبر البصرۃ یقول انا صدیق الاکبر۔ ابن ماجہ باب مناقب علیؑ میں ہے۔ کہ فرمایا حضرت امیر علیہ السلام نے کہ انا عبد اللہ واخو رسول اللہ انا صدیق الاکبر لا یقولہا

بعدی الاکذاب یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول کا بھائی ہوں۔ اور میں صدیق اکبر ہوں۔ جو شخص میرے سوا کہے گا وہ کاذب ہے۔ شاید ناظرین کو شبہ پڑ جائے کہ اس حدیث میں بعدی کا لفظ ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ سے پہلے کوئی اور صدیق اکبر ہو۔ جیسا کہ ابوبکر پہلے گزر چکا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو خود پیغمبرؐ نے تمام صحابہ کی موجودگی میں علی کو صدیق اکبر فرما کر کسی دوسرے صدیق کی نفی کر دی۔ تاہم کچھ شبہ باقی رہ گیا ہے۔ تو ہم ایک اور روایت لکھ کر تسلی کرا دیتے ہیں۔

میزان الاعتدال مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۱ ترجمہ عباد بن عبداللہ میں علی سے روایت ہے۔ فرمایا۔ انی عبد اللہ واخو رسولہ وانا صدیق الاکبر وما قالہا قبلی ولا یقولہا بعدی الا کاذب مفتر ولقد اسلمت وصلیت قبل الناس بسبع سنین یعنی علی نے فرمایا کہ میں خدا کا بندہ اور رسول اللہ کا بھائی اور صدیق اکبر ہوں۔ اس کلمہ کو میرے سوا کسی نے نہ مجھ سے پہلے کہا۔ اور نہ پیچھے کہے گا۔ مگر وہ شخص جو جھوٹا اور مفتری ہے۔ میں اس لئے صدیق اکبر ہوں کہ میں نے سات برس تمام لوگوں سے پہلے نبی کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ دلائل واضح مندرجہ بالا سے اچھی طرح روشن ہو گیا۔ کہ صدیق اکبر سوائے علی ابن ابی طالب کے کوئی اور نہیں۔ اب اس بحث کو ختم کر کے آگے چلتے ہیں۔ کیونکہ طوالت کا خطرہ۔ اور ناظرین کی سمع خراشی کا اندیشہ ہے۔

تقیہ کی چہارگانہ شرائط کا جواب

مصنف نے کتب شیعہ سے تقیہ کی چار شرطیں لکھ کر ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام پر یہ چار شرطیں منطبق نہیں ہو سکتی تھیں لہٰذا انہوں نے تقیہ نہیں۔ ملاحظہ ہو تحقیق فدک صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰

شرط اول کا جواب (۱) "بھاری ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہے منافع حاصل کرنے کے لئے تقیہ نہیں ہے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام نے عمل ابوبکر کی تصدیق نہیں کی۔ بلکہ حسب اعتقاد اہل سنت مجبوری کی بنا پر اصلاح امور شریعت نہ کر سکے۔ اور یہی تقیہ ہے۔ حضرت نبی کریمؐ نے ۱۳ سال مکہ کی زندگی تقیہ میں گزاری۔ اور کعبہ کی اصلاح نہ کر سکے۔ بعد ازاں مدینہ میں آکر باوجود

ظاہری اقتدار حاصل ہونے کے بھی قواعد کعبہ ٹھیک نہ کر سکے۔ ہر ایک انسان کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ دوسرا انسان قیاس نہیں کر سکتا۔ بفرض تسلیم اگر حضرت امیر علیہ السلام نے تقیہ نہ بھی کیا ہو۔ تب بھی ردّ فدک ایک مشکل امر تھا جس طرح اصلاح کعبہ مشکل امر تھا۔ لہٰذا ظاہری اقتدار ہوتے ہوئے بھی ردّ فدک نہ ہو سکا۔ اس میں کونسی قباحت ہے۔ ہم اب تقیہ کی پہلی شرط کے متعلق دیکھتے ہیں۔ کہ آیا حضرت امیر علیہ السلام تقیہ کر سکتے تھے یا نہیں۔ حضرت امیر علیہ السلام کے سامنے اس وقت دو امر جیسے پیش تھے۔ ایک فدک اپنے ذاتی مال کو واپس کرنا۔ دوسرا اگر عمل ابوبکر کی تردید کرتے ہیں تو رعایا بگڑ کر مخالف ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اسلام کا نقصان ہوتا ہے۔ ان دو نقصانات میں سے ظاہر ہے۔ کہ اسلام کے ضائع ہونے کا نقصان زیادہ ہے۔ تقیہ کے شرائط میں سے ایک یہ بھی شرط ہے۔ بلکہ پیغمبر کی حدیث ہے۔ کہ جب مومن کے سامنے دو امور پیش ہوں تو اس کو اختیار کرے جس میں نقصان کم ہو ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ نولکشور ص ۲۸۱ یہ ظاہر ہے۔ کہ اسلام کے نقصان سے تضییع فدک کم نقصان تھا۔ لہٰذا فدک واپس نہ لیا۔ اور اسلام کا بچاؤ مدنظر تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ قبل پچیس سال بھی حفاظت اسلام ہی مدنظر تھی۔ ورنہ ان بچاروں لوگوں کی کیا ہستی تھی جو ذوالفقار کا وار برداشت کر سکتے۔ ان لوگوں کو فکر حکومت تھی۔ اسلام اہل بیت کا پروردہ تھا۔ اسلام کے ضائع ہونے کا درد علیؑ کو تھا۔ یہ بھی درست ہے۔ کہ حضرت امیرؑ کو موت کا خطرہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ خود حضرت امیر کا فرمان ہے۔ کہ موت کی طرف میں اس طرح لپکتا ہوں جس طرح بچہ ماں کی چھاتی کی طرف جاتا ہے۔ حکومت کا خطرہ بھی نہیں تھا حکومت کے بغیر بھی رہ سکتے تھے۔ جہاں روحانی حکومت تھی اگر حکومت دنیاوی بھی ہوتی۔ تو زیادہ بہتر تھا۔ دین کئی فرقوں میں منقسم نہ ہوتا۔

ص ۱۹۲ پر تحریر کرتے ہیں۔ کہ حکومت کوئی مقاصد میں نہیں ہے۔ ہم بھی تو کہتے ہیں۔ کہ واقعی حکومت عظیم الشان مقاصد میں سے نہیں ہے۔ اگر بموجب آپ کے عقیدہ کے حکومت کوئی مقصد نہیں تھا۔ تو آپ کے مرشدان باصفا نے کیوں اہل بیت سے فدک چھینا۔ حکومت لی۔ قصد احراق باب فاطمہ کیا۔ ان تمام چیزوں سے بچنے کیلئے اگر حکومت دے دیتے تو کیا ہرج تھا۔ آج نشانہ اعتراضات نہ بنتے۔ تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت امیر علیہ السلام کا تقیہ کرنا جلب منافع و تحصیل حکومت کیلئے نہیں تھا۔ بلکہ عزت اسلام کی حفاظت مقاصد عالیہ میں سے تھی۔ لھٰذا اصول کافی کی مرویہ شرط اوّل دربارہ تقیہ کے مطابق عمل

امیر علیہ السلام نے جو کچھ کیا عین تقاضائے وقت کے موافق تھا۔

شرط دوئم کا جواب " تقیہ کی وجہ سے کسی کا قتل ہونا لازم نہ آئے"۔ یہ لازمی امر ہے۔ کہ جب حضرت امیرؑ فدک واپس کر کے عمل ابوبکر کی تردید کرتے۔ تو حضرت کی فوج بگڑ جاتی۔ اور عام رعایا کا رخ تبدیل ہو جاتا۔ کیونکہ یہ تمام لوگ وہی تھے۔ جو ابوبکر کو خلیفہ حق مانے ہوئے تھے۔ لھٰذا اگر اس کے عمل کے خلاف تردید ہوتی۔ تو ضرور جنگ چھڑ جاتی۔ جس کی وجہ سے اسلام کا نقصان عظیم ہوتا۔ ہزاروں آدمی قتل ہو جاتے۔ جیسا کہ جنگِ جمل و جنگ صفین میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل ہوا۔ لہٰذا ان قتلوں سے بچنے کے لئے حضرت نے فدک بحال رکھا۔ اپنی طرف سے حضرت امیرؑ نے حفاظتِ اسلام کی خاطر کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اگر اعتراض کرنیوالا یہ کہے کہ پھر معاویہ و حضرت عائشہ سے جنگ کیوں کی گئی۔ حالانکہ اس جگہ بھی وہی اندیشہ تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جنگ جمل و صفین کے علمبرداروں نے جنگ کا آغاز خود بخود کیا۔ حضرت امیر علیہ السلام محض مدافعت کی خاطر لڑے۔ اس وجہ سے حضرت امیرؑ پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ فتنۂ جنگ کے سبب (قتل عثمانؓ) سے بار بار جناب امیرؑ نے برّیت ظاہر کی۔ مگر وہ پھر بھی نہ مانے۔ ان جنگوں کا مقام وہی تھا۔ جو رسولؐ خدا کی جنگوں کا ہوتا تھا۔ تمام تر ذمہ داری اور قتل و غارت کے بارکش حضرت امیرؑ کے مخالف ہی تھے۔ اگر حضرت امیرؑ فدک واپس کرتے تو آغاز جنگ حضرت امیرؑ کی طرف سے لوگ گمان کرتے۔ حالانکہ پھر بھی وہ اپنے مقصد میں حق پر ہوتے۔ مگر اس اعتراض سے بھی بچنے کی خاطر اپنی طرف سے ذرہ بھر بھی کوتاہی نہ کی۔

شرط سوئم کا جواب۔ " عادل بادشاہ موجود نہ ہو"۔ بے شک حضرت امیر علیہ السلام کے زمانہ میں عادل بادشاہ وہ خود ہی تھے۔ مگر چند مجبوریوں کی بناء پر ایک آدھ شرط سے انسان مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مدینہ میں خود نبی کریمؐ عادل بادشاہ بھی تھے۔ اور تقیہ کر کے قواعد کعبہ کی اصلاح بھی نہ کی۔ حضرت عمر بزعم اہل سنت عادل بادشاہ بھی تھے۔ مگر تقیہ کر کے آیۂ رجم کو قرآن میں لکھ ہی نہ سکے۔ جو جواب آپ کا وہی ہمارا۔

شرط چہارم کا جواب " تقیہ باعث گمراہی نہ بن جائے"۔ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جتنی گمراہی پہلے ہو چکی تھی۔ وہ تو ہو ہی چکی تھی۔ واپسی فدک میں اور زیادہ خطرہ گمراہی کا تھا۔ وہ اس لئے کہ تردید عملِ ابوبکر پر وہ لوگ تو خود بخود علیحدہ ہو جاتے جو اس کو خلیفہ حق مان چکے تھے۔ باقی چند ایک مخلص اصحاب رہ جاتے۔ جنگ چھڑنے پر ان کا خاتمہ بھی ہو جاتا۔ لہٰذا جن اصحاب علی علیہ السلام سے کچھ نہ کچھ ترویج دین

ہونی تھی وہ بھی رہ جاتی۔ حضرت امیر علیہ السلام نے اس امر کو مناسب نہ سمجھا۔ اور تقیہ اختیار کر کے مزید اپنی طرف سے حجت قائم کر دی۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ بہ نسبت ردّ فدک کے اصلاح کعبہ اور آیۂ رجم کا قرآن میں لکھنا زیادہ گمراہی کا موجب تھا۔ اسی واسطے پیغمبر اسلام نے اپنے اصحاب کی گمراہی کے اندیشہ سے اصلاح نہ کی۔ اور عمر نے بھی اسی وجہ سے کہ اگر میں قرآن میں آیۂ رجم لکھتا ہوں۔ تو لوگ گمراہ ہو جائینگے۔ کمیٔ قرآن کو پورا نہ کیا۔

تقیہ کے جواز کی چہار گانہ تشریح پر ہم نے جو بحث کی ہے۔ اہلِ بصیرت کے لیئے وہ کافی و شافی ہے۔ اور ثابت ہو چکا ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام نے نبیٔ کریم کی تاسی میں ردّ فدک نہ کرتے ہوئے سنت نبوی کو چار چاند لگا دیئے۔

صفحہ ۱۹۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ آجکل کے شیعہ لوگ تقیہ کیوں نہیں کرتے۔ جناب والا! تقیہ اپنے موقعہ و محل کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ جس جگہ شیعہ لوگوں کو آزادی ہے۔ وہاں تقیہ کی ضرورت نہیں۔ اور جہاں کہیں سقیفائی حکومت کے نمک خوار اکثریت میں ہیں۔ وہاں مظلوم شیعہ اب بھی تقیہ کرتے ہیں۔

بقول مصنّف تقیہ کمزور کرتے ہیں

صفحہ ۱۹۳ پر تحریر ہے کہ بھائی تقیہ تو کمزوروں کا کام ہے۔ طاقتور اور زور والا کیا تقیہ کرے گا"

جواب۔ حضرت امیر علیہ السلام کا اور تمام اہل بیت کا مخالف کے ماحول میں کمزور ہونا ہم قبل ازیں شاہ ولی اللہ دہلوی کے بیان سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ امت نے آل نبی کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ اور اسی وجہ سے حقوق اہل بیت کو غصب کر لیا گیا۔

حضرت موسیٰؑ جب میقات کے سلسلہ میں کوہ طور پر گئے تھے۔ تو حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ مگر امت موسیٰ نے وصیٔ موسیٰؑ کو کمزور سمجھا اور سامری کو کھڑا کر کے گوسالہ پرستی شروع کر دی چنانچہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے جواب میں حضرت ہارون نبی ہونے کے باوجود جواب دیتے ہیں۔ جس کو منطقِ وحی نے یوں بیان کیا قال ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی یعنی اے میری ماں جائے۔ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور عنقریب تھا۔ کہ مجھے قتل کر دیتے۔

چونکہ امتِ محمدیہ کو امت موسویہ سے مشابہت تامہ ہے۔ اسواسطے حضرت امیر علیہ السلام جب بعد وفات پیغمبر گرفتار ہو کر دولت سقیفہ کے دروازہ پر پہنچے۔ تو اپنے بھائی پیغمبر کو مخاطب کر کے یہی

حضرت ہارون والے الفاظ کہے تھے۔ یعنی اے برادر جان! آپ کی قوم نے مجھے کمزور سمجھا۔ اور عنقریب تھا کہ مجھے قتل کر دیا جاتا۔ (حق الیقین فارسی) والامامۃ والسیاست صہ۱۳ حضرت ہارونؑ باوجود طاقت نبوت کے اگر کمزور ہو سکتے ہیں۔ تو حضرت علی علیہ السلام بھی باوجود اسد اللہ الغالب ہونے کے تقاضائے وقت کے مطابق کمزور ہو سکتے ہیں۔ نیز خود خداوند عالم نے اپنے کلام مجید میں بھی کمزوروں سے ہی وعدہ کیا ہے۔ کہ وارث اور امام بھی کو بنائیں گے۔ نرید ان نمن علی الذین استضعفو فی الارض و نجعلھم الائمہ و نجعلھم الوارثین۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بنص قرآن امام اور وارث ائمہ اثنا عشر ہی ہیں۔ کیونکہ امت محمدیہ میں زیادہ سے زیادہ کمزور انہی کو کیا گیا۔ اور بظاہر تخاطب قرآنی امت محمدیہ ہی کو ہے۔ اگر یہ لوگ مصداق آیہ مذکورہ نہیں ہو سکتے۔ تو اور کون ہو سکتے ہیں۔

امام پاکستان کو محبت علی کا دعویٰ زیب نہیں دیتا

لکھتے ہیں کہ سبحان اللہ! علمائے اہل سنت کو حضرت علی کی محبت اور تشیع کا دعویٰ زیب دیتا ہے۔ جنہوں نے علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ کے سارے فتوے دل و جان سے قبول کئے ہیں۔" تحقیق فدک صہ۱۹۴

واہ بھائی واہ۔ حضرت علی کی محبت اور اُس کے شیعہ ہونے کا دم بھرنے لگ گئے۔ بسر و چشم ہم قبول کرتے ہیں۔ خدا کرے آپ شیعۂ علی کہلوائیں مگر ؎

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل بنایا ہے بُت پندار کو اپنا خدا تو نے

حضرت علیؑ و فاطمہؑ تو اپنے دعویٰ کی تائید میں آیات قرآن پڑھ کر حاکم وقت کو خاموش کر رہے ہیں۔ آپ کہتے ہیں۔ کہ ابوبکر نے جو کچھ بیان کیا۔ وہ صحیح تھا۔ آپ کا مرشد متعہ بند کرتا ہے۔ اور حضرت علیؑ فرماتے ہیں لولا عمر نھی عن المتعۃ مازنا الا شقی یعنی اگر عمر متعہ بند نہ کرتا تو پھر کوئی بدبخت ہی زنا کرتا۔ (تفسیر کبیر) آپ کہتے ہیں کہ عمر نے ٹھیک کیا۔ اب آپ اور علماء اہل سنت ہی انصاف سے فرمائیں کہ آپ نے فتاویٰ علیؑ و فاطمہؑ کی تصدیق کی یا ان کے مخالفین کی سیرت کو قبول کیا۔ اگر آپ متعہ کو حرام اور جناب فاطمہؑ کو محروم الارث ہونا جائز سمجھتے ہیں۔ تو پھر محبت علیؑ کا دعویٰ محض لاف زنی ہے۔

؎ دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

بخیالِ مصنّف جنگ و جدال آئینی اصلاحات کو نہیں روک سکتے

سوال۔ شاہ صاحب تحریر کرتے ہیں۔ کہ: جنگ و جدال آئینی اصلاحات کو روک نہیں سکتا۔ جیسا کہ خود حضرت نبی کریمؐ کے پاک زمانہ میں جنگ و جدال بھی پیش آئے۔ اور احکام شرعیہ بھی نافذ ہوتے رہے۔ اور اسی طرح صدیقی دور میں جنگ و جدال بھی پیش آتے رہے۔ اور قوانین شریعت بھی جاری ہوتے رہے پھر لکھتے ہیں۔ اگر اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فدک حقداروں کو دیدیتے اور اس پر جنگ و جدال چھڑ جاتا۔ تو اس کی پرواہ نہ کرتے۔ کیونکہ ضرور بالضرور اللہ تبارک و تعالیٰ فتحمندی آپ کو عطا فرماتا۔ وعدہ خداوندی قرآن میں یوں موجود ہے۔ وکان حقا علینا نصر المومنین یعنی ہم پر لازم ہے کہ ہم ایمانداروں کی امداد کریں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اراضیٔ فدک کی اصلاح شرعی کی وجہ سے اگر جنگ چھڑ جاتی۔ تو وہ صفین اور جمل کی جنگوں سے زیادہ واضح شبہات اور قاطع توہمات ہوتی تحقیق فدک ص ۱۹۵ ص ۱۹۶

جواب۔ ذیل میں ہم چند ایک واقعات کتب معتبرہ اہل سنت سے پیش کرکے واضح کرتے ہیں۔ کہ آئینی اصطلاحات کے اجرائے اور قوانین شرعیہ کے نفاذ کے لئے ماحول کی سازگاری اور تقاضائے وقت کا مدنظر رکھنا ہر بڑے سے بڑے مدبر شہنشاہ اور دینی ریفارمر کے لئے ناگزیر ہوتا ہے۔ غیر مسلم لوگوں کے ساتھ بھی اجرائے قوانین کے سلسلہ میں وقت کی مصلحت کو دیکھنا پڑتا ہے۔ مگر ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے بظاہر اسلام قبول بھی کر لیا ہو۔ اجرائے قوانین شرعیہ کے بارے میں جنگ و جدال کرنا اور بھی مشکل پیدا کر دیتا ہے۔ اس بنیر کا ان لوگوں کو ہی پتہ ہے۔ جو روشِ جہانگیری سے بخوبی واقف ہیں۔ اور پھر خصوصاً اس دینی شہنشاہ کو علم ہوتا ہے۔ جس کے پاس دین و سیاست دونوں امور کی قیادت ہو۔ اور پھر حکومت بھی ان لوگوں پر ہو۔ جو مختلف الخیال طبائع اور ذہنیتیں رکھنے والے ہوں۔ عرب جیسی جنگجو اور کینہ ور قوم جنگ و جدال سے ماننے والی نہیں تھی۔

ہم ثابت کئے دیتے ہیں۔ کہ خود سرور کائناتؐ اور ابوبکر نے بھی جنگ و جدال کے فتنہ کے خوف سے چند ایک شرعی قوانین کا نفاذ مصلحت وقت کے پیش نظر نہیں کیا۔ اور اعتراض نہیں کیا جاتا۔ یہ صرف عداوت امیر المومنین علیہ السلام کی ذات منبع سعادات سے ہے۔ کہ ان کے ہر فعل پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ قواعد کعبہ کا درست نہ ہونا۔ اور آیہ رجم کا قرآن میں نہ لکھا جانا

بھی ہمارے سلسلہ جواب کی دو اہم کڑیاں ہیں۔ جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیجئے چند واقعات اور درج ذیل ہیں۔

پہلا واقعہ۔ پہلا واقعہ خود نبی کریم سے متعلق ہے جب آنحضرتؐ مدینہ سے طواف بیت اللہ کی خاطر مکہ جانے لگے۔ اور کفار نے مکہ میں داخل ہونے سے آنجناب کو روکا۔ حدیبیہ کے مقام پر جو اہل اسلام کی اور مخالفین قریش مکہ کی گفتگو ہوئی۔ تمام تفصیل سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم تحریر شرائط نامہ صلح حدیبیہ کی طرف آپ کی توجہ دلاتے ہیں۔ جب شرائط صلح طے ہو گئیں۔ تو "آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی رضی اللہ عنہ را طلبید و فرمود بنویس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سہیل گفت ما رحمان را نمی شناسیم درروایتے گفت اما الرحمٰن الرحیم پس نمے شناسیم ما آنرا بنویس باسمک حینا نکہ پیشتر می نوشتی و متعارف و معہود در جاہلیت در عنوان مکاتیب است نوشتن ایں کلمہ بود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم از وضع دین اسلام است پس مسلمان گفتند ما نمی نویسیم مگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پس فرمود آنحضرت یا علیؑ بنویس باسمک اللّٰہم ہذا قاضی بہ محمد الرسول اللہ وعلیؑ ایں را نوشت سہیل گفت ما اقرار برسالت تو نداریم واللہ اگر دانستیم کہ تو رسول خدای تراز زیارت خانہ کعبہ منع نمی کردیم۔ بنویس محمدؐ بن عبد اللہ۔ سید کائنات فرمود۔ من محمدؐ الرسول اللہ ام وہم محمدؐ بن عبد اللہ بنویس محمدؐ بن عبد اللہ و محوکن لفظ رسول اللہ انتہیٰ مدارج النبوۃ مطبع نولکشور جلد ۱ ص۲۱۲ عبد الحق محدث دہلوی۔ (ترجمہ) آنحضرت نے علی علیہ السلام کو طلب کیا (برائے تحریر شرائط نامہ) اور فرمایا کہ لکھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سہیل (رئیس قریش مکہ) نے کہا کہ ہم رحمان کو نہیں جانتے۔ بلکہ اس کی بجائے باسمک اللّٰہم لکھو جس کو پہلے ہم خطوط کے عنوان میں لکھتے ہیں۔ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دین اسلام کا طریقہ ہے۔ پس مسلمانوں نے کہا۔ کہ ہم سوائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اور نہیں لکھتے۔ آنحضرتؐ نے علی کو فرمایا۔ کہ لکھو باسمک اللّٰہم۔ یہ وہ فیصلہ ہے۔ جس کو محمدؐ الرسول اللہ نے کیا ہے۔ علی ؑ نے لکھ ڈالا۔ سہیل نے کہا کہ ہم تیری رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ واللہ اگر ہم آپ کو رسول جانتے تو زیارت خانہ کعبہ سے کیوں منع کرتے۔ لہٰذا آپ محمدؐ بن عبد اللہ لکھیں۔ سید کائنات نے فرمایا۔ کہ میں محمدؐ رسول اللہ بھی ہوں اور محمد ابن عبد اللہ بھی۔ بعد ازاں علی کو فرمایا کہ لکھ محمدؐ ابن عبد اللہ

اور لفظ محمد رسول اللہ کو مٹا دے۔

واقعات بالا سے دو امور پر روشنی پڑی۔ ایک تو کفار نے آنحضرت کو خانۂ خدا کی زیارت سے روک دیا۔ حالانکہ نبی کریم کے ساتھ کافی اصحاب بھی موجود تھے عمر جیسے جنگجو سپاہی بھی تھے۔

دوسرا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد الرسول اللہ کے الفاظ مٹا دیئے حالانکہ فریضۂ رسالت انہی دو امور میں منحصر تھا۔ یعنی رسالت اور خدا کی توحید کے لئے ہی تو دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ اسلام کے بھی دو بڑے اصول توحید و رسالت ہی تو ابلاغ رسالت کی روح رواں تھے۔ جب ان دو مسائل شرعیہ کی تبلیغ کے سلسلہ میں آنحضرت نے مصلحت وقت کو مدنظر رکھ کر جنگ و جدال سے پرہیز کیا۔ تو اس کے مقابلہ میں فدک کیا چیز ہے۔ جو اس کی خاطر جنگ و جدل سے پرہیز نہ کیا جائے۔ زیارت خانہ کعبہ سے روکا جانا بھی معمولی چیز نہ تھی۔ لہٰذا اس کو بھی ترک کر دیا گیا۔ غرضیکہ اس صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں اور بہت سی شرائط کمزور تحریر ہوئیں۔ جن کی بنا پر ایک بزرگ صحابی کو شک فی النبوۃ بھی ہو گیا تھا۔

کیا جناب پیغمبر اسلام کو چاہیئے نہ تھا کہ جنگ و جدال کو برقرار رکھ کر ان مندرجہ بالا قوانین شرعیہ کا اسی وقت نفاذ کرتے؟ اگر نہیں کیا گیا۔ تو خاکم بدہن ہم اعتراض نہیں کرتے۔ یہ ان لوگوں کا اعتراض ہے۔ جو دربار نبوت میں بڑی گستاخی کے ساتھ آنحضرت سے دو بدو گفتگو کرتے تھے۔ یا پھر ان کے نام لیواؤں کا اعتراض ہے۔ جو خانوادۂ رسالت کے دیگر افراد پر بھی طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

دوسرا واقعہ:۔ دوسرا واقعہ اسی مدارج النبوۃ جلد ۲ مطبع نولکشور شیخ عبدالحق دہلوی صفحہ ۳۱۰ پہ ہے۔ صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ خالد بن ولید تین صد مہاجرین و انصار کے ساتھ قبیلہ بنو خزیمہ کی طرف گیا تاکہ ان کو دعوت اسلام دے۔ زمانہ جاہلیت میں اس قبیلہ نے خالد کے چچا کو قتل کیا ہوا تھا۔ جب انہوں نے خالد کے آنے کی خبر سنی تو بنا بر احتیاط انہوں نے ہتھیار وغیرہ پہن لئے۔ خالد نے ان سے پوچھا تم کون ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں۔ محمد رسول اللہ کی شریعت پر ایمان رکھتے ہیں۔ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ مسجدیں ہم نے بنائی ہوئی ہیں۔ اذان و اقامت جمعہ و جماعت ہم ادا کرتے ہیں۔ خالد نے کہا۔ تم نے ہتھیار کیوں پہنے۔ انہوں نے کہا۔ کہ عرب کے ایک قبیلہ کے ساتھ ہماری عداوت ہے۔ ہم نے خیال کیا۔ کہ شاید وہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کو آیا ہے۔ خالد نے ان کے عذر کو قبول نہ کیا۔ اور کہا کہ ہتھیار اتار دو۔ انہوں نے اتار دیئے اس کے بعد

ان میں سے ہر ایک کے بازو باندھ لئے اور اپنی فوج کے ہر سپاہی کو ایک ایک سپرد کیا۔ سحر کے وقت حکم دیا۔ کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ بنو سلیم نے حکم خالد سے ان بیگناہ قیدیوں کو قتل کر دیا۔ ایک آدمی بنو جذیمہ میں سے بچ گیا۔ اس نے خالد کی یہ ساری کارروائی جناب پیغمبر پاک کی خدمت میں آکر بیان کی۔ آنحضرت غضبناک ہوگئے۔ اور تین بار فرمایا اے اللہ جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اس سے بیزار ہوں۔ چنانچہ آنحضرت نے حضرت امیر علیہ السلام کو بہت کچھ رقم دے کر مقتولوں کے ورثاء کی طرف بھیجا۔ تاکہ خونبہا وغیرہ ادا کر دیا جائے۔ اور رضامند کیا جائے۔ حضرت امیر علیہ السلام نے آکر دیت ادا کی اور ان کو راضی کیا۔ کہتے ہیں کہ مدت تک جناب پیغمبر خالد پر غضبناک رہے۔ شیخ دہلوی لکھتا ہے۔ کہ علماء حیران ہیں کہ خالد کے اس فعل کو کس چیز پر محمول کیا جاوے۔ مسلمانو! یہ وہی خالد ہے۔ جس کو سیف اللہ کا لقب دے رکھا ہے۔ کیا اللہ کی تلوار ناحق مسلمانوں کو قتل کرتی ہے۔ سوچئے اور غور سے کام لیجئے۔ کیا خالد اور اس کے ساتھیوں کا یہ فعل اس قابل نہ تھا۔ کہ ان کو بھی قتل کیا جائے۔ جب بنو جذیمہ اقرار کر رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں شریعت رسول کے پابند ہیں۔ تو محض اپنے چچا کے قتل کا بدلہ لینے کی خاطر ان سے ہتھیار اتروا کر دھوکا سے قتل کر دینا ناقابل معافی جرم نہیں تھا۔ پیغمبر اسلام کا اس کو سزا نہ دینا اور صرف ملامت پر اکتفا کرنا۔ اور تمام مقتولین کی دیت اپنی گرہ سے ادا کرنا محض اسی وجہ سے تھا۔ کہ اگر خالد وغیرہ کو قتل کرتا ہوں تو اس کے سوا خواہ تمام بزرگوار بگڑ جائیں گے۔ اور اسلام کا نقصان عظیم ہوگا۔ آپس میں جنگ و جدل چھڑ جائے گی۔ اور باہر کے دشمن اسلام کی اندرونی خلفشار دیکھ کر حملہ کر دیں گے۔ ورنہ قتل کا بدلہ قتل شرعی آئین تھا۔ جس کو پیغمبر نے محض جنگ و جدل کے فتنہ کے خوف سے درگذر کیا۔ اور خالد کے افعال کو اس کی گردن پر چھوڑ دیا۔

تیسرا واقعہ: تیسرا واقعہ خود اہل سنت کے پیر و مرشد حضرت ابوبکر اور اسی خالد مذکور سے متعلق ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں مالک بن نویرہ نے جو رسول کریم کے زمانہ سے عامل صدقات اپنی قوم پر مقرر تھا۔ زکوٰۃ دینا ابوبکر کو بند کر دی۔ محض اس لئے کہ وہ حضرت ابوبکر کو خلیفہ رسول نہیں سمجھتا تھا۔ چنانچہ ابوبکر نے خالد بن ولید کو فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ خالد نے جا کر مالک مذکور کو قتل کر دیا۔ اور اس کی خوبصورت زوجہ جس پر وہ پہلے بھی عاشق تھا سے قبل انقضاء عدت اسی رات ہم بستری کی۔ جب یہ خبر مدینہ پہنچی۔ تو عمر نے ابوبکر کو کہا۔ کہ خالد نے زنا کیا ہے۔ اس پر حد لگائی

جائے۔ ابوبکر نے کہا کہ نہیں خالد نے خطا کی ہے وہ معذور ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۴۲ نولکشور) براہین قاطعہ ترجمہ فارسی صواعق محرقہ صفحہ ۵۲ پر یہ عبارت ہے کہ "خالد بن ولید مالک بن نویرہ را کہ مسلمان شدہ بود کشت و نکاح زوجہ او کردہ۔ در ہماں شب دخول کرد قبل از انقضائے عدت و چوں عمر برایں معنی اطلاع یافت باصدیق گفت خالد بن ولید بدیں عملے کہ کردہ مستحق قتل است۔ ابوبکر تامل فرمود" ترجمہ: "خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا جو کہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اور اس کی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اور اسی رات دخول بھی کیا۔ قبل اس کے کہ مدتِ عدت ختم ہوئی۔ جب عمر کو پتہ چلا تو ابوبکر کو کہا کہ خالد نے جو یہ فعل کیا ہے واجب القتل ہے۔ ابوبکر خاموش ہو گیا۔"

مصنف تحقیقِ فدک نے لکھا ہے۔ کہ "حضرت ابوبکر نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ بھی کی۔ اور شرعی قوانین بھی جاری رکھے۔" کیا مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے والا یہی خالد نہ تھا جس نے صحابیت کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگا دیا۔ مانعین زکوٰۃ سے تو جنگ کی۔ کیونکہ وہ جناب والا کی ذات کو خلیفہ نہیں جانتے تھے۔ مگر خالد بن ولید کا زنا کرنا اور ایک مسلمان کو قتل کرنا اس امر کا مقتضی نہ تھا کہ حضرت عمر کے مشورہ کے مطابق قتل کیا جاتا۔ مگر حضرت ابوبکر نے اپنے فوجی سپہ سالار کو مصلحت وقت کے مطابق قرار واقعی سزا نہ دی۔ کہ مبادا میری تمام فوج بگڑ جائے۔ اور خالد جیسا بیباک انسان شاید مجھے نہ مل سکے۔ شاہ صاحب فرمائیں کہ کیا قتل کا بدلہ قتل اور زنا کی حد قائم کرنا شرعی قوانین ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو حضرت ابوبکر نے کیوں نہ خالد پر حد قائم کی؟ حضرت نبی کریم کا زیارت کعبہ نہ کرنا اور لفظ رسول اللہ کا محو کرنا۔ خالد بن ولید کے افعال پر دیت خود ادا کرنا۔ ابوبکر کا خالد پر حد جاری نہ کرنا باوجود حضرت امیر علیہ السلام سے زیادہ قادر ہونے کے ہمارے دعویٰ کے بیّن دلائل ہیں۔ کہ جنگ و جدال کے زمانہ میں اور سلطنت کی اندرونی خلفشاروں کے ہوتے ہوئے اور امید خوف فتنہ کی خاطر آئینی اصلاحات کا جاری کرنا کسی بادشاہ کے لئے مشکل ہو جایا کرتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات ناممکن بھی ہو جایا کرتا ہے۔

دوربین نگاہیں مستقبل کے بہترین اوقات کا انتظار کرتی ہیں جیسے پیغمبر اسلام نے حدیبیہ کے معاملہ میں انتظار کیا لہٰذا اگر حضرت امیر نے فدک واپس نہ کیا۔ تو انہی امور بالا پر قیاس کر لیں۔ آپکا یہ کہنا کہ صدیقی دور میں جنگ و جدال پیش آتے رہے اور قوانین شریعت بھی نافذ ہوتے رہے غلط ثابت ہوا۔ کیونکہ مانعین زکوٰۃ کے ساتھ اور مدعیان نبوت کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ جاری رہا مگر خالد بن ولید

پر شریعت کی حد جاری نہیں ہوئی۔ ع منظور ہے گذارش احوالِ واقعی

نصرتِ خداوندی کا مفہوم | مصنف تحقیق فدک کا یہ لکھنا کہ اگر حضرت علی جنگ کرتے تو خدا ضرور مدد کرتا۔ کیونکہ اس کا وعدہ مومنین کی امداد کرنا ہے تحقیق فدک ص۱۹۵

جواب۔ خداوند عالم ضرور بالضرور اپنے مومنین بندوں کی امداد کیا کرتا ہے لیکن بعض اوقات ترقیٔ درجات کی خاطر وہ امتحان بھی لیتا ہے۔ آپ ارشاد فرمائیں۔ کہ اگر رسول کریم کفار مکہ کے مقابلہ میں صلح حدیبیہ کے مقام پر کمزور شرائط منظور نہ کر کے جنگ پر تیار ہو جاتے۔ تو کیا خدا امداد نہ کرتا یا آنحضرت کو امداد کی امید نہ تھی۔ جس کی بنا پر لفظ رسول اللہ محو کر دیا۔

اگر ابوبکر خالد سے قتل کا بدلہ لیتا۔ تو کیا خداوند عالم ابوبکر کی اجرائے حدِ زنا میں امداد نہ کرتا۔ کیا آپ ارشاد فرما سکتے ہیں۔ کہ جنگ جمل و صفین کے موقعہ پر خداوند عالم کس طرف تھا۔ جبکہ دونوں طرف بخیال آپ کے مومن تھے۔ اگر خداوند عالم دونوں طرف تھا۔ تو یہ محال ہے کیونکہ خدا مومنین اور حق کی نصرت کرتا ہے۔ آپ کے علماء نے تسلیم کیا ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام حق پر تھے۔ لہٰذا خدا صرف ایک طرف ہی تھا۔ اور امداد کرتا رہا۔ مگر پھر بھی معاویہ پر تسلط نہ جما سکے۔ اور اس سے اپنی خلافت نہ منوا سکے۔ حضرت رسولِ کریمؐ ابو جہل کو مسلمان کرنے کے لئے زور لگاتے رہے۔ نصرت خدا بھی شامل تھی مگر نہ کر سکے

جناب والا! آپ نے کان حقاً علینا نصر المومنین کا مفہوم ہی نہیں سمجھا۔ ہم کیا کریں۔

کیا آپ ارشاد فرما سکتے ہیں۔ کہ میدان کربلا میں خداوند عالم کی نصرت کس طرف تھی۔ اگر آپ یہ جواب دیں کہ خدا کا وعدہ یزید کے ساتھ تھا۔ اور اسی کی نصرت فرمائی۔ تو آپ کا خارجی ہونا ظاہر ہو جائیگا۔ اور اگر برخلاف اس کے وعدۂ خداوندی شہدائے کربلا کے ساتھ رہا۔ تو یہی ہمارا مفہوم ہے نصرت خدا کا مطلب مومنین کے مشن کو کامیاب کرنا ہے۔ ظاہری طور پر مومنین و انبیا کا کمزور کیا جانا نصرت خداوندی کے منافی نہیں ہے۔

مصنف شبہات کی دلدل میں | تیسرا استدلال جناب مصنف صاحب نے یہ قائم کیا ہے۔ کہ اگر ردِ فدک کے بارہ جنگ چھڑ بھی جاتی۔ تو تمام تر شبہات دور ہو جاتے۔ یعنی پتہ لگ جاتا کہ فدک حق کس کا تھا۔ تحقیق فدک ص۱۹۶

جواب۔ جناب اہلِ بیت نے اپنے حقوق کا اظہار گھر میں بازار اور بھرے دربار میں مجمع مہاجرین والنصار میں اپنے دلائل صریحہ کے ساتھ قولی حیثیت سے اور خود پیغمبر نے ہبہ کر کے عملی حیثیت سے کر دیا تھا۔ لیکن آپ پھر بھی شبہات میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور فیصلہ نہیں کر سکتے ہو۔ کہ فدک کس کا حق تھا۔ میرا خیال ہے۔ کہ اگر عداوت اہلِ بیت کے گورکھ دھندے میں پڑے رہے۔ تو کنارہ قبر تک حق نہیں پا سکو گے۔ مگر ایک دن ضرور قیامت کا آنیوالا ہے۔ جس روز پل صراط پر بیٹھ کر شیعوں کا امام ٹکٹ تقسیم کر رہا ہوگا۔ (صواعق محرقہ) اور حوض کوثر پر مومنین کو سیراب کر رہا ہوگا آپ حضور ولایت میں پیش ہوں گے۔ اور آپ سے میرا مولا کہے گا۔ کہ انہی لوگوں سے جا کر مانگو۔ جن کی ساری عمر وکالت کرتے رہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔

جناب عالی! اگر حضرت امیر علیہ السلام فدک واپس کرتے اور جنگ چھڑ جاتی۔ اور مسلمان قتل ہو جاتے تو آج آپ اسی ذات پر طمع نفسانی کا الزام لگا دیتے۔ جو دنیا کو تین طلاق دے چکا تھا۔ پھر بھی آپ کہہ دیتے۔ میاں حضرت علیؑ کو چاہئے تھا۔ کہ فدک کی خاطر جنگ نہ کرتے۔ اور اتنے مسلمانوں کا خون اپنے سر نہ لیتے۔ حضرت عائشہ و معاویہ کے ساتھ جو حضرت امیر علیہ السلام نے جنگ کر کے بمصداق الحق مع علی فیصلہ کر دیا تھا۔ کہ میرے مخالف باطل پر ہیں۔ مگر باوجود ان تمام اظہر من الشمس واقعات کے ہوتے ہوئے بعض جاہل ملّاں کہہ دیتے ہیں۔ کہ میاں! علیؑ بھی حق پر تھا۔ اور معاویہ بھی حق بجانب تھا۔ حضرت ام المومنین بھی حق پر تھی۔ جناب جنگ کرنے کے باوجود بھی آپ کا ازالہ اشتباہ نہ ہو سکا۔ پھر آپ کس بنا پر کہتے ہیں۔ کہ اگر حضرت امیر فدک پر جنگ کرتے تو سارے وہم دور ہو جاتے۔ جناب والا! اہلِ مکہ نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتا بھی دیکھ لیا۔ مگر نہ مانے۔ اسی طرح اگر آپ کے سامنے ہزار دلائل کے باوجود حضرت علی کا فدک کے بارہ جنگ کرنا بھی ثابت ہو جاتا تب بھی آپ نہ مانتے۔ کیونکہ جن لوگوں سے حضرت امیر علیہ السلام کا جنگ کرنا تاریخ سے ثابت ہے۔ ان کو بھی آپ حق پر خیال کرتے ہوئے اپنا پیر و مرشد مانتے ہو۔ حالانکہ مطابق حدیث رسول (من حارب علیاً فقد حاربنی من حاربنی فقد حارب اللہ من حارب اللہ فقد کفر یعنی جو شخص علی سے لڑا وہ رسول سے لڑا۔ اور رسول سے لڑنے والا خدا سے جنگ کرنے والا ہے۔ اور وہ کافر ہے)

حارب علیؑ کافر ہے۔

لایخافون لومۃ لائم کا مفہوم

مشتہ ۱۹۷: تحریر ہے کہ قرآن حکیم میں ہے لا یخافون لومۃ لائم یعنی خدا کے پیارے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے پھر لکھتے ہیں کہ یہ آیۃ سُنی مفسرین کے نزدیک ابوبکر کے حق میں ہے اور شیعہ مفسرین کے نزدیک حضرت علیؑ کے بارہ میں۔ اگر حضرت امیر علیہ السلام کے حق میں سمجھی جاوے تو فدک کا واپس نہ کرنا لوگوں کی ملامت کی وجہ سے غلط ٹھہرتا ہے۔ تحقیق فدک صـ۱۹۷

جواب جناب والا! آیہ مذکورہ کا مفہوم آپ نہیں سمجھے۔ اگر وہی مقصد مراد لیا جائے۔ جو آپ نے خیال کیا ہے۔ تو آپ پر ایک اور مشکل وارد ہو گی۔ آپ کہتے ہیں کہ ابوبکر کے حق میں ہے بلکہ اسی آیت سے بموجب قول آپ کے امام فخر الدین رازی نے ابوبکر کی خلافت بلا فصل کا استدلال کیا ہے۔ اگر ابوبکر لوگوں کی ملامت سے نہیں ڈرتا تھا۔ تو کیوں نہ خالد بن ولید پر قتل اور زنا کی حد جاری کی۔ یہی تو خوف تھا۔ کہ خالد کی قوم بگڑ جائے گی پھر خالد جیسا مبغض علیؑ مل نہیں سکیگا۔ اگر آیۂ مذکورہ کا مصداق ابوبکر ہو سکتا ہے۔ تو لازمی بات ہے۔ کہ حضرت عمر بدرجۂ اولیٰ مصداق ہوں گے ان کا یہ فرمانا کہ اگر لوگوں کی ملامت کا خطرہ نہ ہوتا تو ضرور آیۂ رجم قرآن میں لکھ دیتا (بخاری) بلکہ ان دونوں سے خود پیغمبر اسلام بدرجۂ اتم اس آیت کے مصداق ہیں۔ آپ بتائیں کہ انہوں نے کیوں اپنے اصحاب کے مرتد ہونے کے خطرہ سے بنیاد کعبہ کو درست نہ کیا۔ اور منافقین صحابہ کو اس بنا پر قتل نہ کیا۔ کہ لوگ ملامت کریں گے۔ کہ رسولؐ اپنے ہی صحابہ کو قتل کر رہا ہے: فتح الباری جلد ۱۳ صـ۲۰۸ پس اگر حضرت رسول کریمؐ و حضرات شیخین آیۂ مذکورہ بالا لایخافون لومۃ لائم کے مصداق ہو کر پھر بھی لوگوں کی ملامت کا خیال کرتے ہیں۔ تو حضرت امیر علیہ السلام اگر لوگوں کی ملامت کے خوف سے فدک واپس نہ کریں۔ تو اس کے مصداق قرار نہیں پاتے۔ باقی رہا آپ کا اور فخر الدین رازی کا اس آیۃ سے ابوبکر کی خلافت بلا فصل کا استدلال کرنا تو یہ شیخ چلی کا تخیل ہے۔ جب مسلمات اہل سنت میں یہ ہے۔ کہ ابوبکر خلیفہ منصوص نہیں تو پھر کسی آیت یا حدیث نبوی سے اس کی خلافت کی تنصیص کرنا خلاف مسلمات خود ہے۔

بموجب بیان علماء و محدثین اہل سنت تین صد آیات فضائل علی علیہ السلام میں اتریں۔ مگر ان تین صد آیات میں سے کسی ایک آیت سے بھی خلافت بلا فصل حضرت امیرؑ کا استدلال اہل سنت نہیں کرتے۔ حدیث غدیر۔ حدیث منزلت۔ حدیث رایت جیسی متواتر احادیث کے ہوتے ہوئے آپ نے حضرت امیرؑ کو خلیفہ بلا فصل نہ مانا حضرت ابوبکر کے حق میں صرف ایک آیت لایخافون لومۃ لائم کے مفہوم کو غلط سمجھ کر خلافت بلا فصل کا استدلال

کرنے لگ گئے۔ محبان ثلاثہ کی جو کچھ مرضی ہو تاویل کریں۔ زبان کون روکتا ہے آپ حضرات تو

ع تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہو پاژند

حضرت چوکیروی کے سوا کوئی محقق نہیں

"بس جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں فدک مروان کے قبضہ میں چلا گیا تھا تحقیق سے کام نہیں لیتے

تحقیق فدک صـ۲۰۶

جواب۔ فدک قبضہ مروان میں چلا نہیں گیا تھا۔ بلکہ حضرت خلیفہ ثالث نے بطور جاگیر دیدیا تھا۔ یہ آپ کا تجاہل عارفانہ ہے۔ آپکا خیال ہے کہ شاید میرے اس جملہ سے لوگ سمجھیں کہ مروان نے خود بخود قبضہ کر لیا تھا۔ فدک کا قبضۂ مروان میں چلا جانا مسلّم بین الفریقین ہے۔ جس سے کسی شخص کو انکار کی مجال نہیں۔ کتب اہل سنت سے سابقاً ہم چند شواہد سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ فدک بطور جاگیر مروان کے پاس چلا گیا تھا۔ ناظرین کو چاہیے۔ کہ دوبارہ ملاحظہ فرما کر تسلی فرما لیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا یہ لکھنا کہ ظاہر آں است کہ ایں در زمان سلطنت مروان باشد یعنی معلوم ہوتا ہے کہ فدک زمانۂ مروان میں اس کے قبضہ میں گیا ہو۔ یہ جناب شیخ کا ذاتی حسن ظن ہے۔ ورنہ کتب اہل سنت میں کوئی صحیح روایت اس کی موید نہیں پائی جاتی۔ بلکہ برخلاف اس کے تمام شراح حدیث فدک نے حضرت عثمان کا مروان کو فدک دینا لکھا ہے۔ مثلاً ابن حجر و عینی وغیرہ جن کا لوہا اہل سنت کا اہل علم طبقہ مان چکا ہے۔ اگر ان مسلمات کے خلاف کوئی مجہول روایت کتب شیعہ میں مل بھی جائے تو وہ قابل غور نہیں۔ جب آپ اہل سنت ہیں تو آپ کے لئے وہی امور حجت ہونگے۔ جن کو اہل سنت نے تسلیم کر لیا ہے۔

حضرت عثمان نے سیرت شیخین کو بدل کر نکث عہد کیا

ذیل میں ہم تھوڑی سی بحث کر کے ناظرین کو بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت عثمان نے فدک مروان کو دیکر کیوں خلاف سیرت شیخین کا مظاہرہ کیا۔ حالانکہ خلافت کا چارج محض اسی اقرار پر حاصل کیا تھا۔ کہ میں سیرت شیخین پر عمل کروں گا۔ حضرت عثمان نے خلاف سنت شیخین یعنی ابوبکر و عمر عمل کر کے یا تو اپنی خلافت پر پانی پھیر دیا۔ یا پھر ابوبکر و عمر کی سیرت کے خلاف چل کر ان کی خلافت پر خط نسخ کھینچ دیا۔ برخلاف اس کے حضرت امیر علیہ السلام نے سیرت شیخین پر چلنے کا انکار کیا۔ جس کی بنا پر تیسری دفعہ بھی محروم ہو گئے۔ تمام اسلامی حکومت کو نظر انداز کر دیا۔ مگر سیرت شیخین پر تعامل کا اقرار نہ کیا کیا اہل سنت حضرات بتا سکتے ہیں

کہ حضرت امیر نے کیوں انکار کیا۔ کیا اگر شیخین کا طریقہ اور عمل سنت رسول و کتاب اللہ کے مطابق ہوتا تو ضرور حضرت امیرؑ انکار نہ کرتے۔ اور نہ حضرت امیر علیہ السلام کو شرعاً کوئی گنجائش مل سکتی تھی۔

اگر فدک کی کارروائی حضرت ابوبکر نے مطابق سنت رسول کی ہوتی تو کیوں حضرت امیر علیہ السلام نے فعل ابوبکر کی تصدیق نہ کی۔ اس انکار سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فدک کو اس طریقہ پر تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔ جس طرح پیغمبر اسلام کرتے تھے۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فدک واپس نہیں لیا۔ تو اس سے عمل ابوبکر کی تصدیق نہیں ہوتی۔ بلکہ بامر مجبوری اسی حال پر رہنے دیا۔

حضرت امیر علیہ السلام کے سیرت شیخین سے انکار کرنے سے تو تمام اہل سنت کے بنے بنائے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت امیرؑ نے ابوبکر کی بیعت کر لی تھی۔ کبھی کہتے ہیں چھ ماہ بعد خلافت کو تسلیم کر لیا۔ اور رضامند ہو گئے۔ مگر انکار سیرت شیخین سے واضح ہو رہا ہے۔ کہ پندرہ سال بعد بھی حضرت امیر علیہ السلام اپنے احتجاج سے خلافت شیخین کا بطلان فرما رہے ہیں۔ اگر جناب امیرؑ نے خلافت کو تسلیم کر لیا ہوتا۔ اور بیعت بھی کر لی ہوتی۔ تو ابھی وہی صحابہ عبدالرحمٰن ابن عوف وغیرہ جو موجود تھے جنہوں نے یہ تمام واقعات دیکھے تھے۔ کیا وہ حضرت امیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس انکار پر صحابہ کے بھرے مجمع میں شرمندہ نہیں کر سکتے تھے۔ کہ یا علیؑ کل تو آپ نے ابوبکر و عمر کی خلافت اور سیرت کو بطیب خاطر قبول کر لیا تھا۔ اور آج انکار کر رہے ہیں۔ مگر مجلس شوریٰ کے واقعات میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ جب حضرت امیرؑ نے انکار کیا۔ تو فوراً عثمان نے اقرار کر لیا۔ جس پر حکومت اسلامی کا قلادہ حضرت ثالث کی گردن میں ڈال دیا گیا۔

سقیفہ کی مجلس عمل نے پہلے دن سے سکیم سوچ رکھی تھی۔ کہ حکومت کو خاندان نبوت میں جانے نہ دیا جائے۔ لہٰذا اس دفعہ بھی حضرت خلیفہ دوم نے ایسی سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت تیسری ایسی شرط لگا دی کہ جس سے وہی کچھ ہوا جو ان کا منتہائے مقصد تھا۔ بلکہ اس سکیم میں تو قتل علیؑ کی گہری سازش بھی تھی۔ کتاب اللہ و سنت رسول کی شرائط کے اقرار کے سلسلہ میں حضرت امیرؑ و عثمان برابر مستحق خلافت تھے۔ صرف اسی تیسری شرط کی بنا پر قسمت خلافت کا فیصلہ تھا۔ جو حضرت عثمان کے حق میں ہوا۔ حضرت عثمان نے باوجود اقرار سیرت شیخین کے اپنے زمانہ خلافت میں ایسے ناشدنی امور کا ارتکاب کیا۔ جو سراسر خلاف سنت ابوبکر و عمر تھے۔ اسی بنا پر خود صحابہ کے ہاتھوں مقتول ہو گیا۔

کیا حضرات علماء اہل سنت اور مصنف تحقیق فدک بتا سکتے ہیں۔ کہ سیرت ابوبکر و عمر کی تصدیق فدک کو مروان دے کر عثمان نے کی۔ یا فدک کو اسی حال پر بوجہ مجبوری رکھ کر حضرت امیرؑ نے کی۔ اگر آپ ارشاد فرمائیں۔ کہ حضرت علی نے تصدیق کی تو بموجب شرائط مجلس شوریٰ علیؑ عثمان سے احق بالخلافہ ہو گا۔ اور احق کے ہوتے ہوئے غیر مستحق کی خلافت باطل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس امر سے حضرت عثمان کی خلافت صحیح نہ ہوئی۔ اور جب یہ صحیح نہ رہی۔ تو اس خلیفہ کا انتخاب کرنے والے بھی صائب الرائے نہ رہے۔ اور پھر حضرت عمر کا ان چھ اشخاص کی کمیٹی کا انتخاب کرنا غلط ہوا۔ حالانکہ حسب اعتقاد اہل سنت عمر کی رائے مطابق وحی ہوا کرتی ہے۔ دیکھو الفاروق شبلی نعمانی۔ اگر اسی سلسلہ کو اوپر تک پہنچایا جاوے۔ تو خود خلیفہ اوّل کی خلافت خسارہ میں رہتی ہے۔ کیونکہ آنجناب نے ہی حضرت عمر کو خلاف طبائع مسلمین نامزد فرمایا تھا۔ کیا ان تمام امور بالا کو غور سے دیکھنے پر ڈھول کا پول ظاہر نہیں ہو جاتا۔

نیز اگر آپ یہ ارشاد فرمائیں۔ کہ علیؑ نے تصدیق نہیں کی۔ بلکہ عثمان نے کی تو بس ہمارا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام نے کارروائی فدک میں ابوبکر و عمر کی تصدیق نہیں کی بلکہ مجبوری امر تھا۔ لہٰذا آپ کا بنا بنایا استدلال ختم ہو گیا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت عثمان و حضرت علیؑ دونوں نے حضرت ابوبکر کی کارروائی دربارہ فدک میں تصدیق کی تو یہ امر محال ہے کیونکہ حضرت عثمان نے خلاف سیرت ابوبکر فدک مروان کو دے دیا۔ اور حضرت علی نے فدک کو مطابق عمل ابوبکر برقرار رکھا۔ یہ دونوں متضاد امر ہیں۔ لہٰذا یہ تیسری بات بھی آپ کی لغو اور باطل ٹھہری۔

حضرت امیرؑ کا سیرت شیخین سے انکار

ذیل میں ہم دو مستند علماء اہل سنت کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ کہ واقعی جناب امیر علیہ السلام نے سیرت شیخین سے انکار کیا۔ ہمارے سابقہ تمام استدلالات کی بنیاد محض افسانہ پر نہیں۔ بلکہ مبنی برحقیقت ہے۔ فقہ حنفی کا سب سے بڑا شارح ملا علی قاری اپنی کتاب شرح فقہ اکبر مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۸۸ پر رقمطراز ہے: "فاخذ عبد الرحمٰن بیدہ علیؑ وقال اولیک ان تمکہ بکتاب اللہ و سنۃ رسولہ و سیرۃ الشیخین فقال علیؑ اعلم بکتاب اللہ و سنۃ رسولہ واجتھد رائی ثم قال بعثمان ذالک فاجابہ"

یعنی انعقاد خلافت ثالثہ کے وقت خلافت کے ان دو امیدواروں میں سے عبد الرحمٰن بن عوف نے

حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ کہ اگر آپ کو خلیفہ بنایا جاوے۔ تو کتاب اللہ و سنّت رسولؐ و سیرت ابوبکر و عمر پر عمل کرو گے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ہاں کتاب اللہ و سنت رسول پر تو عمل کروں گا۔ مگر سیرت شیخین کی بجائے اپنی رائے اور اجتہاد پر عمل کروں گا پھر اسی طرح حضرت عثمان کو کہا۔ پس عثمان نے ان تینوں شرطوں کو قبول کرلیا۔

براہین قاطعہ فارسی ترجمہ صواعق محرقہ علامہ ابن حجر کی مطبوعہ محمدی ط ۱۸۹ پر یوں تحریر ہے۔ "در مسند امام احمد از ابی وائل روایت کہ گفت عبدالرحمٰن بن عوف را گفتم چگونہ بیعت با عثمان کردید و حضرت علیؑ را گزاشتید۔ عبدالرحمٰن گفت گناہ من نیست ابتداء بحضرت علی خلوت کردہ گفتم با تو بیعت میکنم بشرط کتاب اللہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اگر سیرت ابوبکر و عمر بداری و بطریق ایشاں عمل میکنی گفت کہ ندارم"۔ **ترجمہ**:- "مسند امام احمد میں ابی وائل سے مروی ہے۔ کہ اس نے کہا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو کہا۔ کہ کس بنا پر عثمان کی بیعت کی اور علیؑ کو چھوڑ دیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔ کہ اس میں میرا گناہ نہیں ہے۔ میں نے ابتداء حضرت علیؑ سے کی تھی۔ اور علیحدگی میں ان سے کہا تھا۔ کہ ہم تیری بیعت اس شرط پر کرتے ہیں۔ کہ تم کتاب خدا و سنّت رسولؐ و سیرت ابوبکر و عمر پر عمل کرو۔ اور ان کے طریقہ پر عمل کیا جاوے۔ پس علیؑ نے کہا کہ میں سیرت ابوبکر و عمر پر عمل نہیں رکھتا"۔

ناظرین کو پتہ ہونا چاہیے۔ کہ یہ ذکر اس وقت ہو رہا ہے جبکہ عثمان سے نا شدنی امور ظاہر ہوئے۔ تو لوگوں نے عبدالرحمٰن کو طعن و تشنیع کیا۔ کہ یہ سختی تمہاری لائی ہوئی ہے۔ اس پر عبدالرحمٰن کہہ رہا ہے۔ کہ میرا قصور نہیں۔ میں نے تو ابتداء حضرت علیؑ سے کی تھی۔

تنخواہوں کا معاملہ

شاہ صاحب نے ایک اور استدلال کیا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تنخواہوں کا دستور وہی جاری کیا۔ جو نبویؐ دور میں تھا۔ ملاحظہ ہو تحقیق فدک ص ۱۹۹ شاہ صاحب کا یہ استدلال خانہ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اور ان کے خیال میں مولانا امیرالدین صاحب قبلہ کے سوال کا عظیم الشان جواب ہے۔

معلوم ہونا چاہیے۔ کہ بعض ایسے امور ہوتے ہیں۔ جن کے تبدیل کرنے سے فتنہ کا خوف نہیں ہوتا۔ اور بعض امور میں نقص امن کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ خود نبی کریمؐ نے باقی تمام امور شریعت کی تبلیغ کی۔ مگر اصلاح کعبہ نہ ہو سکی۔ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت پر قبضہ کر لیا۔ اہل بیت کو حقوق سے محروم بھی کیا۔ حالانکہ ایک جلیل القدر خاندان بنی ہاشم کی مخالفت کا خطرہ بھی تھا۔ مگر خالد بن ولید پر حد جاری نہ کر سکا۔ حضرت عمرؓ نے حسب بیان شبلی نعمانی بینتالیس بدعات جاری کیں۔ مثلاً نماز تراویح۔ تحریم متعہ وغیرہ پبلک کے بگڑنے کا خوف نہ کیا مگر قرآن کی آیت رجم کو قرآن میں پھر بھی نہ لکھ سکے۔ اسی طرح اگر حضرت علی علیہ السلام نے دستور وظائف کو طریق نبوی پر قائم کیا تو کیا ہرج ہے۔ حالانکہ اس مسئلہ میں اکثریت امت آپ کے ہم خیال بھی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کو اپنے حق سے کم ملتا تھا۔ وہ زیادہ تھے۔ لہٰذا وہ لوگ اصول مساوات میں امیرؑ کا ساتھ دینے والے تھے۔ لہٰذا حضرت امیرؑ نے اس ایک مسئلہ کی اصلاح کر دی۔ اور فدک کا تعلق چونکہ اپنی ذات سے تھا۔ لہٰذا اس کی طرف توجہ نہ فرمائی۔

مصنّف کا بار بار تکرار

کتاب تحقیق فدک میں لکھا ہے۔ کہ اسلامی حکومت ساری حضرت علیؑ کے قبضہ میں تھی۔ صرف صوبہ شام معاویہ کے قبضہ میں تھا۔ لہٰذا حضرت امیرؑ فدک واپس کرنے پر قادر تھے۔" تحقیق فدک ص۲۰

جواب ۔ پھر پھر کر مصنف انہی باتوں کا تکرار کر رہا ہے۔ جو بالکل اصول تصنیف کے خلاف ہے تاہم ان تمام اعتراضات کا جواب دینا ہم اپنے اوپر لازم جانتے ہیں لہٰذا ملاحظہ ہو:۔

بیشک تمام اسلامی حکومت پر حضرت امیر علیہ السلام کا دست تصرف تھا۔ مگر پھر بھی جناب امیرؑ بوجہ عدم تمکین چند امور کی اصلاح نہیں کر سکے۔ طریق سیاست و اصول جہانبانی سے خبر رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ جس حکومت کا مرکز ہی رئیس حکومت کا باغی ہو وہ کہاں تک کامیاب ہو سکتا ہے۔ حضرت طلحہ و زبیر جیسے بااثر صحابی حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کر کے پھر گئے۔ اور علم بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت ام المومنین عائشہ جیسی بارسوخ بی بی کو اپنے سابقہ مافی الضمیر کینوں کے اظہار کا اسی وقت موقعہ ملا۔ غرضیکہ ان تمام مرکزی مفاسد کی بنا پر حضرت امیر علیہ السلام کو دار الخلافہ بجائے مدینۃ النبیؐ کے کوفہ بنانا پڑا۔ اور ہجرت کر کے سیرت رسولؐ کا مظاہرہ کیا۔ انہی واقعات کی بنا پر آپکا امام الہند شاہ ولی اللہ لکھتا ہے کہ حضرت امیرؑ کو غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ جس بادشاہ کو اپنے مرکزی امور کی اصلاح کا موقعہ نہ مل سکے۔ وہ فدک وغیرہ جیسے اہم امور کی طرف کب توجہ دے سکتا ہے۔

کیا حضرت نبی اکرمؐ و ابوبکر و عمر وغیرہ کو اپنی اپنی حکومتوں میں دست تصرف نہیں تھا۔ جو وہ اپنے اپنے متعلقہ امور کی اصلاح کرتے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ خلاق عالم کو کائنات کی ہر چیز پر تصرف تامہ حاصل ہے۔ اگر چاہے تو ایک پل میں ہر چیز کو تباہ و برباد کر دے۔ مگر باوجود تمام کائنات پر قبضہ ہونے کے تمام بندوں کو ایک طریق پر قائم نہیں کرتا۔ اسلام کے ۷۳ مذاہب کو ایک فرقہ میں نہیں لاتا۔ مسلمان ہر قسم کے گناہ کر رہے ہیں۔ کچھ نہیں کہتا۔

اور باوجود تصرف ہونے کے خاموش ہے۔ کارکنانِ سقیفہ نے اس کے پیاروں کو ایذائیں دے کر قبر تک رُلوایا۔ مگر پھر بھی جلالت الٰہیہ و قدرت شہنشاہ علی الاطلاق جنبش میں نہ ہوئی۔ خالق کائنات کے فعل پر آپ اعتراض کیوں نہیں کرتے۔ اگر آپ کہیں کہ مصلحت خداوندی اسی طرح ہے کہ تمام دنیا گمراہ ہو جائے اور مستحق عذاب بنے۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ خالق نہیں چاہتا۔ کہ اس کے بندے جہنم کا ایندھن بنیں۔ ہاں اُن کے اپنے افعال کی بنا پر ان کو اختیار دیا گیا ہے۔ چاہے دوزخ جائیں۔ یا جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہوں۔

پس جس طرح خداوند عالم مصلحت کی بنا پر خاموش ہے۔ اسی طرح حضرت امیرؑ بھی مصلحتاً فدک واپس نہ کر سکے۔ جہاں دیگر چند وجوہات ہیں۔ فدک نہ واپس کرنے کی وہاں ایک یہ بھی وجہ ہے کہ غاصبانِ فدک تا قیام قیامت مستحق عذاب بنے رہیں۔ اگر حضرت امیر علیہ السلام واپس کر دیتے۔ تو قدرے ان سے عذاب ہلکا ہو جاتا۔ آپ کہیں گے کہ پھر حکومت مغصوبہ کیوں حاصل کی؟ اس عذاب سے غاصبان حکومت کو کیوں نجات دلوائی۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جب لوگوں نے قتل عثمان کے بعد حکومت پیش کی۔ حضرت انکار پر مُصر رہے۔ بالآخر حضرت نے فرمایا۔ کہ اگر معاونین کے ملنے سے مجھ پر خدا کی طرف سے حجت نہ قائم ہو گئی ہوتی تو میں اس دفعہ بھی خلافت کی اونٹنی پر مہار رکھ کر یہی کہتا کہ مجھے تیری ضرورت نہیں۔ تو اگلے راستوں پر ہی چلتی بن۔ مگر کیا کروں۔ مجھ پر خدا کی طرف سے حجت قائم ہو گئی ہے۔ اسی طرح اگر غاصبانِ فدک اراضی فدک کو حوالہ جناب امیر کر دیتے۔ تو ضرور اولادِ فاطمہؑ کو دے دیا جاتا۔

مولینا چوکیروی کا لفظ اصحابی سے محبت کا استدلال

تحقیق فدک کے آخر میں ایک نوٹ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حدیث بخاری کما اقضو کما کنتم تقضون سے فقرہ را و اموت کما ماتا اصحابی ترجمہ یعنی یا مر جاؤں جیسا کہ میرے اصحاب فوت ہو گئے ہیں

اصحابِ ثلاثہ کو حضرت علی کا دوست ہونا ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تحقیق فدک صفحہ ۲۱۵

ابطال استدلال

حضرات ثلاثہ و حضرت امیرؑ کے تعلقات تو ہم نے سابقہ کتاب میں واضح تحریر کر دیئے ہیں مزید برآں فلک النجات میں ملاحظہ ہوں۔ تاہم استدلال ہذا پر تھوڑی سی بحث مطلوب ہے۔ سب سے پہلے لفظ اصحابی سے حضراتِ ثلاثہ کا مراد لینا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی بھوکے آدمی سے کہا جائے دو اور دو تو وہ کہتا ہے چار روٹیاں۔ آخر جو کچھ انسان کے ضمیر میں ہو وہی باہر نکلتا ہے۔ مصنف تحقیق فدک پر چونکہ محبت ثلاثہ کا غلبہ ہو چکا ہے۔ وہ اس لئے حدیث و تاریخ کے ہر دو معانی لفظ کا اطلاق محبت علیؑ یا ثلاثہ پر کرتے ہیں۔ لفظ صحابیت یا اصحابی سے قرینہ محبت و دوستی کا جب مراد لیا جا سکتا ہے جبکہ فریقین کے واقعات باہمی صلح محبت پر منقضی ہوئے ہوں۔ لیکن حضرات اہل بیت کے تعلقات اصحاب ثلاثہ سے مرتے دم تک کشیدہ رہے۔ جیسا کہ پہلے ہم لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا لفظِ اصحابی سے محبت اور دوستی مراد لینا قرین قیاس نہیں یہ صرف شاہ صاحب کا اپنا اجتہاد ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام سے قبل صرف اصحاب ثلاثہ ہی فوت نہیں ہو چکے تھے بلکہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مثل حضرت ابوذرؓ، حضرت امیر حمزہؓ وغیرہ شہادت پا چکے تھے۔ جو فی الواقعہ اہل بیت کے اطاعت گذار تھے۔ خود سرورِ کائناتؐ جیسا حضرت علیؑ کا صحابی انتقال فرما چکا تھا۔ اس لئے حضرت امیرؑ صحابی ان حضرات کو قرار دیتے تھے نہ کہ حضرات ثلاثہ کو۔ آیت غار کے ماتحت اگر حضرت رسولؐ ابوبکر کا صاحب بن سکتے ہیں تو بدرجۂ اولیٰ حضرت امیرؑ آنحضرتؐ کو صحابی کہہ سکتے ہیں۔

اگر لفظ اصحابی سے خواہ مخواہ آپ پیار و محبت ہی مراد لیتے ہیں۔ تو حدیث حوض مندرجہ بخاری و مسلم میں بھی لفظ اصحابی مذکور ہے شرح اس لفظ اصحابی کی یہ ہے کہ جب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوض کوثر پر تشریف فرما ہونگے تو صحابہ کا ایک گروہ آئیگا آنحضرت ان کو پہچانتے ہوں گے پھر ان اصحاب کو حوض کوثر سے دفع کر دیا جائیگا پس پیغمبر فرماوینگے۔ کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ کہا جائیگا۔ کہ اے پیغمبر تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعتیں جاری کی ہیں ملاحظہ ہو قرۃ العینین ولی اللہ دہلوی صفحہ ۲۹۵ حضرت مصنف تحقیق فدک کی خدمت میں عرض ہے کہ اس حدیث سے لفظ اصحابی کا معنی جو آپ لیں گے ہم بھی حضرت علیؑ کی حدیث سے وہی مراد لیں گے۔ اگر یہاں اصحاب پیغمبرؐ کی تعریف ہے تو ضرور بالضرور حضرت امیرؑ نے حضرات ثلاثہ کو اپنا دوست فرمایا۔ لفظ صحابی سے دوستی ہرگز مراد نہیں پیغمبرؐ نے منافقین کو صحابی فرمایا۔ ملاحظہ ہو فلک النجاۃ جلد ا صفحہ ۵۱۵ بحوالہ فتح الباری۔ آخری جواب یہ ہے کہ حدیث استدلال کردہ شاہ صاحب بخاری کی ہے۔ جو ہمارے لئے حجت نہیں ہے مصنف کی سینہ زوری اور خلاف اصول جدل گفتگو ہے۔ جو بخاری کی حدیث سے

استدلال کرکے بیچارے شیعوں کو تنبیہ کی ہے۔

صدور ہٰذہ الامتہ سے کون مراد ہیں

بحث مذکورہ کی تائید میں حضرت امیر علیہ السلام کا کلام نہج البلاغۃ سے پیش کیا ہے۔ ولا تنقض سنۃ صالحۃ عمل بہا صدور ھذہ الامۃ یعنی حضرت امیر علیہ السلام اشتر نخعی کو مصر کا حاکم بناتے وقت حکم فرما رہے ہیں۔ کہ اس اچھے طریقے کو مت توڑو جس پر امت کے پہلے سرداروں نے عمل کیا ہے مصنف کا استدلال یہ ہے۔ کہ حضرت امیر امت کے پہلے سرداروں سے ابوبکر و عمر مراد لے رہے ہیں۔ اور ان کی کارروائیوں کو پسند فرما رہے ہیں تحقیق فدک ص ۲۱۶

جواب ۱۔ مصنف نے ص ۲۱۷ پر خود تسلیم کیا ہے۔ کہ میرے نزدیک صالحۃً قید اتفاقی ہے۔ احترازی نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اگر قید اتفاقی ہو تو سرداروں کے افعال سب کے سب اچھے ہوں گے یعنی ابوبکر و عمر و عثمان کے افعال تمام کے تمام اچھے ہیں۔ حضرت صاحب کا یہ استدلال بچند وجوہ باطل ہے۔ خود اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ ابوبکر و عمر و عثمان سے ایسے امور بھی سرزد ہوئے۔ جن کا شریعت رسول میں نشان نہیں تھا۔ اپنی طرف سے ان کو دینی حیثیت دے رکھی تھی۔ جیسا کہ حضرت عمر کا متعہ بند کرنا۔ تراویح ایجاد کرنا۔ بیت المال قائم کرنا۔ فوجوں کی تنخواہیں مقرر کرنا۔ غرضیکہ بنتالیس امور حسب بیان شبلی نعمانی ایسے ہیں۔ جو اولیات عمر میں شمار ہوتے ہیں۔ جو سنت نہیں بلکہ بدعت ہیں۔ حضرت عثمان کا اپنے زمانہ میں فدک مروان کو دینا۔ اور جاگیروں کو اپنی برادری میں تقسیم کرنا خلاف سنتِ رسول تھا۔ اسی وجہ سے صحابہ نے تنگ آکر قتل کر دیا۔ ان وجوہات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان حضرات کے سارے افعال اور طریقے اچھے نہیں تھے۔ لہٰذا صالحۃً قید اتفاقی نہ رہی۔

جواب ۲۔ دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ اگر حضرات شیخین کی سیرت مطابق شریعت رسول ہوتی اور سارے کے سارے افعال اور طریقے اچھے ہوتے۔ تو خود حضرت امیرؑ بوقتِ انعقاد خلافت ثالثہ سیرت ابوبکر و عمر سے انکار نہ کرتے حضرت امیرؑ کا انکار ہی بتا رہا ہے۔ کہ حضرات ثلاثہ کے قائم کردہ طریقے قابلِ قبول نہیں تھے خود شاہ صاحب نے اپنی کتاب کے ص ۱۹۹ پر تحریر کیا ہے کہ حضرت امیرؑ نے تنخواہوں کا دستور نبوی طریق پر بخلاف طریق ابوبکر و عمر کیا۔ حضرت امیر علیہ السلام کا سیرت شیخین سے انکار کرنا ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں۔ لہٰذا ان تمام مسلمات اہل سنت کے مطابق لفظ صالحۃً میں قید اتفاقی مراد نہیں پائی۔ قید اتفاقی لکھ کر مصنف نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ اب باقی رہ گئی قید احترازی تو وہ ہم بھی مانتے ہیں کہ یہاں قید احترازی ہوگی جس سے مصنف کا مطلب پورا نہیں ہو سکتا۔ اگر صدور سے مراد ابوبکر و عمر ہی لئے جائیں۔ تو پھر بھی ہمیں نقصان نہیں کیونکہ جہاں کسی انسان میں چند معائب ہوتے ہیں وہاں چند اوصاف

باب پنجم

اوقاف اہلِ بیت کا مفہوم

استدلال مصنّف مصنف تحقیق فدک نے اپنی کتاب کے ص۲۱۹ تا ص۲۲۳ اوقاف اہل بیت علیہم السلام لکھ کر اور انکے قوانین وغیرہ تحریر کر کے استدلال کیا ہے کہ حضرات اہل بیت نے اپنی زمینوں کو وقف کر کے ابوبکر کی مرویہ حدیث نحن معاشر الانبیاء لانرث ولانورث ماترکناہ صدقہ کی عملی تصدیق کر دی"۔

جواب اوّل ناظرین حضرات کی خدمت میں گذارش ہے۔ کہ اوقاف کے سلسلہ میں مختصراً ہم کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں مگر اس موقعہ پر بھی جواب دینا ضروری ہے۔ سب سے پہلے یہ ہے کہ اہل بیت کے جتنے اوقاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ تمام وقف علی الاولاد ہیں نہ کہ وقف عام۔ وقف علی الاولاد سے شاہ صاحب کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُن کے خیال کے مطابق اراضیات پیغمبر وقف عام تھیں اور اوقاف اہل بیت خاص اولاد یا جائز ورثا کیلئے ہیں۔ حدیث ماترکناہ صدقہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ متروکہ پیغمبر ان کے مرنے کے بعد وقف ہو جاتا ہے۔ مگر شاہ صاحب کا اوقاف مندرجہ بالا سے یہ استدلال ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنی زندگی میں سب کچھ وقف کر دیا اسی واسطے حضرات اہل بیت نے بھی تاسی رسولؐ میں سب کچھ وقف کر دیا۔ لہٰذا استدلال مذکورہ باطل ہُوا اس وجہ سے کہ اس کا مفہوم حدیث ابوبکر کے خلاف ہے۔ جس پر اہل سنّت کے مذہب کی دار و مدار ہے۔ اس کے بعد دیکھنا یہ مطلوب ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ نے کس نظریہ کے ماتحت وقف کئے۔ اور حضرات اہلِ بیت نے کس خیال کے مطابق۔ اہل سنّت کے عقیدہ کے مطابق حضرت رسولؐ نے عقیدہ عدم وراثت انبیاء کے ماتحت سب کچھ وقف کر دیا۔ اب شاہ صاحب جواب دیں۔ کہ اگر اہل بیت نے بھی عدم وراثت انبیاء کے نظریہ کے مطابق کیا ہے تو یہ ایک اور مشکل وارد ہو جائیگی۔ کیونکہ اہل بیت علیہم السلام بالاتفاق نبی نہیں ہیں اگر شاہ صاحب نبی مانتے ہیں۔ تو عقیدہ ختم نبوت پر پانی پھر جائے گا۔

عدم توریث کا معاملہ حسب حدیث اہل سنّت صرف انبیاء کا خاصہ ہے صرف اس مسئلہ میں نبی نبی کی تقلید کر سکتا ہے۔ غیر نبی اس مسئلہ میں پیروی کرے تو غلط ہو گا۔ کیونکہ غیر نبی کو یہ تکلیف دی ہی نہیں گئی۔

جواب دوئم :۔ شاہ صاحب اگر ارشاد فرمائیں۔ کہ اہل بیت نے تمام جائیدادیں وقف نہیں کیں بلکہ بعض قطعات

اپنی ملکیت سے وقف کر دیئے۔ تو بس ہمارا بھی یہی مقصد ہے کہ اہل بیت علیہم السلام نے قطع نظر عقیدہ عدم توریث انبیاء کے بعض جائیدادوں کو وقف کر دیا۔ اسی طرح حضرت رسول کریمؐ نے بھی اگر وقف وغیرہ کئے ہیں۔ تو توریث انبیاء کے عقیدہ کی نفی نہیں کی۔

ان طریقوں سے اولاد کی محرومی کا سوال بھی پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اولاد باپ کے مرنے کے بعد وارث ہے باپ اپنی زندگی میں جو چیز کسی کو دینا چاہے دے سکتا ہے۔ اوقاف اہل بیت تو پھر بھی اپنی اولاد یا جائز ورثاء پر ہیں۔ حضرات اہل بیت علیہم السلام کا قرآنی آیات پیش کرنا دربار ابوبکر میں جیسا کہ پہلے ہم ثابت کر آئے ہیں ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ تمام اہل بیت عقیدہ وراثت انبیاء کے قائل تھے۔ جب وہ قائل تھے۔ تو بس ہمارا مقصد پورا ہوا نہ ہم مطابق حدیث ثقلین اہل بیت سے زیادہ کسی کو عالم جانتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی کو قانون وراثت کے سلسلہ میں قرآنی عموم و خصوص میں زیادہ ماہر خیال کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت علیہم السلام کا اپنی اراضیات کا وقف کرنا عدم توریث انبیاء کے نظریہ پر نہیں تھا۔ لہٰذا حضرت مصنف کا مقصد دلی بر آنہ ہو سکا۔

جواب سوئم ۲۲۲ پر شاہ صاحب نے ایک روایت لکھی ہے۔ کہ تمام بالدار صحابہ نے وقف کئے تھے صحابہ کے وقف یا اہل بیت کے اوقاف پر ہمارا اعتراض نہیں ہے۔ دیکھنا صرف اس بات کو ہے۔ کہ صحابہ و اہل بیت نے عقیدہ عدم توریث کے ماتحت کئے ہیں یا نہیں۔ اگر اس عقیدہ کے لحاظ سے ہوئے تو عقیدہ ختم نبوت باطل ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر یہ شور و غل کیسا۔ جو فعل انبیاء کے ساتھ مخصوص ہو۔ اُسے غیر نبی کر کس طرح سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریمؐ چار سے زائد نکاح کر سکتے ہیں۔ اور صحابہ و اہل بیت میں سے کوئی فرد ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر کرے تو خلاف شریعت ہوا۔ اور نبی کی تخصیص نہ رہی۔ اسی طرح اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق عدم وراثت انبیاء انبیاء کا خاصہ ہے امت کا کوئی شخص اگر ایسا فعل کرے تو جائز نہیں بصورت دیگر اگر مصنف کے مفہوم کے مطابق اراضیات پیغمبر کو وقف ہی قرار دیا جائے۔ پھر بھی مقصد مصنف پورا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ موضع فدک بھی جناب فاطمہؑ و اولاد فاطمہؑ پر حضرت رسولؐ نے اپنی زندگی میں وقف خاص کر دیا تھا۔ اور غیر کے لئے اس میں دست اندازی کرنا ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا تھا۔ اس لحاظ سے بھی فدک جناب فاطمہؑ کا حق تھا۔ ابوبکر وغیرہ نے اس میں غلط تقسیم کر کے خود اپنے ہی عقیدہ جعلی کی تردید کر دی اور عمل رسولؐ کو نظر انداز کر دیا۔ ملاحظہ ہو معارج النبوۃ و فتاوی عزیزی۔

جواب چہارم | ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ انبیاء کے متروکات ان کے فوت ہونے کے بعد حسب عقیدۂ اہل سنت وقف ہو جاتے ہیں۔ اہل سنت کے اوقاف ان کی اپنی زندگی میں ہوئے۔ اگر آپ کہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی زندگی میں تمام اراضی وقف کر دی تو حدیث مذکورہ کا مفہوم غلط اور اس کی ضعیت ظاہر ہو جائے گی۔

حضرت رسول مقبولؐ کے اوقاف اور اہل بیت کے اوقاف کی نوعیت الگ الگ ہے۔ ان میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا غلط ہے۔ بموجب عقیدہ اہل سنت آنحضرتؐ کے اوقاف کے متولی حضرت ابو بکر تھے جن کا وراثت رسولؐ سے دُور کا تعلق بھی نہیں تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنے اوقاف کا متولی اپنی بیٹی جناب فاطمہ علیہا السلام وا پنے بھائی حضرت امیر علیہ السلام کو نہیں بنایا جو حقیقی وارث تھے۔ برخلاف اس کے حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے اوقاف کا متولی اپنے بیٹے کو قرار دیا جو حقیقی وارث تھا۔ اسی طرح حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام نے اپنے سات باغوں کا متولی حضرت امیر علیہ السلام کو بنایا جو آپ کا وارث تھا حالانکہ یہ طریقہ خلافِ سنّتِ رسولؐ تھا۔ کیونکہ اہل بیت نے اپنے اوقاف کا متولی بر سبیلِ رسولؐ غیر ورثا کو قرار نہیں دیا۔ لہذا ان وجوہاتِ بالا کی بنا پر حسب مزعوماتِ باطلہ مصنف تحقیق فدک اہل بیت کا طریقہ خلافِ طریقِ رسولؐ قرار پایا جس کی وجہ سے حضرت مصنف کا استدلال بھی ختم ہو گیا۔ باقی رہا شاہ صاحب کا لکھنا کہ اہل بیت نے تمام اراضیات وقف کر دی تھیں تو یہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔ عبارت سے بالکل ظاہر ہے کہ وہ چند ایک مخصوص قطعات تھے جو ان حضرات نے وقف کر دیے۔ بفرضِ محال اگر سب کی سب جائداد بھی وقف کر دیں تو اس سے یہ مطلب نہیں نکل سکتا کہ ان حضرات کا عقیدہ عدم توریث انبیاء تھا۔

اگر حضرات اہل بیت نے طریقِ نبوی کو زندہ کر کے حدیثِ نبوی ما ترکناہ صدقۃ کی تصدیق کر دی تھی تو کیا ان لوگوں پر لازم نہ تھا کہ وہ بھی اپنی تمام جائدادوں کو راہِ خدا میں وقفِ عام کر دیتے جنہوں نے نبیؐ کی اس حدیث سے اولادِ نبیؐ کو محروم کر دیا تھا۔ حضرت مصنف حضرت ابو بکر و عمر و عثمان کے اوقاف کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے کتنی جائداد راہِ خدا میں وقف کی۔ حضرت عمر نے کیا کچھ وقف کیا۔ قطعاً کتب اہلِ سنت میں اس کا نام و نشان نہیں کہ ان حضرات نے اپنی تمام جدّی جائدادوں کو وقف کر کے حضرت رسولؐ و اہل بیت علیہم السلام کے مسلک کی تائید کی ہو۔ ہاں جو کچھ اقتدارِ حکومت سے ہاتھ آیا۔ اُس کو اپنے مریدوں پر بے دریغ خرچ کر دیا۔ غریب لوگ پھر بھی محروم رہ جاتے تھے۔ برخلاف اس کے

کتب تفاسیر میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ آیۂ نجویٰ کی تنزیل کے موقعہ پر ان بزرگواروں میں سے کوئی بھی سوائے حضرت امیر کے چار آنہ کا صدقہ دیکر آیۂ مذکورہ کی تعمیل نہ کر سکا۔ دس دن تک حکم باقی رہا۔ مگر کسی سے جرأت نہ ہوسکی کہ راہِ خدا میں کچھ خرچ کرکے صحبتِ رسول سے مشرف ہوتا۔

ملاحظہ ہو تفسیر خازن تحت آیۂ مذکورہ۔ واقعہ مندرجہ بالا سے تو ان بزرگوں کے تمام فرضی قصص انفاق فی سبیل اللہ سے متعلقہ لغو قرار پائے۔ چہ جائیکہ وہ اپنی تمام جائدادیں وقف قرار دیتے۔ جب ایک حدیث کا راوی اس پر عمل کرکے نہیں دکھاتا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اپنا عقیدہ اُس حدیث کے مطابق نہیں ہے۔

قارئینِ کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات اہلبیت علیہم السلام نے جو کچھ وقف کیا سب کچھ درست تھا۔ مگر اس عقیدہ کی بنا پر نہیں کہ انبیاء کا وارث نہیں ہوا کرتا۔ اگر حضرت امیر علیہ السلام و حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا یہ عقیدہ ہوتا تو قطعاً ابوبکر سے وراثتِ رسول کا مطالبہ نہ کرتے۔ قرآن سے وراثتِ انبیا ثابت نہ کرتے اور نہ ملنے پر مرتے دم تک ناراض نہ رہتے۔ اوقاف اہلِ بیت کا ذکر در اصل مصنفؔ تحقیق فدکؔ کو وراثتِ انبیاء کے مسئلہ کے ضمن میں پیش کرنا ہی نہ چاہیئے تھا۔ خواہ مخواہ اپنی علمیت ظاہر کر دی۔ اپنے زعم میں شاہ صاحب اجتہاد کرکے خلافِ سلف در اصل مجدد بننا چاہتے ہیں۔ اور ایسی تاویل کرنا چاہتے ہیں کہ آج تک کسی کے ذہن میں نہ آئی ہو۔ خواہ اس کی حیثیت تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ خام ہو۔ سچ فرمایا ہے حضرت معصومؑ نے کہ جاہل کا ذہن تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کچا ہوتا ہے۔ جس طرح مکھی اس تارِ خام میں پھنس جاتی ہے اور اس کا نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جاہل کا ذہن بھی توہمات اور شبہات کی دلدل میں ایسا ہی پھنس جاتا ہے کہ جب تک معصومؑ ہادی دستگیر نہ ہو باہر نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہی حال ہمارے فاضل ہمعصر مصنفؔ تحقیق فدک کا ہے۔ بیچارے افعالِ تثلیث کی دلدل میں ایسے پھنسے ہیں کہ کسی طرح ان کا دامن صاف نہیں کر سکتے۔

باب ششم

تصریحات اعتقادات اہلبیت علیہم السلام دربارہ حضرات ثلاثہ

تمہیداً گزارش | مصنفؔ تحقیق فدک کی کتاب کا یہ آخری باب ہے۔ اس باب میں حضرت صاحب نے

کتب شیعہ سے چند فقرات حضرت امیر علیہ السلام کے کلام سے نقل کر کے استدلال کرنا چاہا ہے۔ کہ حضرت امیر علیہ السلام شیخین کی حکومت کو پسند کرتے تھے۔

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ کلام امام کو سمجھنا ہر فرد بشر کا کام نہیں۔ پھر وہ حضرات قطعاً نہیں سمجھ سکتے جن کا مسلک مخالف اہل بیت ہو۔ اور جو شخص علوم اہل بیت سے بالکل جاہل ہو وہ تو ہرگز کلام معصوم کو نہیں سمجھ سکتا۔ ساتھ ہی جو کلام ذومعانی ہو اور اس میں دیگر معانی کا بھی احتمال پایا جائے اُسے مشکل وارد کر دیتا ہے۔

ایسے قسم کا کلام حضرت امیر علیہ السلام نے اس زمانہ میں بیان فرمایا ہے جبکہ معاویہ اور دیگر مخالفان دولت سقیفہ حضرت امیر کی حکومت کو الٹنا چاہتے تھے۔ عام پبلک کے اشتعال کیلئے معاویہ حضرت امیر علیہ السلام کے دلی اعتقادات کو ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اسی واسطے کبھی نہ کبھی وہ ایسے خط لکھتا جس میں حضرات شیخین کی مدح ہوتی تھی۔ حضرت امیر اگر مدح کی تردید کرتے تو اپنی فوج کے بگڑنے کا بھی اندیشہ ہوتا۔ کیونکہ آپ کی فوج میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو ابوبکر و عمر کی خلافت کو بدل و جان مان چکے تھے۔ لہذا حضور امیر علیہ السلام ایسا ذومعانی کلام استعمال فرماتے جس سے بظاہر وہ لوگ سنکر خاموش رہتے۔ بعض موقعہ پر معاویہ کو الزامی جواب دیتے ہوئے اس کے ہی مسلّمات سے قائل کرنے کی کوشش کرتے جیسا کہ "اے معاویہ میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر و عمر کی کی تھی۔ معاویہ کے عقیدہ کے مطابق چونکہ شوریٰ حجت تھا اس لئے فرمایا۔ انما الشوریٰ للمهاجرین والانصار۔ یعنی یاں بھی مہاجرین وانصار کے بنانے سے ہی خلیفہ بنا ہوں اور تمہارا یہ اپنا مانا ہوا اصول ہے۔ لہذا اس سبب سے بھی میں خلیفہ برحق ہوں۔ تو مجھے کیوں نہیں مانتا۔ پس حضرات اہل سنت اسی قسم کے کلام سے ہر وقت استدلال کرتے نظر آتے ہیں۔ جو انہیں قطعاً فائدہ نہیں دے سکتے۔

ایک دفعہ حضرت عمر نے جنگ روم کے موقعہ پر حضرت امیر سے مشورہ لیا لہذا یہ بزرگوار حضرت عمر و حضرت امیر کی باہمی محبت کا دم بھرنے لگ گئے۔ حالانکہ بموجب بیان بخاری و مسلم حضرت امیر حضرت عمر کی حاضری ناپسند کرتے تھے۔ شریعت کا حکم ہے کہ تم سے اگر کافر بھی مشورہ طلب کرے تو تم اس کو نیک مشورہ دو۔ اسی واسطے حضرت امیر علیہ السلام نے عمر کو نیک مشورہ دیا۔ بھلا علی جیسے دیانتدار اور پرہیزگار انسان سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ خلاف شریعت عمل کرے۔ خصوصاً جہاں اشاعت اسلام مقصود ہو۔ فریقین کی کتابوں میں حضرات

اہل بیت علیہم السلام سے مذمت ثلاثہ تصریحاً مرقوم ہے۔ جیسا کہ خود نہج البلاغۃ میں حضرت امیر کا کلام مذمت ثلاثہ سے مملو ہے۔ لہٰذا اس صورت میں جبکہ مذمت مسلّمہ ہو تو اس کے خلاف مدح کا استنباط کرنا معصوم کے کسی فقرہ سے لغو اور باطل ہے۔ کیونکہ کسی جگہ مذمت اور کسی جگہ مدح کرنا متضاد کلام ہے۔ ایسا متضاد کلام ایک معمولی غیر معصوم سے بھی خلاف توقع ہے۔ چہ جائیکہ علی جیسا افصح العرب ایسا کلام بیان فرمائے اور وہ بھی جس کے کلام کو بعد کلام خدا فصیح ترمانا گیا ہو۔

کسی حکیم کا کلام متضاد نہیں ہوتا۔ بصورت دیگر وہ حکیم نہیں کہلا سکتا۔ حالانکہ علیؑ کا حکیم ہونا بلکہ حکمت کا دروازہ ہونا بموجب نص رسولؐ ثابت ہے انا دار الحکمۃ وعلی بابھا (ترمذی) یعنی حضرت رسولؐ نے فرمایا کہ میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ لہٰذا ایسا حکیم جس کی حکمت کی گواہی منصوص من اللہ حکیم دے رہا ہو۔ متضاد بیان نہیں دے سکتا۔ اگر حکیم عرب یعنی حضرت امیر علیہ السلام کے کلام میں کوئی لفظ یا فقرہ ایسا ہو جس سے ان کے مسلّمہ و مشہورہ اعتقادات کا خلاف ہوتا ہو تو اس کی تاویل کرنا ہوگی۔ کیونکہ وہ کلام یا فقرہ کسی مصلحت کے ماتحت ہوگا۔ لا یخلو فعل الحکیم من الحکمۃ یعنی حکیم کا فعل خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ لہٰذا حضرات اہل سنت کو چاہیئے کہ وہ فریقین کی کتابوں کو بنظر غائر دیکھیں اگر حضرت امیر علیہ السلام نے وہاں تصریحاً مذمت نہ کی ہو تو بے شک مدح کا استدلال کرنا ٹھیک ہوگا بصورت دیگر ان توجیہات سے توبہ کر کے حق سے متمسک ہوں۔

نہج البلاغۃ مذمت ثلاثہ سے مملو ہے | اس امر کی تائید میں کہ نہج البلاغۃ میں حضرات شیخین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ ہم ایک متعصب سُنّی عالم علّامہ ذہبی کا اعتقاد میزان الاعتدال سے نقل کر کے ناظرین کی تسلّی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ شریف مرتضیٰ کے حالات میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نہج البلاغۃ میں حضرت ابوبکر و عمر کی مذمت بیان کی گئی ہے۔" اور اسی وجہ سے ذہبی نہج البلاغۃ کو حضرت امیر کا کلام تسلیم نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ ان کا اپنا مختار ہے۔

نہج البلاغۃ کا کلام جناب امیر ہونا تمام خلف وسلف نے تسلیم کیا ہے۔ جس خطبہ سے اہل سنّت کو مذمت شیخین کا وہم ہوتا ہے وہ شقشقیہ ہے۔ اس خطبہ کو اہل سنت کے تمام شارحین وائمہ لغت نے تسلیم کیا ہے۔ اس پر آئندہ بحث ہوگی۔

ملّا یعقوب لاہوری شرح تہذیب الکلام میں افادہ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص حضرت علیؑ کی فصاحت

کو دیکھنا اور ان کی بلاغت کو سننا چاہے۔ اس کیلئے مناسب ہے کہ وہ نہج البلاغۃ کا مطالعہ کرے۔ بلاشبہ کسی کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسے فصیح و بلیغ کلام کو ایک شیعہ شخص کی جانب نسبت دے۔ یہ امر کہ اس میں کہیں کہیں ایسے الفاظ موجود ہیں، جو سُنّی عقائد کے خلاف ہیں اور ان سے مذہب اہل سنّت کی مخالفت کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے نہج البلاغۃ کے کلام علیؑ ہونے سے انکار کیا جائے۔ ان کو برتقدیرِ تسلیم مختلف توجیہات و تاویلات سے درست ثابت کیا جا سکتا ہے اور بلغاء کا یہ مسلّمہ ہے کہ علی ابن ابی طالب کا یہ مجموعہ خدا کے کلام سے ماتحت اور دنیا کے کلاموں سے بالاتر ہے۔"

مندرجاتِ بالا سے دو سنّی عالموں کی شہادت مل گئی کہ ایک تو نہج البلاغۃ واقعی حضرت امیر علیہ السلام کا کلام ہے اور دوسرا اس کلام میں حضرات شیخین کی مذمّت پائی جاتی ہے۔ لہذا ایسی صورت میں نہج البلاغت کے کلام سے کسی سنّی عالم کا مدح ابوبکر و عمر کا استدلال کرنا خلافِ عقل ہے۔ ناظرین حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے کلام کو سمجھنے کیلئے ایک اصول کو مدِّ نظر رکھ کر مطالعہ فرمائیں۔ وہ یہ کہ جیسا قرآنِ کریم کی تفسیر سمجھنے کیلئے آیات محکمات کے ماتحت متشابہات کی تاویل کی جاتی ہے ایسا ہی حضرت امیرؑ کے محکم یعنی صریح کلام کے تحت متشابہ کلام کی تاویل کرنا ہو گی۔ بصورتِ دیگر کلامِ خدا اور کلامِ امیرؑ میں تضاد واقع ہو گا۔ جس کی بنا پر متکلم کی شخصیت مکدّر نظر آئے گی اور گمراہی لازم۔ لہذا ناظرین کو چاہیئے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے صریح کلام سے پہلے استفادہ کریں اور آپ کے اعتقاد کا پتہ کریں کہ شیخین ان کی نظر میں کیا تھے۔

مولنا چوکیروی کے استدلالات کا ابطال

استدلال اوّل و دوم از مصنّف ذیل میں ہم مصنّف تحقیق فدک کے ان استدلالات کا جواب دیتے ہیں۔ جن سے انہوں نے حضرت امیرؑ کے کلام سے شیخین کی مدح ثابت کی ہے۔

انہوں نے دو عبارتیں نقل کی ہیں۔ پہلے ارشاد کے ماتحت شرح نہج البلاغۃ حدیدی کی عبارت ہے۔ اور دوسرے ارشاد کے ماتحت ناسخ التواریخ کی عبارت ہے۔ ان دونوں عبارتوں کا متن اور مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔ لہذا ہم ان کا اکٹھا جواب دیتے ہیں۔ عبارتوں کا ترجمہ یہ ہے "حمد و ثنا کے بعد

بعد بات یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو لوگوں کی راہنمائی کیلئے مقرر فرمایا اور آپ کے ذریعہ لوگوں کو گمراہی سے بچایا —— اس کے بعد فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد سارے مسلمانوں نے ابو بکر کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا اور ان دونوں نے طریق حکومت کو خوبصورت اور نہایت اچھا بنایا اور ساری امت میں انصاف قائم کیا۔ ترجمۂ بالا مصنّف تحقیق فدک کی طرف سے ہے۔ ورنہ حضرت امیر علیہ السلام کا کلام صرف اتنا ہے۔ کہ "ثم استخلف الناس ابا بکر ثم استخلف ابو بکر عمر واحسنا السیرۃ وعدلا فی الامۃ" ملاحظہ ہو تحقیق فدک صفحہ ۲۳۵۔

جواب اوّل | اگر وہی معانی مراد لئے جائیں جو مصنف نے کئے ہیں۔ تو پھر بھی جناب والا کا مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ابو بکر و عمر کی مدح تو الفاظ بالا میں موجود ہے۔ مگر حضرت عثمان کی مذمت ہو رہی ہے۔ آخر کلام کا قرینہ اور موقع محل بھی دیکھا جاتا ہے۔ حضرت یہ کلام اس وقت فرما رہے ہیں جس وقت ملک میں قتل عثمان کی وجہ سے انتشار پیدا ہو رہا تھا۔ جناب امیر کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عثمان نے تو بالکل ہی حد ختم کر دی۔ حضرات ابو بکر و عمر اگرچہ مخالفت اہل بیت میں عثمان سے کم نہیں تھے مگر بظاہر عثمان کی نسبت ان دونوں نے اچھی سیرت اختیار کی۔ اور امت میں عدل و انصاف قائم رکھا۔ یہ تو سراسر مذمت ہے۔ کیونکہ اصحاب ثلاثہ سے اگر ایک کی مذمت ثابت ہو جائے تو باقی دو کی خود بخود ثابت ہو جائے گی۔ حضرت عثمان کو خلیفہ بنانے والے چونکہ یہی دو بزرگ تھے۔ لہٰذا ان کی مذمت بھی ضرور ہو گی۔

حضرت امیرؑ کے الفاظ بتا رہے ہیں۔ کہ لوگوں نے ابو بکر کو خلیفہ بنایا۔ یعنی خدا و رسولؐ کا خلیفہ بنایا ہوا نہیں۔ لہٰذا حضرت ابو بکر بموجب تفسیر کلام جناب امیر خلیفہ بالنص نہ رہا اور ابو بکر آیت استخلاف کا مصداق نہ رہا۔ سنی لوگوں کو چاہئے کہ اس آیت کو خلافت کے بارہ میں نہ پڑھا کریں۔

اس کے بعد حضرت امیر فرماتے ہیں۔ کہ ابو بکر نے عمر کو خلیفہ بنایا۔ اس کلام سے پہلے اصول خلافت کی نفی کر دی۔ یعنی ظاہر فرما دیا کہ لوگوں کا بنایا ہوا خلیفہ ناجائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود ابو بکر نے اپنے اصول کی نفی کر کے اپنی خلافت کا بطلان ظاہر کر دیا۔ گویا ان کے نزدیک نہ خلیفہ بالاجماع ثابت ہوا اور نہ ہی منصوص۔ تمام خلافت شیخین کا بنا بنایا محل دھڑام کر کے گر پڑا۔

میرے معزز ہم عصر فاضل مصنّف تحقیق فدک خیال فرماویں کہ حضرت امیرؑ کا کلام مدح کر رہا ہے

یا مذمت، سوچ کر جواب دیں۔

جوابِ دوئم | اب ذیل میں ہم بفرضِ تسلیم حضرت امیرؑ کے کلام احسنا السیرۃ وعدلا فی الامۃ کا معنی اور تاویل مطابق محکمات حضرت امیرؑ کرتے ہیں جس سے سارے شبہات دُور ہو جائیں گے۔ اور حضرت کا کلام بھی اپنے مقام پہ صحیح رہے گا۔ اصل نہج البلاغۃ میں ہو تو اس کے معنی صحیح کرنے کی ضرورت ہو گی۔

ملاحظہ فرمائیے! احسنا بابِ افعال کی ماضی ہے۔ بابِ افعال کے بہت سے خاصے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک خاصہ سلب یعنی دور کرنا بھی ہے یعنی فاعل کا اپنے مفعول سے اصل فعل کو دُور کرنا۔ احسنا میں فاعل الف ضمیر ہے جس سے مراد شیخین ہیں۔ سیرت مفعول ہے اور اصل فعل حسن ہے۔ پس مذکورہ خاصے کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ حضرات شیخین نے سیرت رسول کے حسن کو سلب کیا اور امت میں رہ کر حق سے عدول کیا۔ پس کسی متکلم کے مبہم کلام کی تاویل اس کے تفصیلی کلام سے کرنی چاہیئے جیسا کہ ہم نے حضرت امیرؑ کے اس مجمل کلام کو خطبہ شقشقیہ کے مطابق کر کے اظہارِ حق کر دیا ہے۔ نیز اس خطبہ کے الفاظ عدلا فی الامۃ سے بظاہر آپ کا خیال ہے کہ ان دونوں نے امت میں عدل جاری کیا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو بزرگوار حقوق اہل بیت کو غصب کر کے آل محمدؐ کے ساتھ عدل نہیں کرتے۔ وہ عام امت کے حقوق میں کہاں تک عدل و مساوات کا اصول جاری کریں گے۔ اور آل محمد کے ساتھ ان حضرات کا عدل نہ کرنا سابقاً ہم کتاب میں کتب اہل سنت سے تصریحاً لکھ آئے ہیں۔

جوابِ سوئم | خطبہ کے الفاظ مذکورہ کی تاویل اس وقت کی جائے گی جبکہ یہ الفاظ حضرت امیرؑ کے ثابت ہو جائیں کیونکہ بلا اسناد کوئی روایت قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ کتب شیعہ میں بھی ہو۔ اگر اسناد ہو تو پھر بھی تنقید کی ضرورت ہو گی اور ہمارے نزدیک یہ خطبہ جناب امیرؑ کا نہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ نہج البلاغۃ کے متن میں موجود نہیں ہیں۔ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح حدیدی میں ان الفاظ کو اہل سنت کے اسناد سے لکھا ہے۔ اور معتزلی مذکور کو ہم سنی ثابت کر چکے ہیں۔ ناسخ التواریخ کے حوالہ پر بھی ہم اعتبار نہیں کرتے کیونکہ اس میں رطب و یابس جمع کیا گیا ہے۔ بصورت تسلیم حوالہ ناسخ احسنا السیرۃ کے ساتھ یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ "نحن آل رسول اللہ واحق بالامر" یعنی ہم آل رسول ہیں۔ ابوبکر و عمر سے خلافت کے زیادہ حقدار

ہیں۔ لہٰذا احق کی موجودگی میں غیر مستحق اگر خلافت پر بیٹھے تو صریح ظلم ہوگا۔ جناب امیر نے کیسے لطیف پیرایہ میں مبہم مدح کر کے ساتھ ہی مذمت بھی کر دی۔ مصنف نے قطع و برید کر کے اپنی مشہور عادت سے کام لیا ہے۔

استدلال سوئم | تیسرے ارشاد گرامی کو نہج البلاغہ سے نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "واللہ لو وجدتہ قد تزوج به النساء وملك به الاماء لرددته" ترجمہ: خدا کی قسم اگر عثمان کی ناجائز عطا کردہ زمینیں میرے علم میں آجائیں تو میں واپس کر لوں گا۔ اگرچہ ان زمینوں سے نکاح ہو چکے ہوں یا باندیاں خرید کی گئی ہوں۔ (تحقیق فدک صفحہ ۲۳۹)

جواب | میرے خیال میں حضرت مصنف ایسے استدلالات پیش کر کے صرف شیخین کا دامن صاف کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان کی عزت کا انہیں کچھ لحاظ نہیں ہے۔ خطبہ مذکورہ سے تو حضرت امیر علیہ السلام ظاہر فرما رہے ہیں کہ حضرت عثمان نے خلاف سنت رسولؐ و خلاف سیرت شیخین عمل کر کے لوگوں کو زمینیں عطا کیں جس کی وجہ سے اس کی خلافت باطل قرار پائی۔ کیونکہ انہی شرائط پر اس کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ اذا فات الشرط فقد فات المشروط۔ یعنی جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی نہ رہا۔ جب عثمان نے ان شرائط پر عمل نہ کیا تو آنجناب کی خلافت بھی مفقود ہو گئی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ان تینوں حضرات کی خلافت کچھ ایسے طریق سے باہم پیوستہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کی خلافت باطل ہو جائے تو باقی دونوں حضرات کی خلافت لازمی باطل ہو جائے گی۔ اگرچہ اس خطبہ میں بظاہر عثمان کی خلافت کا بطلان ہے۔ مگر درحقیقت حضرات شیخین کی خلافت خطرے میں جا رہی ہے۔ حضرت مصنف کو چاہئے کہ فوراً اس کا تدارک کریں۔ ورنہ ع جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی۔

باقی رہا جناب امیرؑ کا عثمان کی عطا کردہ جاگیروں کو واپس کرنا اور ابوبکر و عمر کی کارروائی دربارۂ فدک کو بحال رکھنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ سوائے بنی امیہ کے تمام مہاجر و انصار عثمان کے مخالف ہو گئے تھے مگر پھر بھی وہ ابوبکر و عمر کے گیت بطریق سابق ہی گا رہے تھے۔ حضرت عثمان کے افعال کی تردید کرنا جناب امیر کیلئے آسان تھا۔ کیونکہ سوائے بنو امیہ کے باقی اکثریت جناب امیر کے ساتھ تھی۔ اگر ابوبکر و عمر کی سیرت کے خلاف کرتے تو مخالفت کا زیادہ اندیشہ تھا۔ لہٰذا اس کارروائی کو اپنے مقام پر بحال رکھا اور عثمان کی عطا کردہ جاگیروں کو واپس کرنے کی کوشش حتی الامکان فرمائی۔ مگر پھر بھی بعض امور کی اصلاح نہ کر سکے۔ جیسا کہ فدک مروان کے قبضہ میں رہا اور اس وجہ سے واپس لینے کی کوشش نہ کی کیونکہ واپسی فدک میں سیرت شیخین کا تعلق تھا۔

استدلال چہارم:۔ تحقیق فدک پر حضرت امیر علیہ السلام کا ایک خطبہ جو بقے ارشاد کے ماتحت لکھا ہے۔
جس کے الفاظ یہ ہیں۔ للہ بلاد فلان فقد قوم الاود وداوی العمد واقام السنۃ وخلف الفتنۃ
ذھب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرھا وسبق شرھا ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ
بحقہ،، تحقیق فدک

جواب اوّل:۔ اس خطبہ سے مصنّف تحقیق فدک نے لفظ فلاں سے حضرت عمر مراد لیکر اس کی تعریف کا استدلال
کیا ہے۔ حالانکہ لفظ فلاں ایسا مجمل اور مبہم لفظ ہے جس کی تعین بغیر اس کلام کے متکلم کے کوئی نہیں کر سکتا۔
یا وہ خود جانے یا خالق جانے۔ شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ یہاں عمر کا نام موجود تھا سجامع نہج البلاغۃ نے
فرط عداوت سے نام درج نہیں کیا۔ یہ جناب والا کا اپنے مذہبی لٹریچر سے ناواقفیت کا کھلا ثبوت ہے۔
آپ کے سنی عالم علامہ ابن اثیر جزری نے اپنی کتاب نہایہ لغت عمد کے تحت میں اس خطبے کو لکھا ہے۔ اس نے
بھی لفظ فلاں ہی لکھا ہے سنیوں کو تو حضرت عمر سے عداوت نہیں وہ اپنی کتابوں میں اس نام کی تصریح کر دیتے
اور بجائے فلاں کے لفظ عمر لکھ کر ظاہر فرما دیتے۔ مگر آجتک کسی نے ایسا نہیں کیا جس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ
اصل متن میں لفظ فلاں ہی ہے۔ لہٰذا لفظ فلاں سے حضرت عمر مراد لینا اور کسی ذات کو مراد نہ لینا بڑی سخت لغزش ہے۔
اور ایسے مبہم لفظ سے کسی ایسے عقیدہ کی بنیاد قائم کرنا جو خود متکلم کے عقیدہ کے بھی خلاف ہو۔ قرین قیاس نہیں۔
اس لفظ میں بہت کچھ احتمالات۔ پائے جاتے ہیں۔ اور یہ مسلّمہ اصول ہے۔ کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال
جب احتمال واقع ہو جائے۔ تو استدلال بھی باطل ہو جاتا ہے۔ مصنّف تحقیق فدک نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۹
میں شیعہ علماء پر الزام دیا ہے۔ کہ اجتہادیات کا قیاس منصوصات پر کرنا شیعہ علماء کا کام ہی ہے۔ بقولے
دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ اسی جرم کے خود مرتکب ہو گئے۔
حالانکہ مذمت عمر زبان امیرؑ کرامتہ،، لحضر عمر بن الخطاب یعنی میں عمر کا آنا پسند نہیں کرتا (بخاری و مسلم)
بنص قطعی ثابت ہے۔ اور خطبہ ہذا کے لفظ فلاں سے جناب شاہ صاحب کا نام عمر استنباط کرنا اجتہادی ہے۔
لہٰذا خود ان کے اپنے اصول کے مطابق اجتہاد کا قیاس نصوص کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ اگر ارشاد فرمائیں۔ کہ
تمام شارحین نہج البلاغتہ نے لفظ فلاں سے عمر کو ہی مراد لیا ہے۔ تو اس کا جواب بھی یہی ہے۔ کہ یہ تمام
شارحین کا اجتہاد ہے۔ لہٰذا نص کے مقابلہ میں اجتہاد باطل ہوا۔ آپ کوئی اور خطبہ جناب امیر علیہ السلام
کا تلاش کریں۔ جس میں صاف عمر کا نام موجود ہو۔

اگر آپ کہیں کہ عمر مراد نہیں تو لفظ فلاں میں تعین کی جاوے کہ اس سے کون مراد ہے بجناب و الا! اگر آپ قرآن کریم کی آیۃ مبارکہ یٰلیتنی لم اتخذ فلاناً خلیلا میں لفظ فلاں میں تعین کر دیں۔ تو اسی وقت ہم بھی تعین کر کے ہدیہ جناب و الا کریں گے۔

نیز اسی قسم کے مبہم الفاظ جیسا کہ فلاں ہے کی تعین کرتے ہوئے یہ دیکھنا لازمی ہو جاتا ہے کہ جس شخص کی تعین ہم اپنے استنباط سے کر رہے ہیں۔ کیا اس کے متعلق اسی متکلم نے کسی اور جگہ صریحاً مذمت تو بیان نہیں کی لیکن خطبہ شقشقیہ میں بموجب بیان علامہ ذہبی و ملا یعقوب لاہوری ابوبکر و عمر کی سخت مذمت موجود ہے۔ لہٰذا اس مذمت بالنص کے ہوتے ہوئے اس خطبہ للہ بلاد فلاں کے مدحیہ کلمات کو حضرت عمر پر چسپاں کرنا خلاف عقل و نقل ہے۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت امیر جیسا افصح و حکیم انسان ایک موقعہ پر کسی انسان کی تعریف کرے اور دوسرے مقام پر مذمت کرے۔ اس طریق سے خود حضرت امیرؑ کی نعوذ باللہ اپنی توہین اور مذمت ہوتی ہے خطبہ شقشقیہ میں حضرت امیر علیہ السلام نے لقد تقمصھا ابن ابی قحافہ کہہ کر تنصیص کر دی ہے۔ جس میں تاویل وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بفرض محال اگر لفظ فلاں سے مراد حضرت عمر کو ہی لیا جاوے۔ تو ان الفاظ مدحیہ کی تاویل مطابق دیگر متواتر کلام جناب امیرؑ کے یوں ہو گی۔

جواب دوئم۔ (۱) یعنی اس کی بھلائی ہے جس نے کجی کو سیدھا کیا یعنی بہ نسبت خلیفہ ثالث باغیوں پر قابو رکھا۔ یا تقویم کا معنی مضبوط کرنے کا ہے۔ یعنی کجی غصب حقوق آل محمدؐ کو مضبوط کیا۔ اس اعتبار سے بھلائی کا لفظ استعمال کرنا متنازٌ الیہ کے لئے شرم دلانا مقصود ہے۔ جیسے بطور انکار ایسے محاورات استعمال ہوتے ہیں۔ (۲) داوی العمد یعنی فتنہ پردازوں کے امراض کا علاج کیا۔ جیسے بقول شبلی نعمانی بنو ہاشم کی سازشوں اور فتنوں کو آگ لگانے کی دھمکیاں دے کر خاموش کیا۔ (ازالۃ الخفا) بہ نسبت خلیفہ ثالث کے نظام سلطنت قائم رکھا اور فتنہ پیدا نہ ہونے دیا۔ اور ستون سلطنت کو کھڑا کیا۔ یا ستون کجی کو کھڑا کیا (۳) اس نے اپنا جانشین فتنہ کو کیا جس سے مراد خلیفہ ثالث ہے۔ یا نظام سلطنت اس کے ہاتھ میں اچھا تھا۔ اور پیچھے فتنہ و فساد کو چھوڑا (۴) سنت خود ساختہ کو قائم کیا۔ سنت نبویہ مراد نہیں۔ بلکہ سنت سنیہ مراد ہے۔ جو درحقیقت بدعت اور فتنہ ہے یعنی اپنا طریقہ قائم کیا (۵) اچھے لباس سے گیا یعنی اس کی ظاہری حالت بہ نسبت خلیفہ ثالث اچھی رہی۔ نہ یہ کہ اس کا باطن بھی صاف تھا ورنہ اچھے کپڑوں کا لفظ نہ ہوتا۔

(۶) خلیفہ ثالث کی نسبت کم عیب رکھتا تھا۔ نہ یہ کہ بے عیب تھا۔ اسی کلمہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بصورت تسلیم جناب امیرؑ نے تعریض خلیفہ ثالث کے موقعہ پر فرمایا ہے کیونکہ قلیل العیب ایک نسبتی امر ہے۔ جس سے متکلم کو موازنہ کسی کا مطلوب ہے۔ (۷) سلطنت کے امن کو یا اپنی بادشاہت کے مال ومتاع کو پایا۔ (۸) فتنہ وفساد وشر سلطنت سے پہلے گزر گیا۔ (۹) اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق اس نے خدا کی اطاعت کی جیسا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم اذان میں پڑھا دیا تراویح قائم کی۔ متعہ بند کیا وغیرہ (۱۰) بہت احداث وبدعات جاری کرنے میں بہ نسبت خلیفہ ثالث کے بچتا تھا۔ چنانچہ قلیل العیب اس بات کا شاہد ہے۔

جواب سوئم۔ خطبے کے ان الفاظ کے بعد مصنف نے اغماض کیا ہے۔ جہاں تصریحاً مذمت تھی۔ ان الفاظ کو اپنی جبلت قدیمہ سے کام لیتے ہوئے چھوڑ دیا ہے۔ اور خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے۔ ان الفاظ کے بعد "رحل وترکھم فی طرق متشعبہ لا یھدی فیھا الضال ولا یستقین المھتدی" جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس نے لوگوں کو ایسے پیچ در پیچ راہوں میں پریشانی کی حالت میں چھوڑا جس کے باعث ہدایت یافتہ بھی اطمینان حاصل نہیں کر سکتا۔ یعنی دین کی حالت کو ایسا خراب کر گیا۔ کہ متلاشی حق کو اس کے قائم کردہ آثار سے ہدایت نہیں ہو سکتی۔ خطبہ مندرجہ بالا سے زعم مصنف تحقیق فدک مدح معلوم ہوتی ہے۔ جس سے حضرت عثمان کی تعریض مطلوب ہے جس میں خلیفہ ثالث وثانی کا تقابل مقصود ہے۔ نہ کہ مطلق مدح حضرت عمر کی۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ سوائے معصوم کے ہر ایک انسان میں کوئی خوبی اور برائی ہوتی ہے اگرچہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے حاتم طائی کی سخاوت اور نوشیروان کا عدل مشہور ہے مگر ثمرہ اعمال اعتقادات صحیحہ پر موقوف ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام نے تقیہ کے موقعہ پر اگر چند مدحیہ کلمات ارشاد فرما بھی دیئے تو کیا ہوا۔ جن کی تردید دیگر متعدد مقامات پر کردی۔ لہذا خطبہ بالا کو استدلال پیش کرنا جناب شاہ صاحب کا باطل قرار پایا۔

استدلال پنجم کا جواب۔ پانچویں ارشاد کے تحت بھی جو عبارت نہج البلاغۃ سے نقل کی گئی ہے کہ بھی اسی خطبہ مذکورہ پر قیاس کر لیں۔ کیونکہ یہاں بھی وہی احتمال اور قرینہ موجود ہے جو اس سابقہ خطبہ میں تھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں پر حاکم ہوا ایک شخص جس نے قائم کیا اور مقیم رہا۔ تا آنکہ دین کو آرام ہو گیا۔ ان الفاظ میں بھی مدحت موجود نہیں ہے۔ لہذا اپنے ذاتی استنباط سے عمر کا نام مراد لینا دولت سقیفہ کی بے حیا مدح ہوگی۔ حضرت مصنف تحقیق فدک کی تحریر کردہ تصدیقات کا جواب تائیدات ایزدی کافی وشافی ان ہی کے مسلمات سے دیدیا ہے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ہم چند ایک روایات کتب معتبرہ اہل سنت سے درج کر کے ناظرین کے شبہات

دور کردیں۔ اور واضح کردیں۔ کہ خود پیغمبر اسلام اور حضرت فاطمۃ الزہرا حسنین شریفین و جناب ابوالائمہ حضرت علی المرتضیٰ علیہم السلام کے اعتقادات اصحاب ثلاثہ و بانیانِ دولتِ سقیفہ کے بارہ کیا تھے۔ کیا ان حضرات معصومین کو اپنے حقوق کے غصب ہونیکا احساس تھا۔ یا ثلاثہ کے افعال ناشائستہ پر رضامند تھے۔ نیز یہ بھی پتہ چل جائے گا۔ کہ جناب سرورکائنات کی نگاہ نبوت مستقبل کے پردہ میں ان بزرگواروں کے افعال دیکھ رہی تھی یا نہیں۔ اور ان حضرات کے متعلق ترجمانِ وحی نے کیا اندازہ لگایا۔ اگر آنحضرت کی پیشین گوئیاں صحیح نکلیں تو پھر کیوں خواہ مخواہ ایسے بزرگواروں کی قیادت قبول کی جاتی ہے۔ اگر ان تصریحات رسول واہلِ بیت رسول کے مصداق یہ بزرگ نہیں۔ تو پھر حضرات اہل سنّت کے علما تعین کریں۔ اور مستضعفین اہلِ سنّت کے اطمینان کا سامان مہیا کریں۔ نیز یاد رکھیں جن حضرات معصومین علیہم السلام کے ارشادات ذیل میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی عصمت اور صداقت کی شہادت خود خداوند عالم کے پاک کلام میں موجود ہے۔ اور یہ روایات وارشادات گرامی اہل سنت کی مشہور و معتبر کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ جن سے انکار کرنا بداہت اور بداہت سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ لیجئے ملاحظہ ہو:

جناب پیغمبر کی پہلی پیشین گوئی

صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ ترجمہ (۱) آپنے فرمایا میرے بعد دو قسم کے امام ہونگے۔ ائمہ خیر وائمہ شر۔ ائمہ خیر پر تو مومن صلوٰۃ پڑھیں گے اور اُن سے محبت کریں گے۔ اور ائمہ شر پر مومن لعنت کریں گے۔ اور اُن سے بغض رکھیں گے۔ عرض کیا گیا کہ حضور ہم ان سے تلوار لیکر لڑائی نہ کریں۔ فرمایا جب تک وہ تمہارے اندر نماز کو قائم کریں مراد ظاہری شریعت کی پابندی ہے۔ حضرت مصنف ارشاد فرمائیں کہ یہ کون سے امام ہیں۔ جن سے جنگ کرنا منع ہے۔ کیا حضرات اہل بیت نے ان سے جنگ نہ کرنے کی تعیین نہیں کردی۔ کہ یہ فلاں فلاں بزرگ ہیں آپ ارشاد فرمائیں کہ نماز میں کونسے ائمہ پر صلوٰۃ پڑھی جاتی ہے۔ میرے خیال میں حضرات اہل سنّت ائمہ اہل بیت پر ضرور صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔ اور نہ پڑھنے کی صورت میں اُن کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

لہٰذا حدیث بالا سے پتہ چل گیا۔ کہ جو حقیقی امام ہیں۔ ان پر درود پڑھنا لازمی ہے۔ اور اب جن ائمہ پر نہیں پڑھا جاتا وہ ائمہ شر ہیں۔ اگر اہل سنّت کہیں کہ ہم بھی اصحاب ثلاثہ پر درود پڑھتے ہیں۔ مان لیا کہ آپ پڑھتے ہوں گے۔ مگر ارشاد فرمائیں کہ یہی صلوٰۃ نماز میں کیوں نہیں پڑھی جاتی۔ پس ثابت ہوا کہ نماز میں جن پر صلوٰۃ ہے۔ وہ آل محمدؐ ہیں۔ اور حقیقتہً آل محمدؐ ہی ائمہ برحق ہیں۔ اور ان کے مخالف ائمہ شر ہو چکے

دوسری پیشین گوئی :- اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شیخ دہلوی جلد ۳ کتاب الامارۃ صفحہ ۲۹۳ مطبع نولکشور
من ابی ذر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیف انتم وائمۃ من بعدی یستاثرون
بھذا الفی قلت انا والذی بعثک بالحق اضع سیفی علی عاتقی ثم اضرب بہ حتی القاک
قال اولا ادلک علی خیر من ذالک تصبر حتی تلقانی ۔ ترجمہ: ابوذرؓ روایت کرتے ہیں فرمایا
رسول اللہ صلعم نے کہ کیسا حال ہوگا۔ اے ابوذر تمہارا اور میرے بعد ان اماموں کا جو مال فے کو اپنے تصرف
میں لائیں گے۔ میں نے کہا کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے تجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں اپنے کاندھے
پر تلوار رکھ کر مارا کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ سے مل جاؤں فرمایا آنحضرتؐ نے کہ کیا میں تجھے اس چیز کی رہنمائی نہ کروں
جو اس چیز سے بہتر ہے یعنی تم صبر کرنا۔ یہاں تک کہ میرے ساتھ ملاقات کرو"
پیغمبرؐ کے اس فرمان نے تو اساس سقیفہ کو بالکل برباد کر دیا۔ وہ امام کون ہیں۔ جنہوں نے مال فے یعنی فدک وغیرہ
کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ یاد رکھنا چاہیے حضرت ابوذرؓ عثمان کے زمانہ میں فوت ہوئے ہیں لہٰذا حضرت ابوذر
سے پہلے جو امام گذر چکے ہیں یہ فرمان خاص ان کی نسبت ہے کیونکہ آنحضرت کا مخاطبہ ابوذر سے ہے۔ یہی بزرگوار
حضرات ثلاثہ ہیں۔ جو ابوذر سے پہلے امام ہو چکے۔ اور مال فے یعنی فدک وغیرہ کی اراضیات پر خود قابض ہو
گئے اور حقداروں کے حقوق انہیں نہ دیئے۔ اگرچہ حضرت رسولؐ کا صرف یہی فرمان اہل بصیرت کیلئے کافی تھا
مگر ناظرین کی تسلی کے لئے چند شواہد اہل سنت اور درج کئے جاتے ہیں۔
تیسری پیشین گوئی :- شاہ ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفاء مقصد ۱ صفحہ ۹ و قرۃ العینین صفحہ ۲۹۵ پر حدیث حذیفہ
تحریر کرتے ہیں۔ عن حذیفہ قال قالوا یا رسول اللہ لو استخلفت علینا قال ان استخلف علیکم خلیفۃ
فتعصوہ ینزل العذاب قالوا لو استخلفت علینا علیا قال انکم لا تفعلون وان تفعلوا تجدوہ
ھادیا مھدیا یسلک بکم الطریق المستقیم۔ ترجمہ: حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ
ہم پر خلیفہ بنا دیں۔ فرمایا اگر تم پر خلیفہ بناؤں تو تم انکار کرو گے۔ اور انکار کی بنا پر عذاب نازل ہوگا۔ پھر صحابہ نے
عرض کیا کہ ہم پر علیؑ کو خلیفہ بنا دیں۔ فرمایا آنحضرتؐ نے کہ اے صحابہ تم علی کو خلیفہ بناؤ گے نہیں۔ اور اگر بنا لیا
تم اس کو ہادی اور مہدی پاؤ گے۔ جو تجھے صراط مستقیم پر لے جائے گا۔
حدیث بالا سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آنحضرت کی مرضی سوائے علی علیہ السلام کے خلیفہ بنانے کے نہ تھی کیونکہ جب صحابہ نے
علیؑ کا نام لیا تو خوش ہو کر فرمایا۔ کہ اگر تم نے بنا لیا۔ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث میں علی کی خلافت بلا فصل کا اثبات ہے

لیجئے ایک اور حدیث ہدیۂ ناظرین ہے جس میں ابوبکر و عمر کی خلافت کی نفی موجود ہے۔ ملا عبدالحی نے اپنے فتاویٰ میں بحوالہ تفسیر ابن کثیر دمشقی ایک حدیث نقل کی ہے۔ ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ لیلۃ الجن کو پیغمبرؐ پریشان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ ابوبکر کو خلیفہ بنا دیں آنحضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔ میں نے سمجھا کہ شاید جناب کو میری بات موافق نہیں آئی۔ پھر میں نے عمر کا نام لیا۔ تب بھی منہ پھیر لیا۔ اس کے بعد میں نے علیؑ کا نام لیا اس وقت جناب پیغمبرؐ نے فرمایا۔ کہ اے ابن مسعود لو باتیعتموہ واطعتموہ ادخلکم الجنۃ یعنی اگر تم نے علیؑ کی بیعت کر لی اور اطاعت کی تو وہ تجھے جنت میں داخل کر دیگا۔ خدا اور رسولؐ علیؑ کو خلیفہ بنا چکے ہیں۔

حضرات اہل سنت فرماتے ہیں کہ جناب رسولؐ نے اپنا خلیفہ مقرر ہی نہیں کیا۔ کیا مندرجات بالا کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ پیغمبرؐ نے علی علیہ السلام کی خلافت بلا فصل کو امت پر ظاہر کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا ہو۔ اہل سنت یہ تو مانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی مرضی تو یہی تھی۔ کہ میرے بعد علیؑ خلیفہ بنے مگر علی علیہ السلام کی خلافت کو امت نے قبول نہیں کیا اور اجماع امت ابوبکر پر ہو گیا۔ لہٰذا خلافت موعودہ کا مطوق وہی ٹھہرا۔

چوتھی پیشین گوئی۔ ذیل میں ایک اور حدیث نقل کی جاتی ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ جناب سرور کائنات کو اپنے یار غار ابوبکر کی استقامت فی الدین پر بھروسہ نہیں تھا جس شخص کے فعل اور تا دم مرگ دین پر قائم نہ رہنے کی شہادت خود پیغمبر دے رہا ہو بھلا اسی پیغمبر کی خلافت دینی کا وہ مستحق کب ہو سکتا ہے مصفیٰ و مسویٰ شرح موطا امام مالک از شاہ ولی اللہ دہلوی جلد ۲ صفحہ ۲۶ مطبع فاروقی دہلی عن ابی النضر مولیٰ عمر بن عبید اللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لشهداء احد هؤلاء اشهد عليهم فقال ابوبكر يا رسول الله الستنا باخوانهم اسلمنا كما اسلموا وجاهدنا كما جاهدوا فقال رسول الله بلى ولكن لا ادرى ما تحدثون بعدى (ترجمہ) عمر بن عبید اللہ کا غلام بیان کرتا ہے۔ کہ رسولؐ اللہ نے احد کے شہیدوں کے لئے کہا۔ کہ یہ لوگ وہی ہیں جن کی میں شہادت دیتا ہوں۔ اس پر ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں۔ کیا ہم نے اسلام قبول نہیں کیا جیسا کہ یہ مسلمان ہوئے۔ کیا ہم نے جہاد نہیں کیے جیسا کہ یہ کرتے رہے فرمایا رسول اللہ نے کہ ہاں مگر میں نہیں جانتا کہ میرے بعد تم کیا کیا بدعات پیدا کرو گے۔

پانچویں پیشینگوئی۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۳۸۱ پر لکھا ہے۔ یہ حدیث حدیث حوض کے نام سے مشہور ہے۔ جب پیغمبر اسلام روز محشر حوض کوثر پر تشریف فرما ہونگے۔ تو صحابہ کا ایک گروہ آئیگا فرشتے ان کے درمیان پردہ حائل کر دیں گے جناب پیغمبرؐ اسلام فرمائینگے کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں جن کو میں پہچانتا ہوں پس آواز آئیگا

فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک یعنی اے پیغمبر تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعات جاری کیں پھر جناب ختمی مرتبتؐ فرمائیں گے سحقاً سحقاً یعنی دُور رہو دُور۔

کیا حضرات اہل سنت و مصنف تحقیق فدک تعین کرسکتے ہیں۔ کہ یہ بزرگ بدعات جاری کرنے والے اور حوض کوثر سے روک دیئے جانے والے کون ہیں۔

اگر حدیث مندرجہ موطا جس میں ابوبکر کا صریحاً نام ہے۔ اور حدیث حوض کا تطابق کیا جاوے۔ تو یہ بزرگ وہی معلوم ہوتا ہے۔ جس کو اپنی زندگی میں خود پیغمبر احداث فی الدین کا سرٹیفکیٹ دے رہا ہے۔ اور یہی بزرگ معہ اپنے رفقاء کار حدیث حوض کے مطابق حوض کوثر سے روک دیا جائے گا۔

سوچئے اور بار بار سوچئے ایسے امام کیوں بنائے جاتے ہیں۔ جن کو خود پیغمبر مبتدع قرار دے رہا ہے۔ بدعت تو بجائے خود رہی جناب پیغمبر اسلام اسی بزرگ کی نسبت شرک کا فتویٰ صادر فرما رہے ہیں۔ اور شرک ظلم عظیم ہے۔ اور ظالم خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ "لا ینال عھدی الظالمین" قرآن میں صاف حکم موجود ہے۔ حالانکہ حسب آیۃ استخلاف خلافت کے لئے ایمان و اعمال صالحہ شرط ہیں۔ آیت استخلاف میں موجود ہے۔ کہ لا یشرکون بی شیئاً خداوند عالم فرماتا ہے۔ کہ جو میرا خلیفہ ہوگا۔ وہ ذرہ بھر بھی شرک نہیں کریگا۔

چھٹی پیشین گوئی:۔ خلیفہ اوّل کے شرک کے متعلق خود پیغمبر اسلام کا فتویٰ کتب اہل سنت میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو ادب المفرد امام بخاری ص۱۰۵ وازالۃ الخفا مقصد ۲ ص۲۴۲ ص۹۹ مطبع صدیقی بریلی مصنفہ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۵ ص۲۲۹ تفسیر در منثور جلد ۴ ص۵۴ کنز العمال جلد ۲ ص۹۷/۹۸ حیواۃ الحیوان الامیری ج۲ ص۳۲

یا ابابکر الشرک فیکم اخفیٰ من دبیب النمل فقال ابوبکر وھل الشرک الا من جعل مع اللہ الٰھا اٰخر فقال النبیؐ والذی نفسی بیدہ الشرک فیکم اخفیٰ من دبیب النمل۔ ترجمہ: حضور نے فرمایا۔ اے ابوبکر تمہارے اندر شرک چیونٹی کی چال چل رہا ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ حضور شرک تو اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک کرنے کا نام ہے۔ حضور نے قسم کھا کر فرمایا کہ ابوبکر شرک تمہارے اندر چیونٹی کی چال چل رہا ہے۔ اب تو ناظرین حضرات کی تسلی ہو گئی ہوگی۔ جناب پیغمبر دوبارہ بھی قسم اٹھا کر وہی الفاظ فرما رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے استفسار پر نفی نہیں کی یا کوئی اور تاویل کر کے یار غار کو مطمئن نہیں کیا۔ بلکہ وہی فتویٰ دوبارہ بھی سنا کر خاموش کر دیا۔

ساتویں پیشین گوئی:۔ سید علی ہمدانی شافعی المذہب اپنی کتاب مودۃ القربیٰ میں پانچویں مودت کے تحت

ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس میں جناب پیغمبر اسلام نے حضرت عمر کے دلی اعتقادات کو طشت ازبام کرکے درحقیقت قضیۂ قرطاس کے لاینحل عقدہ کو حل فرما دیا ہے۔ یاد رہے مودۃ القربیٰ اہل سنت کی معمولی کتاب نہیں ہے۔ سید علی ہمدانی کو شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے رسالہ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ صفحہ ۱۲۵ پر اپنے مشائخ میں شمار کرتے ہوئے سلسلہ کبرویہ کا بانی قرار دیا ہے۔ جو اہل سنت کے سلسلہ فقر میں ایک عظیم الشان سلسلہ ہے۔

"عن عمر ابن الخطاب قال نصب رسول اللہ علیا علما فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ واخذل من خذلہ وانصر من نصرہ اللھم انت شھیدی علیھم ثم قال یعنی عمر وکان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح فقال لی یا عمر لقد عقد رسول اللہ لابن عمہ عقدا لا یحلہ الا منافق فاحذر ان تحلہ قال عمر فقلت یا رسول اللہ انک حیث قلت فی علی کان فی جنبی شاب حسن الوجہ طیب الریح قال کذا وکذا قال النبی نعم یا عمر انہ لیس من ولد آدم لکنہ جبرئیل اراد ان یوکد علیکم ما قلتہ فی علی۔ (ترجمہ) عمر بن خطاب سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا نے بطور نشان ہدایت کے علی کو نصب کیا۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ جس کسی کا میں مالک و مختار ہوں۔ علی بھی اس کا مالک و مختار ہے۔ اے خدا جو کوئی اس کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو کوئی اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ اور جو کوئی اس کی نصرت نہ کرے تو بھی نہ کر اور جو اس کی مدد کرے۔ تو بھی اس کی مدد کر۔ اے خداوند تو ان پر میرا گواہ ہے۔ (راوی عمر بیان کرتا ہے) کہ اس وقت میرے پہلو میں ایک جوان خوبصورت اور پاکیزہ بو موجود تھا۔ اس نے مجھ سے کہا اے عمر البتہ رسول خدا نے اپنے چچا زاد بھائی کیلئے آج ایک گرہ باندھ دی ہے جس کو سوائے منافق کے اور کوئی نہیں کھولے گا۔ اے عمر خبردار کہیں تو ہی اس گرہ کو نہ کھولنا۔ عمر کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا سے عرض کی کہ جب آپ نے علی کی بابت بیان کیا تو میرے پہلو میں ایک جوان خوبرو اور پاکیزہ بو تھا۔ اس نے ایسا ایسا مجھے کہا حضرت نے فرمایا۔ اے عمر ہاں وہ اولاد آدم سے نہیں۔ بلکہ وہ جبرئیل تھے۔ اس نے ارادہ کیا کہ جو کچھ میں نے علیؑ کے متعلق کہا ہے۔ اس کی بابت تم کو تاکید کر دے"

ناظرین حضرات! اتنے کثیر مجمع میں صرف حضرت عمر کو ہی جبرئیل نے کیوں تاکید کی۔ باقی صحابہ کو کیوں نہ کہا گیا۔ جناب پیغمبرؐ اور حضرت جبرئیل اور خداوند عالم کے اس فعل سے ساری بات کھل نہیں جاتی۔ کہ

نگاہ نبوت اور علیم بذات الصدور کو اس امر کا علم تھا۔ کہ میدانِ سقیفہ کی تمام تر کارروائی کا سہرا چونکہ اسی بزرگ کے سر پر ہوگا۔ اور مظالم کے سلسلہ میں بھی نادر انسان اپنے سارے سقیفائی قافلے کا قائد ہوگا۔ لہٰذا اس کو قبل از وقت تنبیہ کر کے حجت قائم کر دی جائے۔

مندرجہ بالا حوالہ جات اور عبارتیں کتب اہل سنت سے نقل کی گئی ہیں۔ اور اہل سنت کے ہاں یہ کتابیں مستند شمار ہوتی ہیں۔ اور یہ اس بزرگ کے ارشادات گرامی ہیں۔ جس کی عصمت، صداقت، رسالت، پاکیزگی طینت۔ وما ینطق عن الھویٰ کا مصداق ہونے میں اسلام کے کسی فرقہ کو انکار نہیں۔ اور اگر کوئی ذرہ بھر بھی شبہ کرے۔ وہ خارج از اسلام ہوتا ہے۔ اور جس کے متعلق شیخ سعدی نے فرمایا ہے ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اعتقادات حسنینؑ دربارہ حضرات ثلاثہ

ذیل میں ہم جوانان جنت کے سردار جناب حسنین شریفین سبطین رسولؐ۔ فرزندانِ علیؑ وبتولؑ کے اعتقادات دربارہ شیخین کتب اہل سنت سے نقل کرتے ہیں۔ کیا ان دو معصوموں نے حضرت ابوبکر و عمر کو اہل خلافت سمجھا یا نہیں۔

حضرت امام حسنؑ کا عقیدہ

براہین قاطعہ ترجمہ صواعق محرقہ ص ۲۹۴-۲۹۵ پر تحریر ہے۔ ودار قطنی روایت کردہ است کہ در وقتیکہ ابوبکر بر منبر رسولؐ بود حسن آمد وگفت فرود آ از جائے پدر من۔ ابوبکر گفت راست گفتی ایں جائے پدر تست تا آنکہ ابوالحسن آمد وگفت واللہ کہ صدور ایں سخن برائے من وقرار من نبود بلکہ بخاطرش چنیں رسیدہ و نہ من گفتہ بودم اورا ابوبکر گفت ای ابوالحسن واللہ کہ من متہم نساختم دریں امر لیکن اجماع مسلمانان چنیں لپندیدہ اند۔ (ترجمہ) دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ ابوبکر ایک دفعہ منبر رسول پر بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں امام حسنؑ آ گئے۔ اور ابوبکر کو کہا کہ اے ابوبکر میرے باپ کی جگہ سے اتر آؤ۔ ابوبکر نے کہا۔ کہ واقعی تیرے باپ کا منبر ہے۔ یہاں تک حضرت امیرؑ آئے۔ اور فرمایا کہ اے ابوبکر حسنؑ کو میں نے یہ بات نہیں سکھائی۔ اپنے دل سے اس نے ایسا کہا ہے۔

ابو بکر نے کہ اے ابوالحسن میں آپ کو تہمت نہیں لگاتا۔ لیکن کیا کروں۔ مسلمانوں کا اتفاق اسی پر ہو گیا۔ کہ مجھ کو خلیفہ بنائیں۔

حضرت امام حسنینؑ کا عقیدہ اس کے بعد اسی صفحہ ۲۹۵ مذکور براہین قاطعہ فارسی پر لکھا ہے کہ حسنین را ہمیں واقع با عمر واقع شدہ۔ وقتیکہ بر منبر بود و عمر نیز وے را گفت واللہ کہ ایں جائے پدر تست یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ جبکہ عمر اپنے وقت میں منبر رسولؐ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میرے باپ کے منبر سے نیچے اُتر آؤ۔ عمر نے کہا۔ واقعی اے حسین یہ تیرے باپ کی ہی جگہ ہے"

مندرجہ بالا دونو روایات تاریخ الخلفاء مطبوعہ سرکاری امام سیوطی۔ ازالۃ الخفاء دہلوی اور کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۵ میں بھی درج ہیں۔ اب اچھی طرح واضح ہو گیا۔ کہ یہ دو معصوم امام حسنین شریفین علیہم السلام حضرات شیخین کو منبر رسول پر بیٹھنے کے اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اگر علی و فاطمہ نے ان کو خلیفہ مان کر بیعت کی ہوتی۔ تو ان کے یہ دونوں فرمانبردار بچے ضرور بالضرور ایسے الفاظ نہ کہتے۔ جن سے حضرات شیخین کی توہین ہو۔ حضرات ابو الحسن نے حضرت خلیفہ اوّل و دوم کا شبہ بھی دور کر دیا۔ کہ یہ باتیں میں نے حسنین کو نہیں سکھلائیں۔ بلکہ ان کا ذاتی عقیدہ ہے۔ کہ یہ منبر رسول ہمارے باپ کا حق ہے۔ خود ابو بکر نے تسلیم بھی کر لیا کہ اے ابو الحسن منبر تو تمہارا ہی حق تھا۔ مگر کیا کریں مسلمانوں نے مجھے انتخاب کر لیا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام کے اعتقادات دربارہ شیخین

اب ذیل میں ہم اس ہستی کے چند ارشادات گرامی نقل کرتے ہیں۔ جن کے کلام بلاغت نظام سے حضرت مصنف تحقیق فدک نے محبت ثلاثہ کا استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو استیعاب فی معرفۃ الاصحاب مصنفہ امام اہل سنت عبد البر تذکرہ رفاعہ بن رافع حرف الراء مطبوعہ حیدر آباد دکن لما قبض رسول اللہ قلنا نحن اھلہ واولیاءہ لا ینازعنا سلطانہ احد فابی علینا قومنا فولوا غیرنا وایم اللہ لولا مخافۃ الفرقۃ وان یعود الکفر و یبور الدین لغیرنا فصیرنا

علیٰ لعض الالم۔ یعنی حضرت امیر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ کی وفات ہو گئی۔ ہم نے کہا کہ ہم ان کے وارث اور اہل ہیں۔ اور ہم سے کوئی شخص پیغمبر کی سلطنت میں جھگڑا نہیں کرے گا۔ مگر ہماری قوم یعنی مسلمانوں نے ہم کو خلیفہ بنانے سے انکار کیا۔ اور ہمارے غیر کو حاکم بنالیا۔ خدا کی قسم اگر امت کے منفرق ہونے کا کفر کے لوٹنے اور دین کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہوتا۔ تو ہم تبدیل کر دیتے۔ پس ہم نے بعض مصائب پر صبر کیا۔

اعتقاد دوئم۔ حضرت امیر علیہ السلام کا ابوبکر و عمر کی سیرت سے انکار پہلے ہم لکھ آئے ہیں۔ دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت امیرؑ نے مرتے دم تک حضرات شیخین کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۹۴ و براہین قاطعہ فارسی ص ۱۸۹۔

اعتقاد سوئم۔ عقد الفرید علامہ ابن عبد ربہ اندلسی جلد ۳ ص ۱۰۰ پر حضرت امیرؑ کا فرمان موجود ہے۔

فکنت انا الذی ابیت علیہ مخافۃ الفرقۃ بین المسلمین لقرب عھد الناس بالکفر

ترجمہ:۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا کہ ابوسفیان نے جب مجھے ثلاثہ کے مقابلے میں جنگ کرنے کا مشورہ دیا تو میں نے تفریق بین المسلمین کے خوف سے انکار کر دیا۔ کیونکہ زمانہ کفر نزدیک تھا۔ اور لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ماخوذ از معیار الصحابہ

اعتقاد چہارم۔ صحیح مسلم معہ شرح نووی جلد ۲ ص ۹۱ پر حضرت امیر علیہ السلام ابوبکر کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ ولکنك استبددت علینا بالامر وکنا نحن لنا حقا لقرابتنا من رسول اللہ صلعم یعنی اے ابوبکر تم نے اپنی رائے سے بلا رضامندی ہم اہل بیت کے خلافت پر تسلط کیا ہے۔ بحالیکہ ہم بوجہ قرابت نبوی صلعم کے اپنا حق جانتے تھے۔" تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۲۰۲ پر بھی عبارت بالا کی مؤید روایت موجود ہے۔

پانچواں اعتقاد و خطبہ شقشقیہ حضرت مصنف تحقیق فدک نے بھی حضرت امیرؑ کے پانچ ارشادات لکھ کر استدلال کیا ہے۔ ہم بھی اپنے دعویٰ کی تائید میں صرف پانچ ارشادات گرامی ہی نقل کرتے ہیں۔ یہ پانچواں ارشاد خطبہ شقشقیہ مندرجہ نہج البلاغہ ہے جس میں حضرت امیرؑ نے سارے توہمات و شبہات کو دور کر دیا ہے۔ اس کے پڑھ لینے کے بعد قارئین بخوبی فیصلہ کر سکیں گے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے اعتقادات دربارہ خلافت

وحکومت کشیخین کیا تھے قبل اس کے کہ ہم وہ خطبہ معہ ترجمہ ہدیہ ناظرین کریں۔ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کتب اہل سنت سے اس کی توثیق کر دیں۔ تاکہ دوران مطالعہ میں ناظرین کو کوئی الجھن پیش نہ آئے۔ اس خطبہ کے پڑھنے سے جہاں خلافت مجعولہ کا فیصلہ ہو جائیگا۔ وہاں ادبی مذاق رکھنے والے حضرات کی ضیافت طبع کا سامان بھی پایا جائے گا۔ جو لوگ عربی ادب کے دلدادہ ہیں۔ وہ ایک معصوم کے کلام کو پڑھ کر امامت منصوص من اللہ کا بخوبی اندازہ کر لیں گے۔ مندرجہ ذیل کتب اہل سنت میں یہ خطبہ پایا جاتا ہے۔ اور اہل سنت کے تمام ائمہ لغت نے اس کو حدیث علی کہکر تسلیم کیا ہے۔

توثیق خطبہ شقشقیہ۔ شرح ابن ابی الحدید۔ الحافظ الاکابر امام شوکانی۔ شرح تہذیب ملا یعقوب لاہوری شرح مصابیح امام گازرونی۔ شرح مقاصد تفتازانی۔ مجمع بحار الانوار ملا طاہر گجراتی۔ قاموس لغت عربیہ فیروز آبادی۔ نہایہ ابن اثیر جزری۔ وغیرہ تمام کتب لغت میں اس خطبے کے مشکل الفاظ کو حل کیا گیا ہے۔ مولوی احتشام الدین مراد آبادی نے نصیحت الشیعہ میں اس خطبہ کو جناب امیر کا کلام تسلیم کر کے تاویل کی ہے بعض علمائے اہل سنت کا خیال ہے۔ کہ جامع نہج البلاغۃ سید رضی نے خود یہ خطبہ بنا کر حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہے مگر منکرین خطبہ شقشقیہ کا یہ کہنا بالکل لغو اور باطل ہے۔

ابن خشاب بغدادی ابن ابی الحدید کے جواب میں کہتے ہیں۔ کہ بھلا رضی یا رضی کے علاوہ کسی اور کو کہاں یہ قدرت اور یہ طرز بیان میسر ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس خطبہ شقشقیہ کو ان کتابوں میں دیکھا ہے جو رضی کے پیدا ہونے سے دو سو برس پہلے لکھی گئیں۔

اہل سنت کے مشہور متکلم قاضی عبد الجبار صاحب مغنی معاصر سید مرتضیٰ و شریف رضی اس خطبہ کی تاویل کر کے تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کا جواب سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب شافی میں دیا ہے۔ اگر سید رضی کا اپنا بنایا ہوا ہوتا۔ تو صاحب مغنی سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کو کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ خطبہ آپ کے بھائی نے وضع کیا ہے۔ ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتا۔ بہرحال ہم جتنے بھی شواہد پیش کریں۔ یہی نتیجہ برآمد ہوگا۔ کہ یہ خطبہ واقعی جناب امیر علیہ السلام کا کلام بلاغت نظام ہے۔ محققین اہل سنت اس کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتے۔ ہاں اگر کوئی ان پڑھ ملاں اپنی حماقت پر انکار کر دے۔ تو یہ اس کی مرضی ہم ذمہ دار نہیں۔ لیجئے اب ملاحظہ ہو نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر صـ۱۵

خُطبَۂ شقشقیہ

"اما واللہ لقد تقمّصھا ابن ابی قحافہ وانہ لیعلم ان محلّی منھا محل القُطب
من الرّحی ینحدر عنی السیل ولا یرقیٰ الی الطیر فسدلت دونھا ثوبًا وطویت عنھا کشحًا
وطفقت ارتای بین ان اصول بیدٍ اَواصبرَ علی طخیۃٍ عمیا یھرم فیھا الکبیر
ویشیب فیھا الصغیر.......... ویکدح فیھا المومن حتیٰ یلقیٰ ربہ
فرآیت انّ الصبر علی ھاتا احجیٰ فصبرتُ وفی العین قذیً وفی الحلق شجًا اریٰ
تراثی نھبًا حتی مضی الاول لسبیلہٖ فادلیٰ بھا الیٰ فلانٍ بعدہٗ ثم تمثل
بقول الاعشیٰ شتّان ما یومی علی کورھا + ویومُ حیان اخی جابرٍ فیا عجبا بیناھو
یستقیلھا فی حیاتہ اذ عقدھا لآخر بعد وفاتہٖ لشدَّ ما تشطرا ضرعیھا
فصیرھا فی حوزۃٍ خشناءَ یغلظُ کلامھا ویخشن مسُّھا ویکثر العثار
فیھا والاعتذار منھا فصاحبھا کراکب الصعبۃ ان اشنق لھا خرم وان اسلس
لھا تقحم فمُنی الناس لعمر اللہ بخبط وشماسٍ وتلون واعتراضٍ فصبرت
علی طولِ المدّۃِ وشدۃ المحنۃ حتیٰ اذا مضیٰ لسبیلہٖ جعلھا فی جماعۃٍ زعم
انی احدھم فیاللہ وللشوریٰ متیٰ اعترض الریب فیّ مع الاول منھم حتیٰ صرتُ
اقرن الیٰ ھذہِ النظائرِ لکنّی اسففتُ اذ اسفوا وطرت اذ طاروا فصغیٰ رجلٌ منھم
لضغنہ ومال الآخر لصھرہٖ مع ھنٍ وھنٍ الیٰ ان قام ثالث القوم نافجًا حضنیہ بین
نثیلہٖ ومعتلفہٖ وقام معہ بنو ابیہٖ یخضمون مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ
الرّبیع الیٰ ان انتکث فتلہٗ وجھزَ علیہ عملہٗ وکبت بہٖ بطنتہٗ فما راعنی الّا والناس کعرف
الضبع الیّ ینثالون علیّ من کلِ جانبٍ حتیٰ لقد وطی الحسنان وشق عطفای مجتمعین
حولی کربیضۃ الغنم فلما نھضت بالامر نکثت طائفۃ ومرقت اخریٰ وفسقا اخرون
کانھم لم یسمعوا کلام اللہ حیث یقول تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون
عُلواً فِی الارض ولا فسادًا والعاقبۃ للمتقین بلیٰ واللہ لقد سمعوھا ووعوھا ولکنھم

حلیت الدنیا فی اعینہم وراقہم زبرجہا اما والذی خلق الحبہ وبرأ النسمۃ لولا حضور الحاضر وقیام الحجۃ بوجود الناصر وما اخذ اللہ علی العلماء ان لا یقاروا علی کظۃ ظالم ولا سغب مظلوم لالقیت حبلہا علی غاربہا ولسقیت اخرہا بکاس اولہا ولالفیتم دنیاکم ہذہ ازھد عندی من عفطۃ عنز۔ ختم

ترجمہ ۔ اے سننے والے خبردار ہو جا کہ قسم خدا کی ابن ابی قحافہ (ابوبکر) نے پیراہن خلافت کو زیب تن کیا، حالانکہ وہ خوب جانتا تھا اور اسے اچھی طرح یقین تھا کہ خلافت کے لیے میرا وہی مقام ہے اور مجھے اس سے وہی نسبت ہے جو میخ یعنی کلّی کو چکی سے ہے۔ مجھ سے علم کا ایک دریا متلاطم نکل رہا ہے اور میرے علم و منزلت کا وہ پایہ رفیع بلند ہے۔ جہاں پہنچتے ہوئے شاہین تیز رفتار کے پر جلتے ہیں۔ جب ابن ابی قحافہ نے اس پیراہن کو ناحق اپنی زینت بنالیا تو میں نے اپنی اس خلافت کے درمیان پردہ ڈال دیا۔ اس سے پہلو تہی کی اور اس معاملہ میں غور کرنا شروع کیا کہ اپنے کاٹے ہوئے ہاتھ سے اس پر حملہ کروں یا اس ظلمت اور تاریکی ضلالت میں صبر کروں۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی جس کے صدمہ سے خورد سال بوڑھا ہو، بوڑھا ضعیف ہو جائے اور مومن رنج و غم میں مبتلا ہو کر خدا سے ملاقات کرے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اس پر میرا صبر کرنا ہی بہتر ہے۔ لہٰذا میں نے صبر اختیار کیا۔ اس وقت یہ حالت تھی کہ آنکھیں غبار اندوہ اور خار مصیبت کی خلش میں گرفتار تھیں اور حلق میں پھندے پڑے تھے! اور میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث کس طرح تاراج و غارت ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ اول (ابوبکر) تو اپنے راستہ پر گذر گئے اور اپنے بعد خلافت کا ڈول فلاں (عمر) کی طرف پھینک گئے۔

بعد اس کے امیرالمومنین علیہ السلام نے اعشی کا شعر مثال کے طور پر پڑھا یعنی ایک روز میں اونٹ پر سختیوں سے سفر کر رہا تھا۔ اور ایک روز حیان برادر جابر کے ہمراہ راحت و نعمت میں محو تھا۔ ان ہر دو روز میں کس قدر فرق ہے"، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے کہ ابوبکر اپنی زندگی میں فسخ بیعت کرتا تھا مگر اپنے مرنے کے بعد دوسرے (عمر) کے ساتھ خلافت کو منعقد کر دیا۔ پستان ناقۂ خلافت کو دونوں نے آپس میں چوس لیا۔ افسوس خلافت کو ایک درشت مزاج اور تند خو کے حوالہ کر دیا۔ جس کی زبان نہایت سخت اور کلام میں تھی۔ جس کا چھونا بھی ناگوار تھا جس کی گفتار و کردار دونوں ناہموار و نامنجار تھیں۔

اس کی طبیعت میں سخت لغزشیں تھیں وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا تھا اور اپنی لغزشوں پر عذر خواہ بھی ہوتا تھا۔ ایسی طبیعت والے کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو کبھی بوجھ نہ اٹھانے والے اونٹ پر سوار ہو۔ اگر سوار اس کی مہار کھینچتا ہے تو اس کی ناک پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور اگر چھوڑتا ہے تو خود گرنے کا خوف ہے۔ حیات خداوندی کی قسم کہ لوگ اس کے سبب سے خبط میں مبتلا ہو گئے۔ ہر اہل و نااہل دینی و دنیوی امور میں رائے زنی کرنے لگا۔ متلون مزاجیاں اور اعتراض دامنگیر ہوئے میں نے طول مدت اور محنت پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ یہ شخص (عمر) بھی اپنے راستہ پر چل دیا۔ اور امر خلافت کو ایک جماعت میں چھوڑ گیا اور گمان کیا کہ میں بھی ان میں سے ایک ہوں یا اللہ اس شوریٰ کی بابت میں فریاد کرتا ہوں۔ مجھے کسی زمانہ میں یہ تردد ہوا تھا کہ میں اس جماعت کے اوّل (ابوبکر) کا مصاحب بن جاؤں۔ یہاں تک کہ اس جماعت کے ایسے لوگوں سے مقارن ہو جاؤں جب خود ابوبکر کی ہی مصاحبت اور بیعت مجھے ناپسند تھی جو ان کا پیشوا تھا۔ پھر ان کے شریک مشورہ ہونا مجھے کیونکر پسند ہوتا۔ میری شان وقدر، علم و فضل، حکمت و اخلاق کے درجے بہت اعلیٰ ہیں۔ جاہلوں کے مشورہ میں شریک ہونا مجھے کب گوارا ہو سکتا ہے۔ لیکن جب یہ لوگ زمین کی طرف اترے میں بھی مجبوراً ان کے ساتھ اترا اور جب یہ اونچے اڑان پر گئے۔ مجھے بھی ہمراہ رہنا پڑا۔ مجھے تو ان کا رام کرنا اور انہیں ہدایت کا راستہ دکھانا مطلوب ہے۔ جیسے اہلی کبوتر جنگلی کے ساتھ پرواز کر کے اسے اپنا کر لیتا ہے۔ پس اس جماعت میں ایک شخص میرا دشمن ہو گیا۔ اور ایک دوسرا اپنے داماد کی طرف مائل ہو گیا۔ دو اور شخص بھی اس کے ہم زبان ہو گئے جو اپنی قباحت اور رذالت کے سبب اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔ یہاں تک کہ اس قوم میں سے ایک تیسرا شخص خلافت پر قائم ہو گیا۔ اور اس کی یہ حالت تھی۔ کہ اس نے اپنے معدے اور امعا کو حلق تک دنیا کے مال سے بھر لیا۔ تن پروری اختیار کی۔ لوگوں کے مال کھانے شروع کئے پھر ساتھ ہی اس کے باپ کے بیٹے بھی کھڑے ہو گئے۔ خدا کے مال کو اس طرح کھانے لگے۔ جیسے اونٹ فصل بہار کی گھاس کو چر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے قبیلے اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے عمال نے اس کے قتل کرنے میں بڑی جلدی کی۔ اور اس کی شکم پری نے اسے اوندھا منہ کے بل گرا دیا۔ مستحقین کا مال کھا جانے اور بیت المال میں اسراف کرنے سے یہ نوبت ہو گئی۔ اس وقت بھی کسی چیز نے مجھے خوف و خطر

میں مبتلا نہیں کیا۔ مگر یہ کہ لوگ میری طرف یکے بعد دیگرے چلے آتے تھے اور چاروں طرف سے مجھے بیعت کے لئے گھیرا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حسنین علیہما السلام اسی کشمکش میں پائمال ہو گئے۔ میری چادر کے دونوں گوشے پھٹ گئے۔ اور بکریوں کے گلے کی طرح لوگ جمع ہو گئے (مجبوراً) جب میں نے امرِ خلافت قائم کیا۔ تو ایک گروہ (اصحابِ جمل، عائشہ، طلحہ و زبیر وغیرہ) ناکثین میں داخل ہوا کچھ لوگ (اصحابِ معاویہ) فاسق ہو کر اطاعت خداوندی سے باہر ہو گئے۔ گویا انہوں نے یہ کلامِ خداوندی سنا ہی نہیں تھا (یہ سرائے آخرت ہم نے ان لوگوں کے لئے بنائی ہے جو زمین پر سرداری۔ جاہ طلبی اور فتنہ و فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے) خدا کی قسم انہوں نے کلامِ خدا سنا تھا۔ اور اس کو دل پر نقش کیا تھا۔ لیکن شیطان نے دنیا کو طرح طرح کی آرائشوں کے ساتھ ان کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ اور اسی کے جال پر ان کو فریفتہ کیا تھا۔ ہاں آگاہ رہو۔ خدا کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا۔ انسان کو عدم سے وجود میں لایا اگر حاضرین کی کثرت نہ ہوتی۔ ناصرین کا ہجوم قیامِ حجت کے لئے نہ ہوتا۔ اور مجھے اس عہد و میثاق کا خیال بھی نہ ہوتا جو علماء سے پروردگارِ عالم نے لیا ہے کہ ظالموں کو مسکینوں اور غریبوں کا مال کھانے کی اجازت نہ دی جائے اور مظلوم ظالم کے ستم سے بھوکا نہ رہے تو بے شک میں خلافت کی مہار کو اس کے اونٹ کی کوہان پر ڈال دیتا۔ جہاں چاہے چلا جائے اور آخری حصہ خلافت کو بھی اسی پہلے پیالے سے سیراب کرتا اور کبھی اس کے اہل کو آبِ حیاتِ ابدی سے سیراب نہ کرتا۔ وہ مثلِ سابق پیاسے ہی رہتے اور العطش العطش کہتے کہتے مر جاتے۔ یہ دنیا جو تمہیں اس قدر مرغوب ہے جس پر تم یوں جان دیتے ہو۔ واللہ میرے نزدیک بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہے۔ ختم

حضرات! یہ ہے خطبہ شقشقیہ جو ہم نے اوپر مع ترجمہ نقل کر دیا ہے۔ اگر حضرت مصنف تحفہ فدک سلیم الفطرت اور منصف مزاج ہیں تو اس کلامِ بلاغت نظام میں غور کریں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ان تینوں خلافتوں کے فساد و بطلان پر کس وضاحت کے ساتھ اپنے خیالات کو مدلل ظاہر فرما دیا ہے اور ان کے پوست کندہ حالات پر نہ صرف بے نقتبہ روشنی ڈالی ہے بلکہ ان کے اجماعی اور مصنوعی خلافتوں کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے ہیں

اس کلام کے مطالعہ کر لینے کے بعد کوئی شقی المزاج اور نا سمجھ ہی ایسا ہوگا جو حضرات ثلاثہ و علی علیہ السلام کے باہمی تعلقات کو خوشگوار کہے اور علیؑ کو ثلاثہ سے حسن ظن رکھنے کا قائل اور مدعی ہو۔ بلکہ اندھے اور احمق سے بھی ایسی توقع نہیں ہو سکتی۔ مگر تعصب مذہبی پاسداری اور ضد کا کیا علاج ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا اعتقاد بحق ثلاثہ

اگرچہ ناظرین کو صرف خطبہ شقشقیہ مندرجہ بالا پڑھ لینے کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم ذیل میں ہم جناب شہیدۂ ظلم کا ایک خطبہ المسومہ بہ لمہ کا تھوڑا سا اقتباس نقل کر کے مزید تسلی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ مدعیہ فدک کے تعلقات کارکنان دولت سقیفہ سے کس حد تک اچھے تھے۔ حضرت رسول وجناب امیر وحسنین علیہم السلام کے اعتقادات دربارہ شیخین لکھنے کے بعد اگرچہ ضرورت تو اس بات کی نہ تھی کہ آل معصومہ کا یہ خطبہ جو مہاجرین و انصار کے مجمع میں جناب نے فرمایا تھا۔ تحریر کیا جاتا۔ مگر راقم الحروف اس بات کو ضروری سمجھتا ہے کہ آل معصومہ کا تفصیلی احتجاج اور حجت قاطعہ ناظرین کے سامنے پیش ہو۔ کیونکہ کتاب ہذا میں اسی مقدمہ پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے جو حضرات شیخین اور جناب خاتون معظمہ سے متعلق تھا بخاری و مسلم کا مندرجہ فقرہ "فغضبت فاطمۃ بنت رسول اللہ علی ابوبکر حتی ماتت" یعنی جناب فاطمہ علیہا السلام ابوبکر پر مرتے دم تک ناراض رہیں۔ اگرچہ اس امر کی توضیح کے لیے کافی تھا۔ مگر اس فقرہ سے تفصیلی گفتگو کا پتہ نہیں چلتا۔ بایں وجوہ ہم خطبہ لمہ لکھنے پر مجبور ہیں۔

توثیق خطبہ لمہ

اہل بصیرت پر واضح ہو کہ یہ خطبہ کتب شیعہ سے نہیں لکھا جا رہا ہے۔ ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ کہ جو کچھ اس کتاب میں پیش کیا جائے وہ اہل سنت کے ائمہ محدثین و مؤرخین کی مقبولہ روایات میں سے ہو۔

جناب سیّدہ طاہرہ ۔ خیر النساء العالمین ۔ بضعۃ سیّد المرسلین ۔ حوراء الانسیہ حضرت فاطمۃ الزہرا س تجول عذر اصلوات اللہ علیہا کا یہ وہی فصیح و بلیغ اور مشہور و معروف خطبہ ہے جس کو فصحاء و بلغاء مورخین و ائمہ لغت اہل سنّت نے مشکل الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے حدیث فاطمہؑ لکھ کر قبول کرلیا ہے ۔

علاّمہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغۃ میں امام جوہری صاحب کتاب صحاح نے کتاب سقیفہ میں ۔ عمر ابن شیبہ صاحب مصنّف نے اپنی اپنی تصانیف میں اس خطبہ کو لکھا ہے متعصب سنی عالم علامہ سبط ابن الجوزی نے تذکرہ خواص الامۃ میں امام زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے فائق اللغات میں خطبہ جناب زہراؑ کو لکھا ہے ۔ علامہ ابن اثیر جزری صاحب کتاب جامع الاصول نے اپنی کتاب نہائیہ اور علامہ وحید الزّمان ابن الامۃ مترجم صحاح ستّہ نے اپنی کتاب انوار اللغۃ میں تحت لفظ لم فی حدیث فاطمہؑ لکھکر اس خطبہ کو کلام جناب دختر رسولؐ قبول کیا ہے ۔ اتنے شواھد اہل سنت لکھنے کے بعد بھی اگر کوئی کور فطرت سُنّی ملّاں اس خطبہ کو مفتریات شیعہ میں سے خیال کرے تو وہ اپنی اس بات کا بروز قیامت خود جواب دہ ہوگا ۔ ہمارے ذمہ بس یہی واجب تھا جو کچھ ہم نے اس خطبہ کی تائید میں کہ یہ واقعی کلام جناب معصومہ کونین کا ہی ہے بشہادت اہل سنت کے مسلمات میں سے پیش کردیا ہے ۔ یہ خطبہ جناب بی بی پاک نے اس وقت ارشاد فرمایا ۔ جب جناب فاطمہؑ کو ابوبکر کے منع میراث کی خبر ملی ۔ تو آپ نے چادر اوڑھ لی اور سر سے پاؤں تک جسم مطہر کو ڈھانپ لیا اور اپنے عزیز رفیق اور لونڈیوں کی جماعت کے ساتھ مسجد کی طرف رخ کیا ۔ ردائے مبارک لٹکتی جاتی تھی اور پائے مبارک لغزش کرتے جاتے تھے ۔ اس وقت آپ کی رفتار اور رسول خدا صلعم کی رفتار میں سرِ مُو فرق نہیں تھا ۔ یہاں تک کہ ابوبکر کے پاس پہنچیں ۔ وہ مہاجر و انصار کے ساتھ بیٹھے تھے ۔ آپ کے اور حاضرین کے درمیان پردہ تان دیا گیا ۔ سیّدہ نے ٹھنڈی سانس بھری ۔ اس مجمع میں سب رونے لگے ۔ آپ خاموش رہیں ۔ یہاں تک کہ سب خاموش ہوگئے ۔

اور جناب معصومہؑ نے بعد حمد و ثنائے پروردگار و تعریف جناب احمد مختار و مناقب آل اطہار و عام مہاجرین و انصار کو مخاطب کر کے یوں فرمایا۔ طوالت کا خطرہ ہے لہٰذا صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خطبہ لمّہ

پس جب حق تعالٰی نے اپنے پیغمبر کو آخرت میں پیغمبروں کے مکانات اور درجات عنایت فرمائے اور اپنے برگزیدوں کی خوابگاہ تک پہنچا دیا۔ تو اس کے پیچھے تمہارے سینوں میں کفر کے چھپے ہوئے کانٹے ظاہر ہوئے اور عصبیت و نفاق کے آثار آشکار ہوئے۔ دین الٰہی کا ملبوس جو تم اوڑھے تھے وہ کہنہ اور چاک چاک ہو گیا اور اب پھر وہ گمراہ لوگ بیچ میں تقریر کرنے کو آ گئے جو دہن بستہ اور خاموش تھے اور تم میں ایسے گمنام اور بے نام و نشان پیدا ہو گئے جو تمام لوگوں سے ذلیل تھے۔ ناحق والوں کے اونٹ بلبلانے اور جولانگاہ دنیاداری میں تملانے لگے۔ اور اپنی جبت و خیز دکھلانے لگے۔ اور تمہارے معرکوں میں شیطان نے پھر اس مقام سے جہاں وہ سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا سر بلند کیا اور تم کو پکارا اور اس نے دیکھ لیا کہ تم سب اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوڑے آتے ہو اور دولت دنیا پر اپنی آنکھیں لگائے بیٹھے ہو اور جب شیطان نے تم سے کہا کہ اٹھ کھڑے ہو۔ پس تم فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور حقداروں کے اوپر اس نے تم کو غضبناک بنا دیا۔ اور جب اس نے دیکھ لیا کہ تم مستحقین پر ناحق غضبناک ہو گئے ہو اور دوسروں کے اونٹوں پر اپنی ملکیت کے داغ لگا دیئے۔ یعنی امر خلافت جو دوسروں کا حق تھا اپنے نام کر بیٹھے اور دوسرے لوگوں کا حق اپنے گھر اٹھا لے گئے۔ حالانکہ ابھی تک اپنے اس عہد سے جو تم نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ وابستہ کیا تھا باہر نہیں آ چکے تھے۔ ان کی وفات کی مصیبتیں اور اس کی جراحتیں ہمارے دلوں سے مندمل بھی نہ ہونے پائی تھیں۔ تم نے ان کی لاش مطہر کو سپرد زمین بھی نہیں کیا اور بہانہ کیا تو یہ کیا کہ تم لوگ فتنہ سے ڈر گئے۔ حالانکہ تم خود اسی فساد میں کود پڑے اور کافروں کے لئے جہنم محیط ہے افسوس تم سے امور امت کی تدبیر کا کرنا کس قدر بعید ہے اور نہ ہی امور تم سے

کیسے درست ہو سکتے ہیں۔ افسوس! شیطان تمہیں کس راستہ پر لیجانا چاہتا ہے حالانکہ کتاب خدا تمہارے درمیان موجود ہے اور اس کے امور ظاہر ہیں اور احکام واضح اس کے نشان پیدا ہیں اور اس کے تمام اوامر و نواہی ہویدا۔ تم نے ان تمام امور کو اپنے پس پشت رکھ لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں قرآن سے اب کوئی رغبت نہیں ہے اور سوا اس کے اب تم کوئی دوسرا حاکم چاہتے ہو مگر یہ سمجھ لو کہ ان ظالموں کیلئے جو حکم قرآن کے خلاف حکم چاہتے ہیں بہت بُرا بدلہ ہے اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے جو کوئی سوائے اسلام کے کسی اور دین کو چاہتا ہے اس کو خدائے تعالیٰ قبول نہیں کریگا وہ آخرت کے روز گھاٹا اٹھانے والا ہوگا۔ تم صرف اتنی دیر تک خاموش رہے کہ تم نے اپنی خلافت باطلہ کو پکا بنا لیا اور اس کے بعد تم نے فوراً آتش فساد کو بھڑکانا اور بدعنوانیوں کا پیدا کرنا آغاز کر دیا اور جو شیطان گمراہ کنندہ نے تم کو آواز دی۔ تم نے اُسے قبول کر لیا اور دین روشن کی روشنی کو بجھا دیا۔ رسُول خدا صلعم کی سنّت کو مٹا دیا۔ اس پر بھی بس نہیں کی اب مکر و حیلہ کے ساتھ یہ چاہتے ہو کہ دین الٰہی کے تمام آثار و اقتدار کو مٹا دو اور یہ خواہش کرتے ہو۔ کہ آہستہ آہستہ شریعت اسلامی کے آثار اپنی ظاہری دینداری کے لباس میں چھپا لو اور ایام بدعت کی تمام بدعتوں کو بار دیگر شائع کر دو اور جو کینہ دیرینہ کہ تم رسول صلعم اور ان کے اہلبیت کے ساتھ قدیم سے رکھتے ہو اس کا اب تدارک کرو۔ پس ہم لوگ (اہل بیت) تمہاری ضربتوں پر صبر کرتے ہیں مگر اسی طرح جس طرح کہ کسی کو چھری اور برچھی سے پارہ پارہ کیا جاوے اور اس کے پاس مدافعت کیلئے کوئی چارہ نہ ہو۔ انہی مظالم کے ذیل میں یہ ہے کہ تم خیال کرتے ہو کہ میرے والد بزرگوار کی میراث میں میرا کوئی حق و حصہ نہیں ہے پھر معصومہ نے آیت پڑھی جسکا ترجمہ یہ ہے "کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ جاہلیت کے حکم جاری کرو اور خدا سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے۔ ان لوگوں کیلئے جو صاحب یقین ہیں کیا تم لوگ میرے استحقاق و حقیت کو نہیں جانتے بلکہ تم جانتے ہو اور جان کر چھپاتے ہو۔ ہمارے استحقاق تم لوگوں پر مثل آفتاب روشن ہیں۔ اے گروہ مہاجرین کیا تمہیں یہ لازم ہے کہ لوگ مجھ پر میرے باپ کی وراثت حاصل کرنیکی کوششوں میں غلبہ کریں اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کی اعانت کرو۔ اے ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر) خدا کی کتاب میں کیا یہ لکھا ہے۔ کہ تم اپنے باپ کی میراث پاؤ اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں لقد جئت شیئاً فریاً تم نے خدا پر عجیب فریب باندھا ہے کیا عمداً تم لوگ کتاب خدا کی پیروی کو ترک کرتے ہو اور اس پر عمل کرنیکو پس پشت ڈالتے ہو

خدائے سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے وورث سلیمان داؤد یعنی سلیمان نے داؤد کی میراث پائی اور یحییٰ ابن زکریا کے بیان میں فرمایا رب ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب۔ اے پروردگار مجھے ایک ولی عنایت فرما جو مجھ سے اور آلِ یعقوب سے میراث پائے۔ پھر فرماتا ہے۔ واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ۔ بعض قریبی رشتہ والے بہتر ہیں بعضوں سے کتابِ خدا میں یگانوں سے۔ اتنا فرما کر اس صدیقہ کبریٰ نے آیۂ توریث پڑھی یوصیکم اللہ فی اولادکم۔ پھر اپنے سلسلہ مضامین میں ارشاد فرمایا کہ تمہارے قول کی رو سے میرے پدرِ عالی مقدار کی میراث میں کوئی حق وحصہ نہیں ہے۔ کیا خداوند عالم نے تم ہی لوگوں کو آیتِ میراث سے مخصوص کیا ہے اور مجھ کو اور میرے باپ کو اُس سے خارج کر دیا ہے یا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ میں اور میرا باپ ایک مذہب وملّت کے ماننے والے نہیں ہیں۔ اور اسی وجہ سے تم میرے باپ کی میراث نہیں دیتے ہو۔

پس جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا نے دیکھا کہ حاضرین میں سے کسی کی آواز موافقت نہیں نکلتی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر تم بلا معارضہ ومنازعہ آج فدک کی املاک مجھ سے لے لو مگر یاد رکھو کہ بروزِ قیامت تم سے ملاقات ہوگی۔ اور تم سے اس کے متعلق ضرور سوال کریں گے۔ اور خداوند تعالیٰ ضرور اس امر میں حکم کرنے والا ہے۔ اور اس حق کے طلب کرنے والے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوں گے اور یہ وعدہ گاہِ قیامت ہے اور قیامت کے روز تم لوگ گھاٹا اٹھانے والے ہوگے۔ اُس دن تمہاری ندامت تمہیں کوئی فائدہ نہ دیگی۔ اور ہر ہونے والی چیز کا ایک مقدمہ ہے۔ اور اس دن تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے جس کی طرف ذلیل وخوار کرنے والا عذاب آنے والا ہے۔ اور وہ کون ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب داخل ہونے والا ہے۔ اس کے بعد جناب سیّدہ نے انصار کی طرف مخاطبہ کرکے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے رسولؐ سے نصرت کا وعدہ کیا مگر نکث عہد کیا۔ میری وراثت کے غصب ہونے پر تم خاموش ہو۔ حالانکہ تم میں امداد کرنے کی طاقت موجود ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بی بی پاک نے انصار کو ملامت وغیرہ کرکے شرم دلائی۔ غرضیکہ یہاں تک پہنچ کر جناب سیّدہ نے ارشاد فرمایا کہ حاضرین کی جماعت میں میری تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے۔ تم لوگ عیش وراحت کی طرف متوجہ ہو گئے ہو اور جو لوگ کہ اس امرِ خلافت وامارت کے سب سے زیادہ مستحق تھے اُن کو تم نے دور کر دیا ہے۔ اور ایمان ویقین کی طرف سے جو کچھ تمہارے دل میں جاگزیں ہوا تھا اُس کو تم نے اپنے منہ سے باہر نکال پھینکا۔ پس اگر تم لوگ کیا ساری دنیا کے لوگ کافر ہو جائیں تاہم خدائے تعالیٰ دنیا والوں سے بے نیاز اور بے پروا رہے گا۔ مجھے اس امر کا علم

تھا اور یقین کہ تم مجھ سے غدر کرو گے اور مکر۔ اور میری نصرت و مددگاری نہ کرو گے۔ لیکن میرے دل میں درد و الم جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے مجھے اتنے اظہار پر مجبور کر دیا۔ اور میں نے اس اظہار سے یہ چاہا کہ میں اپنی حجت کو تم پر تمام کر دوں کہ پھر قیامت کے دن تم لوگوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔ پس تم لوگ خواری۔ ذلت اور ابدی عقوبتِ الٰہی کے ساتھ میرے حقوق توڑے لو اور لے جاؤ۔ مگر دیکھو گے کہ اس کے بدلے میں خدائے سبحانہ و تعالیٰ تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اور بہت جلد تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ جن لوگوں نے مجھ پر ظلم و ستم کیا ہے ان کی بازگشت کہاں ہونے والی ہے۔ میں تو اس بزرگوار کی صاحبزادی ہوں جو تم کو ہمیشہ عذابِ الٰہی سے ڈرایا کرتا تھا۔ پس جو تم لوگوں کے دل میں آئے وہ کرتے جاؤ مگر ہم لوگ تو وہی کریں گے جن کو ہم لوگ حق سمجھیں گے۔ تم بھی منتظر رہو اور ہم لوگ بھی اُسی روز کے منتظر رہتے ہیں جس روز حق سبحانہ و تعالیٰ حق و باطل کا فیصلہ فرمائے۔ ختم۔

خطبۂ بالا کے چند ایک اقتباسات اردو زبان میں ہم نے سید فوق بلگرامی کی سیرت الزہرا سے نقل کر دیئے ہیں۔ عربی ادب کے شائقین حضرات اور جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کے مصائب و آلام کا مکمل خاکہ مطالعہ کرنے والے بزرگوار اصل کتاب کو ملاحظہ فرما کر جناب معصومہ کی ذات منبع سعادات سے عقیدت کے طور پر چند آنسو بہا کر عند اللہ و عند المعصومین علیہم السلام ماجور و مثاب ہوں۔

خطبۂ بالا کے اقتباسات مذکورہ خاص کر ان لوگوں کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو آلِ معصومہ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جو اپنے پاکیزہ نسب ہونے اور خاندانی شرافت کے لحاظ سے ہر کلمہ گو مسلمان کی گردن اپنے سامنے خم ہوتی دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس میں مذہب و ملت کا سوال نہیں۔ خواہ وہ شیعہ ہوں یا اہلِ سنت۔ میں ان فرزندانِ جناب زہرا صلوات اللہ علیہا کی رگِ حمیت و خونِ ہاشمیت و شیرِ فاطمیت کو بیدار کرنا چاہتا ہوں۔ جو اب تیرہ صد سال بعد بھی جبکہ دولتِ سقیفہ و سطوتِ اموّیت و نظامِ عباسیت ختم ہو چکی ہے اور قدرے آزادی کا زمانہ آ چکا ہے۔ خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ابھی تک ان گزشتہ حکومتوں کے ہوائی اثرات ان کے دلوں پر ایسا رعب طاری کئے ہوئے ہیں کہ ان کے خلاف لب کشائی گوارا نہیں کرتے۔

پھر دوبارہ بھی ان حضرات سے جن کو علیؑ و بتولؑ کی اولاد کا شرف حاصل ہے ملتمس ہوں کہ وہ خدا کے نام پر اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانیں۔ ورنہ اپنی جدّہ محترمہ کو بروزِ محشر منہ

نہیں دکھلاسکو گے۔ خواہ خواہ اپنی فاطمیت۔ سیادت اور علویت کو داغدار نہ کرو۔ مبادا تمہارے
جدِ بزرگوار کا کلمہ پڑھنے والی امت تم پر مشکوک النّسب ہونے کا الزام عائد کر دے۔ پھر قیامت
تک منہ دکھانے کے قابل نہیں ہوگے۔ ع سیّد آنست کہ بر مذہب اسد اللہ باشد۔

متبحّر علماءِ اہلِ سنّت کے اعتقادات بحقِ ثلاثہ

اگرچہ جناب معصومین علیہم السلام کے دربار عالی گہر بار سے غاصبانِ حقوقِ اہلبیت و کارکنانِ دولتِ سقیفہ کے حق میں اعتقادات واحتجاجات کو تصریحًا بیان کیا جا چکا ہے۔ اور ہر مکتبِ علم کے طالب علم پر واضح ہو چکا ہے کہ ان حضرات معصومین کے اعتقادات حضرات شیخین کی نسبت اچھے نہیں تھے۔ جس میں شک وشبہ کی قطعًا کوئی گنجائش نہیں۔ مگر جن لوگوں میں ہوئے تسنّن زیادہ پائی جاتی ہے۔ ان کی ضیافتِ طبع کی خاطر ذیل میں ایک دو مستند علماءِ اہلِ سنت کے دلی اعتقادات جو حق کی تائید میں ان کے قلم سے نکل گئے ہیں درج کر کے ناظرین کی تسلی کرائی جاتی ہے۔

امام غزالی کی تصریح | حجۃ الاسلام امام غزالی اپنی کتاب سر العالمین مطبوعہ بمبئی مقالہ رابعہ ص۹ پر حدیث غدیر پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ یاد رکھیں نقد رجال کے امام اہل سنت علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں حسن بن صباح کے تذکرہ میں اس کتاب کو امام غزالی کی تصنیف تسلیم کیا ہے۔ اور اس سے سندلی ہے۔ کسی راوی یا کتاب سے ذہبی کا سند لینا ہی اس کے اعتبار کی دلیل ہے۔

اجمع الجماہیر علی متن الحدیث من خطبہ فی یوم غدیر خم باتفاق الجمیع وھو یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقال عمر بخ بخ یا ابا الحسن ھذا اصبحت مولای ومولا کل مومن ومومنۃ فھذا تسلیم ورضی وتحکیم ثم بعد ھذا غلبہ الھوی والحب الریاسۃ وحمل عمود الخلافۃ وعقود البنود وخفقان الھوی فی قعقعۃ الرایات واشتباک ازدحام الخیول وفتح الامصار سقاھم کاس الھوی فعادوا الی الخلاف الاول فنبذوہ وراء ظھورھم واشتروا بہ ثمنًا قلیلاً فبئس المشترون۔ (ترجمہ) خلاصہ بکلام امام غزالی یہ ہوا کہ معاملہ غدیر حضرت امیر کی خلافت پر دلیل روشن ونص صریح ہے۔ اور جناب عمر کا مبارکباد دینا اس واقعہ کا پتہ دیتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت کے سامنے برضا ورغبت حکومت جناب امیر کو تسلیم کرلیا تھا۔ مگر پھر ہوا وہوس وطمع ریاست وممالکت وفتوحاتِ بلاد وامصار بداخلِ احوال ودیگر سامان

متعلقہ ریاست نے ان کو مدہوش وخود فراموش کر کے پچھلی حالت (یعنی کفر) پر لوٹا دیا۔ بس بُری چیز خریدی انہوں نے اس کے بدلے ہیں۔ ترجمہ ختم۔

یہ امام غزالی اہل سنت کا وہی بزرگ اور پیشوا ہے جو یزیدؔ پر لعنت کرنا جائز نہیں سمجھتا اور اس کو مومن خیال کرتے ہوئے اس کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کرنا مستحب جانتا ہے۔ ملاحظہ ہو سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۵ مطبوعہ مصر۔

علامہ تفتازانی کا بیان | ملا سعد الدین تفتازانی اپنی کتاب شرح مقاصد مطبوعہ مطبع حاج آفندی بعہد سلطان عبد الحمید خان جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ پر صحابہ کے حالات کا یوں انکشاف کرتا ہے۔ واما وقع بین الصحابة من المحاربات والمشاجرات علی الوجه المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علی السنة الثقات یدل بظاهره علی ان بعضهم قد جاوز عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق وکان الباعث له الحقد والعناد والحسد واللداد وطلب الملك والریاسة والمیل الی اللذات والشهوات اذلیس کل صحابی معصوم ولاکل من لقی النبی بالخیر موسوماً الا ان العلماء لحسن ظنهم باصحاب رسول اللہ ذکروا لها محامل وتاویلات بها یلیق وذهبوا الی انهم محفوظون عما یوجب التضلیل والتفسیق صوناً لعقائد المسلمین من الزیغ والضلالة فی حق کبار الصحابه سیما المهاجرین والانصار والمبشرین بالثواب فی دار القرار واما ما جری بعدهم من علی اهل بیت النبی فمن الظهور بحیث لامجال للاخفاء ومن الشناعة بحیث لا اشتباه علی الآراء اذ تکاد تشهد به الجماد والعجما ویبکی له من بالسماء والارض ولعذاب الآخرة اشد وابقی۔ (ترجمہ) یہ جو نزاع اور مشہور و معروف جنگ اور جھگڑے صحابہ کے درمیان واقع ہوئے اور مسلم ثقات کی روایات سے ثابت ہیں۔ وہ بظاہر اس کے دال ہیں کہ بعض صحابہ طریق حق سے منحرف ہو گئے تھے اور حدِ ظلم و فسق تک پہنچ گئے تھے اور اس کا سبب محض کینہ۔ حسد۔ عناد اور ضد وغیرہ تھا نیز ملک گیری اور سرداری کی حرص بھی ایک وجہ تھی۔ خواہشاتِ نفسانی۔ شوقِ لذات و شہوات بھی سبب تھا۔ کیونکہ جملہ صحابی نہ تو معصوم تھے اور نہ سب نبی سے ملاقی نیک شمار کئے جا سکتے ہیں مگر علماء اہل سنت جن صحابہ کو ہم بہشت اور ثواب سے بشارت یافتہ خیال کرتے ہیں ان کے اعمال پر جرح و قدح شروع نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس طرح گمراہی ہوگی اور علاوہ کبار صحابہ کے ایسے لوگ ہوئے ہیں جن کے مظالم اہل بیت نبی پر اس قدر زیادہ ہیں اور ظاہر و باہر ہیں کہ ان میں کسی

کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ہم چھپاویں تو وہ چھپ نہیں سکتے۔ کیونکہ اس پر جمادات وحیوانات بھی شہادت دینے کو تیار ہیں جس سے زمین و آسمان کے باشندے روتے ہیں۔ بلکہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں اور پتھر پھٹ جائیں تو ممکن ہے۔" تفتازانی کے بیان سے ظاہر ہوا کہ صحابہ نے ظلم وغیرہ کئے ہیں۔ مگر لوگوں کو لگام چڑھادی ہے کہ وہ حالات تفتیش نہ کریں اور راز فاش نہ ہو جائے۔ حضرت شاہ صاحب کو چاہیے کہ ملک اور سرداری طلب کرنے والے صحابہ کے نام تعین کریں۔ بصورت دیگر ع

"تو جس کو ڈھونڈتا ہے وہ شاید وہی نہ ہو"

ائمہ اہل بیت کے حقیقی اعتقادات از کتب شیعہ

بعض جاہل اور ناواقف علماء اہل سنت اپنے مواعظ میں عوام کو فریب دینے کی خاطر بیان کرتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت اصحاب ثلاثہ کو اچھا خیال کرتے تھے اور کتب شیعہ میں ان کی مدح موجود ہے لہذا بہتر ہو گا کہ ہم ائمہ اہل بیت کے حقیقی اعتقادات از کتب شیعہ بطور مشتے نمونہ از خروارے ناظرین کے سامنے پیش کریں تاکہ اہل بصیرت پر واضح ہو جائے کہ کتب شیعہ میں متواتر اور مشہور روایات کے ذریعہ حضرات ثلاثہ کی پوزیشن بالکل صاف نہیں ہے۔ اس قدر متواتر اور صحیح احادیث کے برخلاف اگر کوئی مجہول، ضعیف اور خبر واحد کہیں پائی جائے جس سے بظاہر ثلاثہ کی مدح مترشح ہوتی ہو تو اس کو شاذ اور مرجوح ساقط عن الاعتبار سمجھا جائے گا۔ یا اس کا معنی ایسا کیا جائیگا۔ جو ان احادیث صحیحہ کے مطابق ہو گا۔

حضرت امیر کا عقیدہ | کتاب روضہ کافی صد ۱۳ مطبوعہ نولکشور و تفسیر صافی پارہ ۱۹ ص ۲۵۲

"تشہد ہادونی الاشقیان نازعانی مالیس لھما بحق ورکبا ھا ضلالۃ واعتقدا ھا جہالۃ فلبئس ما علیہ وردا (الی ان قال) غیروا آثار رسول اللہ صلی اللہ صلعم ورغبوا عن احکامہ وبعدوا من انوارہ واستبدلوا بمستخلفہ بہ بدیلا اتخذوہ وکانوا ظلمین وزعموا ان من اختار من آل ابی قحافہ اولی بمقام رسول اللہ ممن اختارہ الرسول لمقامہ وان مہاجر آل ابی قحافہ خیر من المہاجری والانصاری الربانی ناموس ھاشم بن عبد مناف الا وان اول شہادۃ زور وقعت فی الاسلام شہادتہم ان صاحبہم مستخلف رسول اللہ صلعم الخ (ترجمہ) جناب امیر علیہ السلام

فرماتے ہیں۔ میرے سواد دو بدبختوں نے خلافت کا کرتا پہن لیا اور انہوں نے ناحق میرے ساتھ جھگڑا کیا۔ اور گمراہی سے خلافت پر سوار ہو گئے اور جہالت سے اسے اپنی چیز سمجھ لیا۔ پس دونوں نے بُرے فعل کا ارتکاب کیا۔ ان لوگوں نے آثار رسولؐ کو بدل دیا اور احکام نبوی سے منہ پھیر لیا۔ اور انوار نبوت سے دور ہو گئے۔ اور جس کو جناب رسولؐ نے خلیفہ بنایا تھا اس کی جگہ ایک خود ساختہ خلیفہ بنا لیا۔ اس کے سبب سے وہ ظالم ہو گئے۔ انہوں نے یہ غلط گمان کیا ہے کہ ابو قحافہ کی اولاد سے جس کو انہوں نے پسند کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے جس کو رسولِ خدا صلعم نے اپنا خلیفہ بنایا اور انہوں نے یہ بھی غلط سمجھا ہے کہ اولاد ابی قحافہ کا مہاجر (ابوبکر) ربانی مہاجری اور انصاری ناموس بنی ہاشم بن عبد مناف (حضرت علیؑ) سے بہتر ہے۔ خبردار ہو جاؤ اسلام میں پہلی جھوٹی شہادت بعد وفات نبی یہ دی گئی ہے جو انہوں نے ایک اپنے خود ساختہ امام کو خلیفہ رسول کہکر پکارا ہے۔

نیز اسی روضہ کافی کے ص۱۵۹/۱۶۰ میں بہ اسناد امیرالمومنین مروی ہے " یعنی فرمایا مجھے رسولِ خدا صلعم نے خبر دی کہ ان کی وفات کے بعد لوگ جھگڑا کر کے آخر ابوبکر سے بیعت کر لیں گے۔ پھر مسجد میں آئیں گے۔ وہاں جو سب سے اول میرے منبر پر ابوبکر سے بیعت کرے گا وہ ابلیس ملعون ہو گا جو ایک بوڑھے آدمی کی صورت میں آئے گا۔ پھر اس طرح اور اس طرح کہے گا۔ پھر اپنے شیاطین کے پاس جاکر خوشیاں منائے گا کہ دیکھو ہم نے کیسا حیلہ کیا ہے۔ اور کہیگا کہ میں نے ان لوگوں کو ایسا اپنے پنجہ میں لیا ہے کہ یہ فرمانبرداری خدا اور رسولؐ کو چھوڑ بیٹھے ہیں"۔ نیز نہج البلاغہ ص۱۳ روضہ معانی الاخبار ص۱۲۱ میں باسناد امیرالمومنین یہ بھی مروی ہے :" جناب امیر فرماتے ہیں خدا کی قسم خلافت و امارت کا میں سب سے زیادہ مستحق ہوں۔ اور جب سے رسولؐ خدا فوت ہوئے ہیں۔ ہمیشہ اپنے حق سے مجھے دھکیل دیا گیا ہے۔ مجھ پر غیروں کو اختیار کیا گیا ہے۔ میں مظلوم چلا آیا ہوں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کا عقیدہ روضہ کافی ص۱۱۵ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے سائل جواب میں فرمایا " ما تسئلنی عنهما فوالله ما مات منامیت قط الا ساخطا علیهما یوصی بذالك الكبیر منا الصغیر انهما ظلما نا حقنا ومنعنا فیئنا (ثم قال) والله ما اسست من بلیة ولا قضیة تجری علینا اهل البیت الا هما اسسا اولهما فعلیهما ... دوسری روایت میں ہے۔ وان الشیخین فارقا الدنیا ولم یتوبا ولم یتذکرا ما صنعا بامیرالمومنین فعلیهما....

ترجمہ۔ یعنی فرمایا ان دونوں (ابوبکر و عمر) کا حال تم ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ خدا کی قسم ہمارے اہل بیت میں کوئی ایسا فوت نہیں ہوا اور نہ کوئی ایسا زندہ ہے جو ان دونوں پر غضبناک نہ ہوا ہو۔ ہمارا ہر بڑا چھوٹے کو وصیت کر دیتا ہے کہ ان دونوں نے ہمارا حق غضب کرنے اور فدک وغیرہ مال فئے روک لینے میں ہم اہل بیت پر ظلم کیا ہے۔ پھر فرمایا خدا کی قسم کوئی رنج اور مصیبت ایسی نہیں جو ہم پر آئی ہو مگر یہ کہ بنیاد اس کی ان دونوں نے نہ رکھی ہو۔ پس ان پر ..... دوسری روایت میں فرمایا "شیخین (ابوبکر و عمر) فوت ہو گئے اور انہوں نے اس جرم سے توبہ نہ کی اور اس سے متاثر نہ ہوئے اور جو ان دونوں نے امیر المومنین علیؑ کے حق میں کیا۔ پس ان دونوں پر ......"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا عقیدہ | اصول کافی کتاب الحجۃ ص۲۶۵ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے قولہ تعالےٰ ان الذین آمنوا ثم کفر وا ثم ازدادو کفراً لن تقبل توبتہم کی تفسیر میں اس طرح مروی ہے۔ فرمایا یہ آیت فلاں۔ فلاں۔ فلاں (اصحاب ثلاثہ) کے حق میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اول نبی صلعم کے ساتھ ایمان لا کر پھر بوقت پیش کرنے ولایت امیر المومنین علی کے کفر کیا۔ جس وقت حضور صلعم نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ سنایا۔ پھر امیر المومنین سے بیعت کر کے ایمان لے آئے پھر بعد وفات رسول اکرم صلعم کے کفر یعنی انکار بیعت کیا۔ پھر کفر یعنی انکار میں اور بڑھ گئے کہ حضرت علیؑ اور ان کے تابعداروں سے جبریہ بیعت لینے کی کوشش کی۔ پس یہ ایسے ہیں جن میں ایمان کا ذرہ بھر نہیں رہا اور ان کی توبہ بھی مقبول نہیں۔

معاویہ اور یزید کا حقیقی بیان | اعتقادات ائمہ کے سلسلہ میں جو کچھ ہم نے اوپر کتب شیعہ سے بطور نمونہ نقل کیا ہے۔ اس کی تائید کتب اہل سنت میں ہزارہا روایات کے اندر موجود ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم اہل سنت کے دو مشہور خلیفوں اور اہل بیت کے مسلّم دشمنوں کا حقیقی بیان درج کرتے ہیں۔ جس سے پتہ چل جائیگا کہ باوجود دشمن اہل بیت ہونے کے حضرات ثلاثہ کو یہ دونوں باپ بیٹا غاصب حق آل محمدؐ خیال کرتے ہیں۔ محمد بن ابی بکر چونکہ حضرت امیر علیہ السلام کا صحابی اور خیر خواہ تھا۔ اس نے معاویہ کو خط لکھا اور بیعت کی طرف ترغیب دلائی۔ جواباً معاویہ محمد بن ابی بکر کو تحریر کرتا ہے۔ اس خط کو ہم رسالہ ابطال مولفہ صاحب فلک النجاۃ بحوالہ مروج الذہب مسعودی بر حاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر صفحہ ۷۸ سے نقل کر رہے ہیں۔ کان ابوك وفاروقه اول من ابتزه حقه وخالفه علی امره علی

ذالك اتفقا واتسقا ثم انہما دعواہ الی بیعتھما فابطأ عنہما وتلکا علیہما فھمّا بہ الھموم واراد بہ العظیم۔ ترجمہ۔ اے محمد بن ابی بکر تم جو مجھے حضرت علی کی بیعت و فرمانبرداری کی نصیحت کرتے ہو تم کو معلوم نہیں کہ سب سے پہلے جس نے ظالمانہ طور پر حضرت علی کا حصّہ لیا وہ تیرا باپ ابوبکر اور اس کا دوست عمر فاروق ہے۔ اس پر دونوں متفق ہوگئے۔ پھر انہوں نے علی کو بیعت لینے کیلئے بلایا۔ اس نے دیر کی اور ناراضگی ظاہر کی تو دونوں نے اس کے برخلاف سخت ارادے کئے اور منصوبے باندھے (پھر لکھا) اگر تیرا باپ یہ کام نہ کرتا تو آج ہم بھی علی بن ابی طالب کی مخالفت نہ کرتے۔ انتہی۔ یاد رکھنا چاہیئے مسعودی فن تاریخ کا امام ہے۔ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس سے سند لی ہے اور شبلی نعمانی نے الفاروق میں مسعودی کو معتبر مؤرخ تسلیم کیا ہے۔ اسی قسم کا خط یزید نے ابن عمر کو لکھا۔ صاحب فلک النجاۃ نے جلد ۱ صفحہ ۵۴۵ پر آیات محکمات سے بحوالہ تاریخ بلاذری نقل کیا ہے۔ یزید عبداللہ ابن عمر کو لکھتا ہے " فابوک من سنّ ھذا واثّروا سستاثر بالحق علیٰ اھلہ اس عبارت کا ترجمہ بھی قریباً وہی ہے جو اوپر نقل کیا گیا ہے۔

الحمد للہ ہم نے مصنف تحقیق فدک کے تمام فرسودہ و مزعومہ استدلالات کا جواب بتائیدایزدی نہایت تفصیل کے ساتھ دیدیا ہے۔ ان تصریحات کے باوجود اگر شاہ صاحب حق سے متمسک نہ ہوں تو ان کی اپنی مرضی ہم نے اپنا حق حسب توفیق ادا کردیا ہے۔ ناظرین حضرات کی خدمت میں اور خصوصاً علماء شیعہ سے ہزار معذرت کے ساتھ التماس کرتا ہوں کہ جہاں کہیں کتاب ہذا میں کوئی لغزش واقع ہوئی ہو۔ اس کو میری کم علمی۔ بےبضاعتی پر محمول کرتے ہوئے معاف فرمائیں۔ اور بندہ کو اس لغزش سے تنبیہہ فرمائی جائے تاکہ اس کا ازالہ آئندہ اشاعت میں ہوسکے۔ آخر میں مومنین سے التماس ہے کہ میرے مرحوم بھائی کی روح کو ایصال ثواب کی خاطر سورہ فاتحہ سے یاد فرمائیں۔ والسّلام۔ (منظور از اجنالہ۔ سرگودھا)

تقاریظ علماء کرام

تقریظ نصاحت خطیط از رشحات قلم حادی الفروع والاصول جامع المعقول والمنقول وناشر دین رسول مقبول مولٰنا سیّد محمد یار شاہ صاحب قبلہ مدرسہ محمدیہ جلال پور ننگیانہ ضلع سرگودھا۔

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد وآلہ۔ امابعد برادر جناب مولوی احمد شاہ صاحب کی کتاب "تحقیق فدک" کے ردّ میں عزیز مکرّم کوکب فلک سیادت جناب سید منظور حسین صاحب سلمہٗ نے کتاب توثیق فدک تحریر فرمائی ہے۔ میں نے کتاب مذکور حرف بحرف سنی ہے۔ ردِّ تحقیق فدک میں یہ کتاب کافی ہے۔ اس کتاب کی

عمدگی۔اس کی جامعیت اس کے مطالعہ کے بعد قارئینِ کرام پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ فقط

(السیّد محمد یار عفی عنہ از ہلال پور ننگیانہ)

۲۔ تقریظ از قلم حقیقت رقم رئیس المحققین استاد المناظرین زبدۃ المدققین جناب معلی القاب جناب آقائے حاجی الحرمین الشریفین مولانا حکیم محمد امیرالدین صاحب قبلہ مصنف فلک النجاۃ والامامۃ والصلوٰۃ

الحمد لاهله والصلوٰۃ علیٰ اهلها۔ میں نے رسالہ توثیقِ فدک اکثر مقامات سے پڑھا ہے۔جناب شاہ صاحب سید منظور حسین شاہ صاحب نے بتائیدِ غیبی جواب رسالہ مولوی احمد شاہ صاحب چوکیروی دیوبندی کا لکھ کر کمال کر دکھایا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب موصوف نہایت وسیع النظر اور کتب فریقین کے بے حد ماہر ہیں۔امید ہے کہ متلاشیانِ حق اور مومنین شائقین تحقیق اس رسالہ سے مستفید ہو کر مؤلف کی محنت کی داد دیں گے۔مومنین کی خدمت میں التماس ہے کہ رسالہ کو کثیر تعداد میں خرید کر مخالفین میں مفت تقسیم کریں تاکہ جن کو ارادہ الٰہی میں ہدایت ہونی ہے۔ان کیلئے یہ راہنما ثابت ہو اور مؤلف کی حوصلہ افزائی ہو۔یہ رسالہ دیکھ کر مجھے مزید خوشی اس بات کی ہے کہ مؤلف تحقیق فدک۔ اجنالہ ضلع سرگودھا کے باشندہ ہیں اور اس کی تردید کنندہ شاہ صاحب بھی اسی اجنالہ کے سکونت پذیر ہیں۔دونوں صاحب ایک ہی خاندان کے ہیں۔کسی غیر کو مداخلت و مدافعت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(احقر امیرالدین از چک جلال دین ضلع جھنگ)

۳۔ تقریظ از قلم صداقت رقم فخرالواعظین خادم آلِ یاسین مولانا خواجہ محمد لطیف انصاری صاحب سابق پروفیسر موگہ کالج حال انچارج مبلغ کلاس جامع المنتظر۔ لاہور

الحمد للّٰه رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آله الطاهرین۔

امابعد سلالۂ دودمان مصطفوی ودوحۂ نونہال مرتضوی سید منظور حسین صاحب زاد مجدہ السامی کے رسالہ "توثیقِ فدک" کو میں نے متعدد مقامات سے پڑھا ہے۔مؤلف موصوف نے جس بہترین انداز میں مولوی احمد شاہ چوکیروی کے رسالہ تحقیقِ فدک کی تردید فرمائی ہے اور حمایت مذہب اہل بیت کا حق ادا کیا ہے۔اس پر میں اُن کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ان کے قلم کے اس نقش اول سے ظاہر ہے کہ وہ احقاق حق میں بہترین شخصیت ہیں۔سرکارِ احدیت بتصدق سرکار معصومین علیہم السلام ان کی توفیقات میں ازدیاد فرمائے۔

(خادم سرکار محمد وآل علیہم السلام محمد لطیف انصاری)

۴۔ تقریظ منظومہ از نتیجۂ فکر شاعر اہل بیت حضرت سید جابس ترمذی از جھنڈیالہ شیرخان

۱۔ تمنا ہے کہ اس دنیا میں ایسا کام کر جاؤں — کہ توثیقِ فدک کے تذکرے ہوں آسمانوں میں

۲۔ ہے تحقیقِ فدک چوکیروی کی عقل کا دھوکہ — وگرنہ یہ بیاں واضح ہے تاریخی بیانوں میں

۳۔ ٹپی دنیا میں تحقیق فدک کے ہر طرف پرزے — خجل ہو جس سے چوکیری خود اپنے مدح خوانوں میں
۴۔ رسالہ وہ لکھا ہے تو مذی منظور نے اب کے — حق بین کو نکھارا جس نے تاریخی بیانوں میں

۵۔ قطعاتِ منظومہ متعلق توثیق فدک از شاعرِ اہلِ بیت جناب نشاط واسطی صاحب قبلہ اکال گڑھ۔ ضلع گوجرانوالہ

قطعہ ۱

حق نہیں چھپتا چھپانے سے کبھی زہرا کا
کوششیں لاکھ کریں گرچہ زمانے والے
پٹکا چوکیروی ایسوں نے بہت سر لیکن
مٹ گئے آپ صداقت کو مٹانے والے

قطعہ ۲

لکھی "تحقیقِ فدک" ہے جھوٹی شہرت کیلئے
دشمنی زہرا سے دعوے خدمتِ اسلام کا
حضرتِ چوکیروی دیکھیں جو "توثیق فدک"
توڑ ڈالیں جال وہ اپنے خیالِ خام کا

بطورِ شکریہ

میں ان تمام مومنین ومخلصین وعلمار کرام کی خدمت فیضدرجت میں ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس تالیف میں حقیر کی ہر طرح سے امداد فرمائی ہے۔ خصوصاً جناب مولٰنا مولوی محمد یار شاہ صاحب قبلہ وجناب مولٰنا محمد امیر الدین صاحب قبلہ وجناب مبلغ اعظم مدظلہٗ وناظم شیعہ دار التبلیغ گوجرہ جناب سید بشیر حسین بخاری صاحب ویروفیسر مولانا خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری وجناب سید وزیر حسین شیرازی صدر خوشنویس یونین سرگودھا کا۔ جنہوں نے مفید مشورہ جات دیکر اور اپنے قیمتی اوقات میں تالیف ہذا کا مطالعہ فرما کر تصحیح وغیرہ فرمائی ہے اور جس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی۔ میں خداوند عالم سے دعا کرتا ہوں کہ ان تمام بزرگان قوم کا یہ مخلصانہ عمل بارگاہ جناب سیدہ شہیدہ جور وجفا میں مقبول اور عنداللہ ماجور ہو۔

خادم قوم
منظور حسین شاہ بخاری۔ اجنالہ ضلع سرگودھا

کتاب توثیق فدک کے ملنے کے پتے

(۱) مولوی غلام مہدی صاحب مدرسہ محمدیہ سرگودھا۔
(۲) سید وزیر حسین شیرازی خوشنویس بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا۔
(۳) سید منظور حسین شاہ۔ اجنالہ ضلع سرگودھا۔
(۴) شیعہ دار التبلیغ گوجرہ ضلع لائلپور